

سیرت سیدنا عمر فاروق رضی

حصہ دوم

اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر ہوتا
ترمذی

مؤلف

مختار بھٹی چچا سہیل

سیرت سیدنا عمر فاروق رضی



اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر ہوتا
ترمذی

مولانا

مظاہر بھٹی چچا سہیل

جملہ حقوق طباعت و اشاعت محفوظ ہیں

نام کتاب ===== سیرت سیدنا عمر فاروقؓ

مؤلف ===== محمد طاہر بھٹی چک قاسم کا

صفحات ===== ۳۵۲

قیمت ===== 0

موبائل نمبر

03477172726 , 03183625575

پتہ

چک قاسم کا تحصیل و ضلع بہاولنگر، پنجاب پاکستان

E-mail: Tahirbhatti697@gmail.com

فہرست

نمبر شمار	عنوانات
۲۵	فتوحات پر ایک اجمالی نظر
۲۵	فتوحات فاروقی کی وسعت
۲۶	فتح کے اسباب یورپین مؤرخوں کی رائے کے موافق
۲۷	یورپین مؤرخین کی رائے کی غلطی
۲۸	فتوحات کے اصلی اسباب
۳۰	سکندر وغیرہ کی فتوحات
۳۲	فتوحات میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اختصاص
۳۴	نظام حکومت
۳۵	جمہوری اور شخصی سلطنت کا موازنہ
۳۷	حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت میں مجلس شوریٰ (کونسل)
۳۷	مجلس شوریٰ کے ارکان اور اس کے انعقاد کا طریقہ
۳۸	مجلس شوریٰ کے جلسے

۳۹	ایک اور مجلس
۴۰	عام رعایا کی مداخلت
۴۱	خلیفہ کا عام حقوق میں سب کے ساتھ مساوی ہونا
۴۲	ملک کی تقسیم صوبجات اور اضلاع و عہدیداران ملکی
۴۲	حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقرر کردہ صوبے
۴۶	نوشیروانی عہد کے صوبے
۴۶	صوبوں کے افسر
۴۸	حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جوہر شناسی
۵۱	عہدیداروں کے مقرر کرنے کے لیے مجلس شوریٰ
۵۱	تنخواہ کا معاملہ
۵۲	عالموں کے فرامین میں ان کے فرائض کی تفصیل
۵۳	عالموں سے جن باتوں کا عہد لیا جاتا تھا
۵۳	عالموں کے مال و اسباب کی فہرست
۵۴	زمانہ حج میں تمام عالموں کی طلبی
۵۵	عالموں کی تحقیقات

۵۶	کمیشن
۶۸	حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا استدلال
۶۸	عراق کا بندوبست
۶۹	افسران کا بندوبست
۷۰	عراق کا کل رقبہ
۷۱	عراق کا خراج
۷۱	زمیندار اور تعلقہ دار
۷۲	پیداوار اور آمدنی میں ترقی
۷۲	ہر سال مال گزاری کی نسبت رعایا کی اظہار لیا جانا
۷۳	حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں جس قدر خراج وصول ہوا زمانہ بعد میں کبھی نہیں ہوا
۷۴	رومیوں کا اضافہ
۷۵	حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قدیم طریقے کی اصلاح کی
۷۵	مصر میں وصول مال گزاری کا طریقہ
۷۷	مصر کا کل خراج

۷۷	مصر کا خراج بنو امیہ اور عباسیہ کے زمانے میں
۷۸	شام
۷۹	قانون مال گزاری میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اصلاحات
۸۲	بندوبست مال گزاری میں ذمیوں سے رائے لینا
۸۳	ترقی زراعت
۸۳	محکمہ آبپاشی
۸۴	خراجی اور عشری
۸۶	اور قسم کی آمدنیاں
۸۶	گھوڑوں پر زکوٰۃ
۸۶	عشور
۸۷	صیغہ عدالت محکمہ قضاء
۹۲	قضاۃ کا انتخاب
۹۳	حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے کے احکام عدالت
۹۴	قضاۃ کا امتحان کے بعد مقرر ہونا

۹۵	رشوت سے محفوظ رکھنے کے وسائل
۹۵	انصاف میں مساوات
۹۶	آبادی کے لحاظ سے قضاۃ کی تعداد کا کافی ہونا
۹۶	ماہرین فن کی شہادت
۹۷	عدالت کا مکان
۹۸	محکمہ افتاء
۹۹	حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے کے مفتی
۱۰۰	فوج داری اور پولیس
۱۰۱	جیل خانہ کی ایجاد
۱۰۱	جلا وطنی کی سزا
۱۰۱	بیت المال (یا) خزانہ بیت المال پہلے نہ تھا
۱۰۲	بیت المال کس سنہ میں قائم ہوا؟
۱۰۳	بیت المال کے افسر
۱۰۳	بیت المال کی عمارتیں
۱۰۵	جو رقم دار الخلافہ کے خزانے میں رہتی تھی

۱۰۵	پبلک ورک یا نظارت نافعہ
۱۰۶	حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو نہریں تیار کرائیں
۱۰۶	نہر ابی موسیٰ
۱۰۶	نہر معقل
۱۰۷	نہر سعد
۱۰۷	نہر امیر المومنین
۱۰۸	حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو عمارتیں تیار کرائیں
۱۱۰	سڑکوں اور پلوں کا انتظام
۱۱۱	مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ تک چوکیاں اور سرائیں
۱۱۱	شہروں کا آباد کرنا
۱۱۲	بصرہ
۱۱۳	کوفہ
۱۱۶	فسطاط
۱۱۷	فسطاط کی وسعت آبادی
۱۱۸	موصل

۱۱۹	جیزہ
۱۲۰	صیغہ فوج
۱۲۰	فوجی نظام رومن ایمپائر میں
۱۲۰	فوجی نظام فارس میں
۱۲۱	فوجی نظام فرانس میں
۱۲۱	حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فوجی نظام
۱۲۲	تمام ملک کا فوج بنانا
۱۲۶	فوجی صدر مقامات
۱۲۷	فوجی بارکیں
۱۲۷	گھوڑوں کی پرداخت
۱۲۹	فوج کا دفتر
۱۲۹	فوجی چھاؤنیاں
۱۳۲	فوجی چھاؤنیاں کس اصول پر قائم تھیں؟
۱۳۳	فوجی دفتر کی وسعت
۱۳۳	ہر سال 30 ہزار نئی فوج تیار ہوتی تھی

۱۳۴	فوج میں عجی رومی ہندوستانی اور یہودی داخل تھے
۱۳۷	تنخواہوں میں ترقی
۱۳۷	رسد کا انتظام
۱۳۸	رسد کا مستقل محکمہ
۱۳۸	خوراک، کپڑا اور بھتہ
۱۳۹	تنخواہ کی تقسیم کا طریقہ
۱۴۰	تنخواہوں کی ترقی
۱۴۰	اختلاف موسم کے لحاظ سے فوج کی تقسیم
۱۴۱	بہار کے زمانے میں فوجوں کا قیام
۱۴۱	آب و ہوا کا لحاظ
۱۴۱	کوچ کی حالت میں فوج کے آرام کا دن
۱۴۲	رخصت کے قاعدے
۱۴۲	فوج کا لباس
۱۴۳	فوج میں خزانچی و محاسب و مترجم
۱۴۳	فن جنگ میں ترقی

۱۴۵	ہر سپاہی کو جو ضروری چیزیں ساتھ رکھنی پڑتی تھیں
۱۴۵	قلعہ شکن آلات
۱۴۶	سفر مینا
۱۴۶	خبر رسانی اور جاسوسی
۱۴۷	خبر رسانی اور جاسوسی
۱۴۷	پرچہ نویسوں کا انتظام
۱۴۸	صیغہ تعلیم
۱۴۸	صیغہ مذہبی
۱۴۹	اشاعت اسلام کا طریقہ
۱۵۱	اشاعت اسلام کے اسباب
۱۵۲	حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں جو لوگ اسلام لائے
۱۵۶	حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قرآن مجید کی جمع و ترتیب میں جو کوششیں کیں
۱۵۷	قرآن مجید کی حفاظت اور صحت الفاظ و اعراب کی تدبیریں

۱۵۸	قرآن مجید کی تعلیم کا انتظام
۱۵۸	مکاتب قرآن
۱۵۸	بدوؤں کو جبری تعلیم
۱۵۸	کتاب کی تعلیم
۱۵۹	قراء صحابہ کا تعلیم قرآن کے لئے دور دراز مقامات پر بھیجنا
۱۶۰	تعلیم قرآن کا طریقہ
۱۶۰	دمشق کی مسجد میں طلبہ قرآن کی تعداد
۱۶۰	اشاعت قرآن کے وسائل
۱۶۱	حافظوں کی تعداد
۱۶۱	صحت اعراب کی تدبیریں
۱۶۲	ادب اور عربیت کی تعلیم
۱۶۲	حدیث کی تعلیم
۱۶۳	فقہ
۱۶۳	مسائل فقہ کی اشاعت
۱۶۵	مسائل فقہیہ میں اجماع

۱۶۶	فقہ کی تعلیم کا انتظام
۱۶۷	فقہاء کی تنخواہیں
۱۶۸	معلمین فقہ کی رفعت شان
۱۶۸	ہر شخص فقہ کی تعلیم کا مجاز نہ تھا
۱۶۹	عملی انتظام
۱۶۹	اماموں اور مؤذنون کا تقرر
۱۷۰	حاجیوں کی قافلہ سالاری
۱۷۰	مساجد کی تعمیر
۱۷۱	حرم محترم کی وسعت
۱۷۲	مسجد نبوی کی وسعت اور مرمت
۱۷۲	مسجد میں فرش اور روشنی کا انتظام
۱۷۳	متفرق انتظامات
۱۷۴	سنہ ہجری مقرر کرنا
۱۷۵	مختلف قسم کے رجسٹر
۱۷۵	دفتر خراج

۱۷۵	بیت المال کے کاغذات کا حساب
۱۷۶	مصارف جنگ کے کاغذات
۱۷۶	مردم شماری کے کاغذات
۱۷۷	کاغذات حساب لکھنے کا طریقہ
۱۷۷	سکہ
۱۷۸	ذمی رعایا کے حقوق
۱۷۸	پارسیوں اور عیسائیوں کا برتاؤ غیر قوموں کے ساتھ
۱۸۰	بیت المقدس کا معاہدہ
۱۸۲	بند و بست مال گزاری میں ذمیوں کا خیال
۱۸۳	ذمیوں سے ملکی انتظامات میں مشورہ
۱۸۴	ذمیوں کی شرائط کا ایفاء
۱۸۶	مذہبی امور میں آزادی
۱۸۷	مسلمانوں اور ذمیوں کی ہمسری
۱۸۹	ذمیوں کی عزت کا خیال
۱۹۰	سازش اور بغاوت کی حالت میں ذمیوں کے ساتھ سلوک

۱۹۱	مخالف کی طرف سے اعتراض کی تقریر
۱۹۴	صلیب اور ناقوس کی بحث
۱۹۶	عیسائیوں کے جلاوطن کرنے کا معاملہ
۱۹۸	جزیرہ کی بحث
۲۰۰	غلامی کا رواج کم کرنا
۲۰۱	عرب کا غلام نہ ہو سکتا
۲۰۵	شاہی خاندان کے اسیران جنگ کے ساتھ برتاؤ
۲۰۵	عام غلاموں کے ساتھ مراعات
۲۰۶	غلاموں کو اپنے عزیز واقارب سے جدا نہ کیا جانا
۲۰۷	غلاموں میں اہل کمال
۲۰۸	عام سلاطین اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے طریق سیاست میں فرق
۲۰۹	حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مشکلات
۲۱۲	حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حکومت کی خصوصیتیں
۲۱۴	اصول مساوات

۲۱۵	امیر المومنین کا لقب کیوں اختیار کیا
۲۱۷	سیاست
۲۲۰	عہدہ داران سلطنت کا عمدہ انتخاب
۲۲۱	بے لاگ عدل و انصاف
۲۲۲	قدیم سلطنتوں کے حالات و انتظامات سے واقفیت
۲۲۴	واقفیت حالات کے لئے پرچہ نویس اور واقعہ نگار
۲۲۶	بیت المال کا خیال
۲۳۱	غربا اور مساکین کے روزینے
۲۳۱	مہمان خانے
۲۳۲	لا وارث بچے
۲۳۲	یتیموں کی خبر گیری
۲۳۲	خط کا انتظام
۲۳۳	رفاہ عام کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نکتہ سنجی
۲۳۵	جزئیات پر توجہ
۲۳۶	رعایا کی شکایتوں سے واقفیت کے وسائل

۲۳۶	سفارت
۲۳۷	شام کا سفر اور رعایا کی خبر گیری
۲۴۲	امامت اور اجتہاد
۲۴۳	مسئلہ قضا و قدر
۲۴۴	تعظیم شعائر اللہ
۲۴۵	نبی کے اقوال و افعال کہاں تک منصب نبوت سے تعلق رکھتے ہیں
۲۴۶	حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے علم اسرار الدین کی بنیاد ڈالی
۲۴۸	اخلاق اسلامی کا محفوظ رکھنا اور ترقی دینا
۲۴۹	فخر و غرور کا استیصال
۲۵۰	ہجو کی ممانعت
۲۵۱	ہوس پرستی کی روک تھام
۲۵۱	شاعری کی اصلاح
۲۵۱	شراب خوری
۲۵۱	آزادی اور حق گوئی قائم رکھنا

۲۵۴	اجتہاد سے منصب حدیث وفقہ
۲۵۴	احادیث کا تفحص
۲۵۵	حدیث کی اشاعت
۲۵۶	ایک دقیق نکتہ
۲۵۷	احادیث میں فرق مراتب
۲۵۸	روایت کی چھان بین
۲۶۰	کثرت روایت سے روکنا
۲۶۴	صحابہ میں جو لوگ کم روایت کرتے تھے
۲۶۵	علم فقہ
۲۶۶	فقہ کے تمام سلسلوں کے مرجع حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں
۲۶۸	صحابہ میں چھ شخص فقہ کے امام تھے
۲۷۱	مشکل مسائل قلمبند کرنا
۲۷۱	دقیق مسائل میں وقتاً فوقتاً خوض کرتے رہنا
۲۷۳	فتوحات کی وسعت کی وجہ سے نئے نئے مسئلوں کا پیدا ہونا
۲۷۳	لوگوں کا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے استفسار کرنا

۲۷۳	صحابہ کے مشورہ سے مسائل طے کرنا
۲۷۴	مسائل اجماعیہ
۲۷۵	حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مسائل فقہیہ کی تعداد
۲۷۵	اصول فقہ
۲۷۹	خبر آحاد کے قابل --- ہونے کی بحث
۲۸۰	قیاس
۲۸۳	استنباط احکام کے اصول
۲۸۵	حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مسائل فقہیہ کی تعداد
۲۸۵	خمس کا مسئلہ
۲۹۰	فے کا مسئلہ
۲۹۳	فدک کا مسئلہ
۳۰۰	ذاتی حالات اور اخلاق و عادات
۳۰۱	قوت تقریر
۳۰۱	خطبہ
۳۰۴	پولیٹیکل خطبہ

۳۰۵	خطبے کے لئے جو باتیں درکار ہیں
۳۰۶	حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خطبوں کا خاتمہ ہمیشہ
۳۰۶	ان فقروں پر ہوتا تھا۔
۳۰۶	قوت تحریر
۳۰۷	مذاق شاعری
۳۰۸	حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ زہیر کو اشعر اشعراء کہتے تھے
۳۰۹	زہیر کی نسبت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ریمارک
۳۱۰	نابغہ کی تعریف
۳۱۱	شعر کا ذوق
۳۱۲	حفظ اشعار
۳۱۴	علم الانساب
۳۱۵	عبرانی زبان سے واقفیت
۳۱۶	ذہانت و طباعی
۳۱۷	حکیمانہ مقولے
۳۱۹	صائب الرائے ہونا

۳۱۹	اذان کا طریقہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے سے قائم ہوا
۳۲۰	اسیران بدر
۳۲۰	ازواج مطہرات کا پردہ
۳۲۰	منافقوں پر نماز جنازہ
۳۲۱	قابلیت خلافت کی نسبت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے
۳۲۲	نکتہ سنجی اور غوررسی
۳۲۳	مذہبی زندگی
۳۲۳	نماز
۳۲۴	حج ہر سال کرتے تھے اور خود امیر قافلہ ہوتے تھے
۳۲۵	بے تعصبی
۳۲۷	علمی صحبتیں
۳۲۸	ارباب صحبت
۳۳۱	اہل کمال کی قدردانی
۳۳۴	متعلقین جناب رسول اللہ کا پاس و لحاظ

۳۳۶	اخلاق، عادات، تواضع و سادگی
۳۳۸	زندہ دلی
۳۳۹	مزاج کی سختی
۳۴۰	آل اولاد کے ساتھ محبت
۳۴۱	مسکن
۳۴۲	وسائل معاش تجارت
۳۴۲	جاگیر
۳۴۳	مشاہرہ
۳۴۳	زراعت
۳۴۳	غذا
۳۴۴	لباس
۳۴۴	سادگی اور بے تکلفی
۳۴۵	حلیہ
۳۴۸	ازواج و اولاد
۳۵۰	اولاد ذکور

۳۵۰	عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۳۵۱	سالم بن عبداللہ
۳۵۲	عبید اللہ
۳۵۲	عاصم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فتوحات پر ایک اجمالی نظر

پہلے حصے میں تم فتوحات کی تفصیل پڑھ آئے ہو۔ اس سے تمہارے دل پر اس عہد کے مسلمانوں کے جوش، ہمت، عزم و استقلال کا قوی اثر پیدا ہوا ہوگا۔ لیکن اسلاف کی داستان سننے میں تم نے اس کی پروانہ کی ہوگی کہ واقعات کو فلسفہ تاریخی کی نگاہ سے دیکھا جائے۔

لیکن ایک نکتہ سنج مؤرخ کے دل میں فوراً یہ سوالات پیدا ہوں گے کہ چند صحرائیوں نے کیونکر فارس و روم کا دفتر الٹ دیا! کیا یہ تاریخ عالم کا کوئی مستثنیٰ واقعہ ہے؟ آخر اس کے اسباب کیا تھے۔ کیا ان واقعات کو سکندر و چنگیز کی فتوحات سے تشبیہ نہیں دی جاسکتی؟ جو کچھ ہوا اس میں فرمانروائے خلافت کا کتنا حصہ تھا؟ ہم اس موقع پر انہی سوالات کا جواب دینا چاہتے ہیں۔ لیکن اجمال کے ساتھ پہلے یہ بتا دینا ضروری ہے کہ فتوحات فاروقی کی وسعت اور اس کے حدود اور بے کیا تھے۔

فتوحات فاروقی کی وسعت

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقبوضہ ممالک کا کل رقبہ 2251030 / میل مربع یعنی مکہ سے شمال کی جانب 1036 / مشرق کی جانب 1087 / جنوب کی جانب 483 / میل تھا۔ مغرب کی جانب چونکہ صرف جدہ تک حد حکومت تھی اس لیے وہ قابل ذکر نہیں۔

اس میں شام، مصر، عراق، جزیرہ، خوزستان، عراق، عجم، آرمینیا، آذربائیجان، فارس، کرمان، خراسان اور مکران جس میں بلوچستان کا حصہ آجاتا ہے۔ شامل تھا، ایشیائے کوچک

پرجس کو اہل عرب روم کہتے ہیں 20 ہجری میں حملہ ہوا تھا لیکن وہ فتوحات کی فہرست میں شمار ہونے کے قابل نہیں۔ یہ تمام فتوحات خاص حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فتوحات ہیں۔ اور اس کی تمام مدت دس برس سے کچھ ہی زیادہ ہے۔

فتح کے اسباب یورپین مؤرخوں کی رائے کے موافق

پہلے سوال کا جواب یورپین مؤرخوں نے یہ دیا ہے کہ اس وقت فارس و روم دونوں سلطنتیں اوج اقبال سے گر چکی تھیں۔ فارس میں خسرو پرویز کے بعد نظام سلطنت بالکل درہم برہم ہو گیا تھا۔ کیونکہ کوئی لائق شخص جو حکومت کو سنبھال سکتا موجود نہ تھا۔ دربار کے عمائدین و ارکان میں سازشیں شروع ہو گئی تھیں۔ اور انہی سازشوں کی بدولت تخت نشینوں میں ادل بدل ہوتا رہتا تھا۔ چنانچہ تین چار برس کے عرصے میں ہی عنان حکومت چھ سات فرمانرواؤں کے ہاتھ میں آئی اور نکل گئی۔ ایک اور وجہ یہ ہوئی کہ نو شیرواں سے کچھ پہلے مزوکیہ فرقہ کا بہت زور ہو گیا تھا۔ جو الحاد و زندقہ کی طرف مائل تھا۔

نو شیرواں نے گوتلوار کے ذریعے سے اس مذہب کو بادیات کیا تھا۔ لیکن بالکل مثانہ نہ سکا۔ اسلام کا قدم جب فارس میں پہنچا تو اس فرقے کے لوگوں نے مسلمانوں کو اس حیثیت سے اپنا پشت پناہ سمجھا کہ وہ کسی کے مذہب و عقائد سے تعرض نہیں کرتے تھے۔ عیسائیوں میں نسٹورین فرقہ جس کو اور کسی حکومت میں پناہ نہیں ملتی تھی وہ اسلام کے سایہ میں آ کر مخالفوں کے ظلم سے بچ گیا۔ اس طرح مسلمانوں کو دو بڑے فرقوں کی ہمدردی اور اعانت مفت میں ہاتھ آ گئی۔ روم کی سلطنت خود کمزور ہو چکی تھی۔ اس کے ساتھ عیسائیت کے باہمی اختلافات ان دونوں زوروں پر تھے۔ اور چونکہ اس وقت تک مذہب کو نظام حکومت میں دخل تھا اس لیے اس اختلاف کا اثر مذہبی خیالات تک محدود نہ تھا بلکہ اس کی وجہ سے خود

سلطنت کمزور ہوتی جاتی تھی۔

یورپین مورخین کی رائے کی غلطی

یہ جواب گودا قیامت سے بالکل خالی نہیں، لیکن جس قدر واقعیت ہے اس سے زیادہ طرز استدلال کی ملمع سازی ہے۔ جو یورپ کا خاص انداز ہے۔ بے شبہ اس وقت فارس و روم کی سلطنتیں اپنے عروج پر نہیں رہی تھیں، لیکن اس کا صرف اس قدر نتیجہ ہو سکتا تھا کہ وہ پرزور قوی سلطنت کا مقابلہ نہ کر سکتیں نہ یہ کہ عرب جیسی بے سرو سامان قوم سے ٹکرا کر پرزے پرزے ہو جاتیں۔ روم و فارس گو کسی حالت میں تھے تاہم فنون جنگ میں ماہر تھے۔ یونان میں خاص قواعد حرب پر جو کتابیں لکھی گئی تھیں اور جواب تک موجود ہیں رومیوں میں ایک مدت تک ان کا عملی رواج رہا۔ اس کے ساتھ رسد کی فراوانی، سرو سامان کی بہتات، آلات جنگ کے تنوع فوجوں کی کثرت میں کمی نہیں آئی تھی۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ کسی ملک پر چڑھ کر جانا نہ تھا بلکہ اپنے ملک میں اپنے قلعوں میں اپنے مورچوں میں رہ کر اپنے ملک کی حفاظت کرنی تھی، مسلمانوں کے حملے سے ذرا ہی پہلے خسرو پرویز کے عہد میں جو ایران کی شان و شوکت کی عین شباب تھا۔ قیصر روم نے ایران پر حملہ کیا اور ہر قدم پر فتوحات حاصل کرتا ہوا اصفہان تک پہنچ گیا۔ شام کے صوبے جو ایرانیوں نے چھین لیے تھے واپس لے لیے اور نئے سرے سے نظم و نسق قائم کیا۔

ایران میں خسرو پرویز تک تو عموماً مسلم ہے کہ سلطنت کو نہایت جاہ جلال تھا۔ خسرو پرویز کی وفات سے اسلامی حملے تک صرف تین چار برس کی مدت ہے۔ اتنے تھوڑے عرصے میں ایسی قوم اور قدیم سلطنت کہاں تک کمزور ہو سکتی تھی۔ البتہ تخت نشینوں کی ادل بدل سے نظام میں فرق آ گیا تھا۔ لیکن چونکہ سلطنت کے اجزاء یعنی خزانہ، فوج اور محاصل میں کوئی کمی نہیں

آئی تھی۔ اس لیے جب یزدگرد تخت نشین ہوا اور درباریوں نے اصلاح کی طرف توجہ کی تو فوراً نئے سرے سے وہی ٹھاٹھ قائم ہو گئے۔ مزدکیہ فرقہ گو ایران میں موجود تھا۔ لیکن ہم کو تمام تاریخ میں ان سے کسی قسم کی مدد ملنے کا حال معلوم نہیں ہوتا۔ اسی طرح فرقہ نسورین کی کوئی اعانت یا ان سے کسی قسم کی مدد ملنے کا حال معلوم نہیں ہوتا۔

اسی طرح فرقہ نسورین کی کوئی اعانت کی کوئی اعانت ہم کو معلوم نہیں۔ عیسائیت کے اختلاف مذہب کا اثر بھی کسی واقعہ پر خود یورپین مورخوں نے کہیں نہیں بتایا۔

اب عرب کی حالت دیکھو! تمام فوجیں جو مصر و ایران و روم کی جنگ میں مصروف تھیں ان کی مجموعی تعداد کبھی ایک لاکھ تک بھی نہ پہنچی۔ فنون جنگ سے واقفیت کا یہ حال تھا کہ یرموک پہلا معرکہ ہے جس میں عرب میں تعبیه کے طرز پر صف آرائی کی۔ خود، زرہ، چلتہ، جوشن، بکتر، چار آئینہ، آہنی دستانے، جہلم موزے جو ہر ایرانی سپاہی کا لازمی ملبوس جنگ تھا۔^(۱) اس میں سے عربوں کے پاس صرف زرہ تھی اور وہ بھی اکثر چمڑے کی ہوتی تھی۔ رکاب لوہے کی بجائے لکڑی کی ہوتی تھی۔ آلات جنگ میں گرز و کمند سے عرب بالکل آشنا نہ تھے۔ تیر تھے لیکن ایسے چھوٹے اور کم حیثیت کہ قادیسیہ کے معرکہ میں ایرانیوں نے جب پہلے پہل ان کو دیکھا تو سمجھا کہ نکلے ہیں۔

فتوحات کے اصلی اسباب

ہمارے نزدیک اس سوال کا اصلی جواب صرف اس قدر ہے کہ مسلمانوں میں اس وقت پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی بدولت جو جوش، عزم، استقلال، بلند حوصلگی، دلیری پیدا ہو گئی تھی اور جس کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اور زیادہ قوی اور تیز کر دیا تھا۔ روم اور

۱۔ (بن قتیبہ نے اخبار الطوال میں لکھا ہے۔ یہ چیزیں ہر سپاہی کو استعمال کرنی پڑتی تھیں۔)

فارس کی سلطنتیں عین عروج کے زمانے بھی اس کی ٹکڑ نہیں اٹھا سکتی تھیں۔ البتہ اس کے ساتھ اور چیزیں بھی مل گئی تھیں۔ جنہوں نے فتوحات میں نہیں بلکہ قیام حکومت میں مدد دی۔ اس میں سب سے مقدم چیز مسلمانوں کی راست بازی اور دیانت داری تھی۔ جو ملک فتح ہوتا تھا وہاں کے لوگ مسلمانوں کی راست بازی کے اس قدر گرویدہ ہو جاتے تھے کہ باوجود اختلاف مذہب کے ان کی سلطنت کا زوال نہیں چاہتے تھے۔ یرموک کے معرکہ میں مسلمان جب شام کے اضلاع سے نکلے تو تمام عیسائی رعایا نے پکارا کہ ”خدا تم کو پھر اس ملک میں لائے۔“ اور یہودیوں نے توریت ہاتھ میں لے کر کہا کہ ”ہمارے جیتے جی قیصر اب یہاں نہیں آ سکتا۔“

رومیوں کی حکومت جو شام و مصر میں تھی وہ بالکل جابرانہ تھی۔ اس لیے رومیوں نے جو مقابلہ کیا وہ سلطنت اور فوج کے زور سے کیا۔ رعایا ان کے ساتھ نہ تھی۔ مسلمانوں نے جب سلطنت کا زور توڑا تو آگے مطلع صاف تھا۔ یعنی رعایا کی طرف سے کسی قسم کی مزاحمت نہ ہوئی، البتہ ایران کی حالت اس سے مختلف تھی۔ وہاں سلطنت کے نیچے بہت سے بڑے بڑے رئیس تھے جو بڑے بڑے اضلاع اور صوبوں کے مالک تھے۔ وہ سلطنت کے لیے نہیں بلکہ خود اپنی ذاتی حکومت کے لیے لڑتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ پائے تخت کے فتح کر لینے پر بھی فارس میں ہر قدم پر مسلمانوں کو مزاحمتیں پیش آئیں لیکن عام رعایا وہاں بھی مسلمانوں کی گرویدہ ہوتی جاتی تھی۔ اور اس لیے فتح کے بعد بقائے حکومت میں ان سے بہت مدد ملتی تھی۔

ایک اور بڑا سبب یہ تھا کہ مسلمانوں کا اول حملہ شام و عراق پر ہوا۔ اور دونوں مقامات میں کثرت سے عرب آباد تھے۔ شام میں دمشق کا حاکم غسانی خاندان کا تھا جو برائے نام قیصر

کا محکوم تھا۔ عراق میں نجی خاندان والے دراصل ملک کے مالک تھے۔ گو کسریٰ کو خراج کے طور پر کچھ دیتے تھے، ان عربوں نے اگرچہ اس وجہ سے کہ عیسائی ہو گئے تھے۔ اول اول مسلمانوں کا مقابلہ کیا۔ لیکن قومی اتحاد کا جذبہ رائیگاں نہیں جاسکتا تھا۔ عراق کے بڑے بڑے رئیس بہت جلد مسلمان ہو گئے اور مسلمان ہو جانے پر وہ مسلمانوں کے دست و بازو بن گئے۔^(۱)

(شام میں بھی آخر عربوں نے اسلام قبول کر لیا اور رومیوں کی حکومت سے آزاد ہو گئے۔ سکندر اور چنگیز وغیرہ کا نام لینا یہاں بالکل بے موقع ہے، بے شبہ ان دونوں نے بڑی بڑی فتوحات حاصل کیں۔ لیکن کیونکر؟ قہر، ظلم اور قتل عام کی بدولت چنگیز کا حال تو سب کو معلوم ہے۔

سکندر وغیرہ کی فتوحات

سکندر کی یہ کیفیت ہے کہ جب اس نے شام کی طرف شہر صور کو فتح کیا تو چونکہ وہاں کے لوگ دیر تک جم کر لڑے تھے اس لیے قتل عام کا حکم دیا اور ایک ہزار شہریوں کے سر شہر پناہ کی دیوار پر لٹکا دیئے۔ اس کے ساتھ 30 ہزار باشندوں کو لونڈی غلام بنا کر بیچ ڈالا۔ جو لوگ قدیم باشندے اور آزادی پسند تھے۔ ان میں ایک شخص کو بھی زندہ نہ چھوڑا۔ اسی طرح فارس میں اصطر کو فتح کیا تو تمام مردوں کو قتل کر دیا۔ اسی طرح کی اور بھی بے رحمیاں اس کے کارناموں میں مذکور ہیں۔ عام طور پر مشہور ہے کہ ظلم اور ستم سے سلطنت برباد ہو جاتی ہے۔ یہ اس لحاظ سے صحیح ہے کہ ظلم کی بقائیں نہیں۔ چنانچہ سکندر اور چنگیز کی سلطنتیں بھی دیر پانہ ہوئیں لیکن فوری فتوحات کے لیے اسی قسم کی سفاکیاں کارگر ثابت ہوئی ہیں۔ ان کی وجہ

۱۔ (آگے چل کر ایک موقع پر ہم نے ان کے نام بھی تفصیل سے لکھے ہیں)

سے ملک کا ملک مرعوب ہو جاتا ہے۔ اور چونکہ رعایا کا بڑا گروہ ہلاک ہو جاتا ہے، اس لیے بغاوت و فساد کا اندیشہ باقی نہیں رہتا۔ یہی وجہ ہے کہ چنگیز، بخت نصر، تیمور، نادر شاہ جتنے بڑے بڑے فاتح گزرے ہیں سب کے سب سفاک بھی تھے۔

لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فتوحات میں کبھی سرسرموقانون و انصاف سے تجاوز نہیں ہو سکتا تھا۔ آدمیوں کا قتل عام ایک طرف، درختوں کے کاٹنے تک کی اجازت نہ تھی۔ بچوں اور بوڑھوں سے بالکل تعرض نہیں کیا جاسکتا تھا۔ بجز عین معرکہ کارزار کے کوئی شخص قتل نہیں کیا جاسکتا تھا۔ دشمن سے کسی موقع پر بدعہدی یا فریب دہی نہیں کی جاسکتی تھی۔ افسروں کو تاکید احکام دیئے جاتے تھے۔^(۱)

یعنی دشمن تم سے لڑائی کریں تو تم ان سے فریب نہ کرو۔ کسی کی ناک کان نہ کاٹو۔ کسے بچے کو قتل نہ کرو۔

جو لوگ مطیع ہو جاتے تھے ان سے دوبارہ اقرار لے کر درگزر کی جاتی تھی، یہاں تک کہ جب عربوں والے تین تین دفعہ متواتر اقرار کر کے پھر گئے، تو صرف اس قدر کیا کہ ان کو وہاں سے جلا وطن کر دیا لیکن اس کے ساتھ ان کی کل جائیداد مقبوضہ کی قیمت ادا کر دی۔ خیبر کے یہودیوں کو سازش اور بغاوت کے جرم میں نکالا تو ان کی مقبوضہ ارضیات کا معاوضہ دے دیا اور اضلاع کے حکام کو احکام بھیج دیئے کہ جدھر سے ان لوگوں کا گزر ہو ان کو ہر طرح کی اعانت دی جائے۔ اور جب کسی شہر میں قیام پذیر ہوں تو ایک سال تک ان سے جزیہ نہ لیا جائے۔

جو لوگ فتوحات فاروقی کی حیرت انگیزی کا جواب دیتے ہیں کہ دنیا میں اور بھی ایسے فاتح

گزرے ہیں، ان کو یہ دکھانا چاہیے کہ اس احتیاط، اس قید، اس پابندی، اس درگزر کے ساتھ دنیا میں کس حکمران نے ایک چپہ بھرز میں بھی فتح کی ہے۔

اس کے علاوہ سکندر اور چنگیز وغیرہ خود ہر موقع اور ہر جنگ میں شریک رہتے تھے اور خود سپہ سالار بن کر فوج کو لڑاتے تھے۔ اس کی وجہ سے علاوہ اس کے کہ فوج کو ایک ماہر سپہ سالار ہاتھ آتا تھا۔ فوج کے دل قوی رہتے تھے۔ اور ان میں بالطبع اپنے آقا پر فدا ہو جانے کا جوش پیدا ہوتا تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تمام مدت خلافت میں ایک دفعہ بھی کسی جنگ میں شریک نہیں ہوئے۔ فوجیں ہر جگہ کام کر رہی تھیں۔ البتہ ان کی باگ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ میں رہتی تھیں۔ ایک اور صریحی فرق یہ ہے کہ سکندر وغیرہ کی فتوحات گزرنے والے بادل کی طرح تھیں۔ ایک دفعہ زور سے آیا اور نکل گیا۔ ان لوگوں نے جو مالک فتح کئے وہاں کوئی نظم حکومت نہیں قائم کیا۔ اس کے برخلاف فتوحات فاروقی میں یہ استواری تھی کہ جو مالک اس وقت فتح ہوئے تیرہ سو برس گزرنے پر آج بھی اسلام کے قبضے میں ہیں اور خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں ہر قسم کے ملکی انتظامات وہاں قائم ہو گئے تھے۔

فتوحات میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اختصاص

آخری سوال کا جواب عام رائے کے موافق یہ ہے کہ فتوحات میں خلیفہ وقت کی چنداں تحقیق نہ تھی۔ اس وقت کے جوش اور عزم کی جو حالت تھی وہ خود تمام فتوحات کی کفیل تھی۔ لیکن ہمارے نزدیک یہ صحیح نہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں بھی تو آخر وہی مسلمان تھے۔ لیکن کیا نتیجہ ہوا؟ جوش اور اثر بے شبہ برقی قوتیں ہیں۔ لیکن یہ قوتیں اسی وقت کام دے سکتی ہیں جب کام لینے والا بھی اسی زور و

قوت کا ہو۔ قیاس اور استدلال کی ضرورت نہیں۔ واقعات خود اس کا فیصلہ کر سکتے ہیں۔ فتوحات کے تفصیلی حالات پڑھ کر صاف معلوم ہوتا ہے کہ تمام فوج پتلی کی طرح حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اشاروں پر حرکت کرتی تھی۔ اور فوج کا جو نظم و نسق تھا وہ خاص ان کی سیاست و تدبیر کی بدولت تھا۔ اسی کتاب میں آگے چل کر جب تم مفصل طور پر پڑھو گے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فوج کی ترتیب، فوجی مشقیں، بارکوں کی تعمیر، گھوڑوں کی پرداخت، قلعوں کی حفاظت، جاڑے اور گرمی کے لحاظ سے حملوں کا تعین، فوج کی نقل و حرکت، پرچہ نویسی کا انتظام، افسران فوجی کا انتخاب، قلعہ شکن آلات کا استعمال، یہ اور اس قسم کے امور کے متعلق کیا کیا انتظام خود ایجاد کئے۔ اور ان کو کس عجیب و غریب زور و قوت کے ساتھ قائم رکھا تو تم خود فیصلہ کر لو گے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بغیر یہ کل مطلق کام نہیں دے سکتی تھی۔

عراق کی فتوحات میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے درحقیقت خود سپہ سالاری کا کام کیا تھا۔ فوج جب مدینہ سے روانہ ہوئی تو ایک ایک منزل بلکہ راستہ تک خود متعین کر دیا تھا اور اس کے موافق تحریری احکام بھیجتے رہتے تھے۔ فوج قادسیہ کے قریب پہنچی تو موقع کا نقشہ منگوا بھیجا اور اس کے لحاظ سے فوج کی ترتیب اور صف آرائی سے متعلق ہدایتیں بھیجیں۔ جس قدر افسر جن جن کاموں پر مامور ہوتے تھے، ان کے خاص حکم کے موافق مامور ہوتے تھے۔

تاریخ طبری میں عراق کے واقعات کو تفصیل سے دیکھو تو صاف نظر آتا ہے کہ ایک بڑا سپہ سالار دور سے تمام فوجوں کو لٹا رہا ہے اور جو کچھ ہوتا ہے اس کے اشاروں پر ہوتا ہے۔ ان تمام لڑائیوں میں جو دس برس کی مدت میں پیش آئیں، سب سے زیادہ خطرناک دو موقعے

تھے۔ ایک نہاوند کا معرکہ جب ایرانیوں نے فارس کے صوبہ جات میں ہر جگہ نقیب دوڑا کر تمام ملک میں آگ لگادی تھی۔ اور لاکھوں فوج مہیا کر کے مسلمانوں کی طرف بڑھے تھے۔ دوسرے جب قیصر روم نے جزیرہ والوں کی اعانت سے دوبارہ حمص پر چڑھائی کی تھی۔ ان دونوں معرکوں میں صرف حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حسن تدبیر تھی، جس نے ایک طرف ایک اٹھتے ہوئے طوفان کو دبا دیا۔ اور دوسری طرف ایک کوہ گراں کے پر نچے اڑا دیئے۔ چنانچہ ہم ان واقعات کی تفصیل پہلے حصے میں لکھ آئے ہیں۔

ان واقعات کی تفصیل کے بعد یہ دعویٰ صاف ثابت ہو جاتا ہے کہ جب سے دنیا کی تاریخ معلوم ہے آج تک کوئی شخص فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے برابر فاتح اور کشور کشا نہیں گزرا جو فتوحات اور عدل دونوں کا جامع ہو۔

نظام حکومت

اسلام میں خلافت یا حکومت کی بنیاد اگرچہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں پڑی۔ لیکن حکومت کا دور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد سے شروع ہوتا ہے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دو سالہ خلافت میں اگرچہ بڑی بڑی مہمات کا فیصلہ وا۔ یعنی عرب کے مرتدوں کا خاتمہ ہو گیا۔ اور بیرونی فتوحات شروع ہوئیں۔ تاہم حکومت کا کوئی خاص نظام نہیں قائم ہوا۔ اور نہ اتنا مختصر زمانہ اس کے لیے کافی ہو سکتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک طرف تو فتوحات کو وسعت دی کہ قیصر و کسریٰ کی وسیع سلطنتیں ٹوٹ کر عرم میں مل گئیں۔ دوسری طرف حکومت و سلطنت کا نظام قائم کیا اور اس کو اس قدر ترقی دی کہ ان کی وفات تک حکومت کے جس قدر مختلف شعبے ہیں سب وجود میں آچکے تھے۔

لیکن قبل اس کے کہ ہم حکومت کے قواعد و آئین کی تفصیل بتائیں، پہلے یہ بتانا چاہتے ہیں

کہ اس حکومت کی ترکیب اور ساخت کیا تھی؟ یعنی شخصی تھی یا جمہوری؟ اگرچہ اس وقت عرب کا تمدن جس حد تک پہنچا تھا، اس کے لحاظ سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت پر جمہوری یا شخصی دونوں میں سے کسی ایک کا بھی اطلاق نہیں ہو سکتا تھا لیکن ایسے موقع پر صرف اس ایک بات کا پتہ لگانا کافی ہے کہ حکومت کا جو انداز تھا وہ جمہوریت سے ملتا تھا یا شخصیت سے ملتا تھا۔ یعنی سلطنت کا میلان ذاتی اختیار پر تھا یا عام رائے پر۔

جمہوری اور شخصی سلطنت کا موازنہ

جمہوری اور شخصی طریق حکومت میں جو چیز سب سے بڑھ کر مابہ الامتیاز ہے، وہ عوام کی مداخلت اور عدم مداخلت ہے یعنی حکومت میں جس قدر رعایا کو دخل دینے کا زیادہ حق حاصل ہوگا اسی قدر اس میں جمہوریت کا عنصر زیادہ ہوگا۔ یہاں تک کہ سلطنت جمہوری کی آخری حد یہ ہے کہ مسند نشین حکومت کے ذاتی اختیارات بالکل فنا ہو جائیں اور وہ جماعت کا صرف ایک ممبر رہ جائے پر خلاف اس کے شخصی سلطنت میں تمام دار و مدار صرف ایک شخص پر ہوتا ہے۔ اس بناء پر شخصی سلطنت سے خواہ مخواہ نتائج ذیل پیدا ہوتے ہیں۔

1 بجائے اس کے کہ ملک کے تمام قابل اشخاص کی قابلیتیں کام میں آئیں۔ صرف چند ارکان سلطنت کی عقل و تدبیر پر کام چلتا ہے۔

2۔ چونکہ بجز چند عہدیداروں کے اور لوگوں کو ملکی انتظامات سے کچھ سروکار نہیں ہوتا۔ اس لیے قوم کے اکثر افراد سے انتظامی قوت اور قابلیت رفتہ رفتہ معدوم ہونے لگتی ہے۔

۳۔ مختلف فرقوں اور جماعتوں کے خاص خاص حقوق کی اچھی طرح حفاظت نہیں

ہوتی۔ کیونکہ جن لوگوں کو ان حقوق سے غرض ہے ان کو انتظام سلطنت میں دخل نہیں ہوتا اور جن لوگوں کو دخل ہوتا ہے ان کو غیروں کے حقوق سے اس قدر ہمدردی نہیں ہو سکتی جتنی کہ خود ارباب حقوق کو ہو سکتی ہے۔ چونکہ بجز چند ارکان سلطنت کے کوئی شخص ملکی اور قومی کاموں میں دخل دینے کا مجاز نہیں ہوتا۔ اس لیے قوم میں ذاتی اغراض کے سوا قومی کارناموں کا مذاق معدوم ہو جاتا ہے۔ یہ نتائج شخصی سلطنت کے لوازم ہیں۔ اور کبھی اس سے جدا نہیں ہو سکتے۔ برخلاف اس کے جمہوری سلطنت میں اس کے برعکس نتائج ہوں گے۔ اس بناء پر جس سلطنت کی نسبت جمہوری یا شخصی حکومت کا حیثیت سے بحث ہو، اس کی نوعیت کا اندازہ نتائج سے بھی کیا جاسکتا ہے۔

یہ نہیں خیال کرنا چاہیے کہ جمہوریت کا طریق عرب کا فطری مذاق تھا اور اس لیے عرب میں جو حکومت قائم ہوتی وہ خواہ مخواہ جمہوری ہوتی۔ عرب میں مدت سے تین وسیع حکومتیں لخمی، حمیری، غسانی لیکن یہ سب شخصی تھیں۔ قبائل کے سردار جمہوری اصولوں پر انتخاب کئے جاتے تھے، لیکن ان کو کسی قسم کی ملکی حکومت حاصل نہ تھی بلکہ ان کی حیثیت سپہ سالاروں یا قاضیوں کی ہوتی تھی۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت نے بھی اس بحث کا کچھ فیصلہ نہیں کیا۔ گوان کا انتخاب کثرت رائے پر ہوا تھا۔ لیکن وہ ایک فوری کارروائی تھی چنانچہ خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

فلا یخون امران یقول انما کانت بیعة ابی بکر فلتہ وتمت الا وانھا قد کانت کذا لکن اللہ و فی شرھا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گرد و پیش جو سلطنتیں تھیں وہ بھی جمہوری نہ تھیں۔ ایران میں تو سرے سے کبھی یہ مذاق ہی نہیں پیدا ہوا۔ روم البتہ کسی زمانے میں اس شرف سے ممتاز

ہوا تھا۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے سے پہلے وہاں شخصی حکومت قائم ہو چکی تھی۔ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں تو وہ بالکل ایک جابرانہ خود مختار سلطنت رہ گئی تھی۔ غرض حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بغیر کسی مثال اور نمونے کے جمہوری حکومت کی بنیاد ڈالی اور اگرچہ وقت کے اقتضاء سے اس کے تمام اصول و فروع مرتب نہ ہو سکے تاہم جو چیزیں حکومت جمہوری کی روح ہیں سب وجود میں آ گئیں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت میں مجلس شوریٰ (کونسل)

اس میں سب کا اصل الاصول مجلس شوریٰ کا انعقاد تھا۔ یعنی جب کوئی انتظام کا مسئلہ پیش آتا تھا تو ہمیشہ ارباب شوریٰ کی مجلس منعقد ہوتی تھی۔ اور کوئی امر بغیر مشورہ اور کثرت رائے کے عمل میں نہیں آ سکتا تھا۔ تمام جماعت اسلام میں اس وقت دو گروہ تھے جو کل قوم کے پیشوا تھے اور جن کو تمام عرب نے گویا اپنا قائم مقام تسلیم کر لیا تھا۔ یعنی مہاجرین و انصار۔

مجلس شوریٰ کے ارکان اور اس کے انعقاد کا طریقہ

مجلس شوریٰ میں ہمیشہ لازمی طور پر ان دونوں گروہ کے ارکان شریک ہوتے تھے۔ انصار بھی دو قبیلوں میں منقسم تھے۔ اوس و خزرج۔ چنانچہ ان دونوں خاندانوں کا مجلس شوریٰ میں شریک ہونا ضروری تھا۔ مجلس شوریٰ کے تمام ارکان کے نام اگرچہ ہم نہیں بتا سکتے، تاہم اس قدر معلوم ہے کہ حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت عبدالرحمن بن عوف، حضرت معاذ بن

جبل، ابی بن کعب اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم شامل تھے۔^(۱) مجلس کے انعقاد کا یہ طریقہ تھا کہ پہلے ایک منادی اعلان کرتا تھا کہ الصلوٰۃ جامعہ یعنی سب لوگ نماز کے لیے جمع ہو جائیں۔ جب لوگ جمع ہو جاتے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد نبوی میں جا کر دو رکعت نماز پڑھتے تھے۔ نماز کے بعد منبر پر چڑھ کر خطبہ دیتے تھے اور بحث طلب امر پیش کیا جاتا تھا۔^(۲)

مجلس شوریٰ کے جلسے

معمولی اور روزمرہ کے کاروبار میں اس مجلس کے فیصلے کافی سمجھے جاتے تھے لیکن جب کوئی امر اہم پیش آتا تھا تو مہاجرین اور انصار کا اجلاس عام ہوتا تھا اور سب کے اتفاق سے وہ امر طے پایا جاتا تھا۔ مثلاً عراق و شام کے فتح ہونے پر جب بعض صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اصرار کیا کہ تمام مفتوحہ مقامات فوج کی جاگیر میں دے دیئے جائیں تو بہت بڑی مجلس منعقد ہوئی۔ جس میں تمام قدامتے مہاجرین اور انصار میں سے عام لوگوں کے علاوہ دس بڑے سردار جو تمام قوم میں ممتاز تھے اور جن میں پانچ شخص قبیلہ اوس اور پانچ قبیلہ خزرج کے تھے، شریک ہوئے۔ کئی دن تک مجلس کے جلسے رہے اور نہایت آزادی و بیباکی سے لوگوں نے تقریریں کیں۔ اس موقع پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو تقریر کی اس کے جستہ جستہ فقرے ہم اس لحاظ سے نقل کرتے ہیں کہ اس سے منصب خلافت کی حقیقت اور خلیفہ وقت کے اختیارات کا اندازہ ہوتا ہے۔^(۳)

۱۔ (کنز العمال حوالہ طبقات ابن سعد جلد 3 صفحہ 134 مطبوعہ حیدرآباد)

۲۔ (تاریخ طبری صفحہ 2574)

۳۔ (تمام تفصیل کتاب الخراج قاضی ابویوسف صفحہ 14 تا 15 میں ہے۔)

الی لم ازجکم الا لان نشرکوانی امانتی فیما حملت من امورکم فانی واحد کا حکم۔ ولست اريد ان يتبعوا هذا الذی هوای۔“

21 ہجری میں جب نہاوند کا سخت معرکہ پیش آیا اور عجمیوں نے اس سرو سامان سے تیاری کی کہ لوگوں کے نزدیک خود خلیفہ وقت کا اس مہم پر جانا ضروری ٹھہرا تو بہت بڑی مجلس شوریٰ منعقد ہوئی۔ حضرت عثمان، طلحہ بن عبید اللہ، زبیر بن العوام، عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہم وغیرہ نے باری باری کھڑے ہو کر تقریریں کیں۔ اور کہا کہ آپ کا خود موقع جنگ پر جانا مناسب نہیں۔ پھر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہوئے اور ان لوگوں کی تائید میں تقریر کی۔ غرض کثرت رائے سے یہی فیصلہ ہوا کہ خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ موقع جنگ پر نہ جائیں۔ اسی طرح فوج کی تنخواہ، دفتر کی ترتیب، عمال کا تقرر، غیر قوموں کی تجارت کی آزادی اور ان پر محصول کی تشخیص۔ اسی قسم کے بہت سے معاملات ہیں جن کی نسبت تاریخوں میں بہ تصریح مذکور ہے کہ مجلس شوریٰ میں پیش ہو کر طے پائے۔ ان امور کے پیش ہوتے وقت ارکان مجلس نے جو تقریریں کیں وہ بھی تاریخوں میں مذکور ہیں۔ مجلس شوریٰ کا انعقاد اور اہل الرائے کی مشورت استحسان و تبرع کے طور پر نہ تھی، بلکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مختلف موقعوں پر صاف صاف فرمایا تھا کہ مشورے کے بغیر خلافت سرے سے جائز ہی نہیں، ان کے خاص الفاظ یہ ہیں:

لا خلافة الا عن مشورة^①

ایک اور مجلس

مجلس شوریٰ کا اجلاس اکثر خاص خاص ضرورتوں کے پیش آنے کے وقت ہوتا تھا۔ لیکن اس

۱۔ (کنز العمال بحوالہ مصنف بن ابی شیبہ جلد 3 صفحہ 139)۔

کے علاوہ ایک اور مجلس تھی جہاں روزانہ انتظامات اور ضروریات پر گفتگو ہوتی تھی۔ یہ مجلس ہمیشہ مسجد نبوی میں منعقد ہوتی تھی۔ اور صرف مہاجرین صحابہ اس میں شریک ہوتے تھے۔ صوبجات اور اضلاع کی روزانہ خبریں جو دربار خلافت میں پہنچتی تھیں، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کو اس مجلس میں بیان کرتے تھے اور کوئی بحث طلب امر ہوتا تھا تو اس میں لوگوں سے استصواب کیا جاتا تھا۔ مجوسیوں پر جزیہ مقرر کرنے کا مسئلہ اول اسی مجلس میں پیش ہوا تھا۔ مؤرخ بلاذری نے اس مجلس کا حال ایک ضمنی تذکرے میں ان الفاظ میں لکھا ہے:

للمهاجرين مجلس في المسجد فكان عمر مجلس معهم فيه وسجد ثم عمار بن عبد الله من امر من امر الافاق فقال يوم ما ادرى كيف اصنع بالمجوس۔

عام رعایا کی مداخلت

مجلس شوریٰ کے ارکان کے علاوہ عام رعایا کو انتظامی امور میں مداخلت حاصل تھی۔ صوبجات اور اضلاع کے حاکم رعایا کی مرضی سے مقرر کئے جاتے تھے۔ بلکہ بعض اوقات بالکل انتخاب کا طریقہ عمل میں آیا تھا۔ کوفہ، بصرہ اور شام میں جب عمال خراج مقرر کئے جانے لگے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان تینوں صوبوں میں احکام بھیجے کہ وہاں کے لوگ اپنی اپنی پسند سے ایک ایک شخص کا انتخاب کر کے بھیجیں جو ان کے نزدیک تمام لوگوں سے زیادہ دیندار اور قابل ہوں۔ چنانچہ کوفہ سے عثمان بن فرقہ، بصرہ سے حجاج بن اعلاط، شام سے معن بن یزید کو لوگوں نے منتخب کر کے بھیجا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں لوگوں کو ان مقامات کا حاکم مقرر کیا۔ قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ صاحب نے اس واقعہ کو جن الفاظ میں بیان کیا ہے یہ ہیں:

کتب عمر بن الخطاب الى اهل الكوفة يبعثون اليه رجلاً من خبرهم واصلحهم والى اهل البصرة كذا لك والى اهل الشام كذا لك قال فبعث اليه اهل الكوفة عثمان بن فرق وبعث اليه اهل الشام معن بن يزيد وبعث اليه اهل البصرة الحجاج بن علاط كلهم مسلمون قال فاستعمل كل واحد منهم على خراج ارضه" ①

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت بڑے رتبے کے صحابی اور نوشیروانی تخت کے فاتح تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا تھا۔ لیکن جب لوگوں نے ان کی شکایت کی تو معزول کر دیا۔

حکومت جمہوری کا ایک بہت بڑا اصول یہ ہے کہ ہر شخص کو اپنے حقوق اور اغراض کی حفاظت کا پورا اختیار اور موقع دیا جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حکومت میں ہر شخص کو نہایت آزادی کے ساتھ یہ موقع حاصل تھا اور لوگ اعلانیہ اپنے حقوق کا اظہار کرتے تھے۔ اضلاع سے قریباً ہر سال سفارتیں آتی تھیں جن کو وفد کہتے تھے۔ اس سفارت کا صرف یہ مقصد ہوتا تھا کہ دربار خلافت کو ہر قسم کے حالات اور شکایات سے مطلع کیا جائے اور دادرسی چاہی جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خود بار بار مختلف موقعوں پر اس حق کا اعلان کر دیا تھا۔ یہاں تک کہ خاص اس کے لیے مجمع عام میں خطبہ پڑھا۔ فرمانوں میں تصریح کی اور ایک دفعہ تمام عمالان سلطنت کو حج کے مجمع عام میں طلب کر کے اس کا اعلان کیا۔ چنانچہ اس کی پوری تفصیل عمالوں کے بیان میں آئے گی۔

خليفة کا عام حقوق میں سب کے ساتھ مساوی ہونا

حکومت جمہوری کا اصل زیور یہ ہے کہ بادشاہ ہر قسم کے حقوق میں عام آدمیوں کے ساتھ

برابری رکھتا ہو۔ یعنی کسی قانون کے اثر سے مستثنیٰ نہ ہو۔ ملک کی آمدنی میں سے ضروریات زندگی سے زیادہ نہ لے سکے۔ عام معاشرت میں اس کی حاکمانہ حیثیت کا کچھ لحاظ نہ کیا جائے۔ اس کے اختیارات محدود ہوں، ہر شخص کو اس پر تنقید کا حق حاصل ہو۔ یہ تمام امور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت میں اس درجے تک پہنچے تھے کہ اس سے زیادہ ممکن نہ تھے اور جو کچھ ہوا تھا خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے طریق عمل کی بدولت ہوا تھا۔ انہوں نے متعدد موقعوں پر ظاہر کر دیا تھا کہ حکومت کے لحاظ سے ان کی کیا حیثیت ہے۔ اور ان کے کیا اختیارات ہیں۔ ایک موقع پر انہوں نے اس کے متعلق جو تقریر کی اس کے بعض فقرے اس موقع پر لکھنے کے قابل ہیں:

انما انا و مالکم کو لی الیتیم ان استغنیت استعرت وان افتقرت اكلت بالمعروف لکم علی ایھا الناس خصال فخذونی بھا لکم علی ان لا اجتبی شیئا من خراجکم ولا مما افاء اللہ علیکم الا من وجھہ و لکم علی اذا وقع فی یدی ان لا یخرج منی الا فی حقہ و لکم علی ان ازیدنی عطیاتکم و اسد ثغورکم و لکم علی ان لا القیم فی الھما لک۔^①

مجھ کو تمہارے مال (یعنی بیت المال) میں اس قدر حق ہے جتنا یتیم کے مربی کو یتیم کے مال میں۔ اگر میں دولت مند ہوں گا تو کچھ نہ لوں گا اور ضرورت پڑے گی تو دستور کے موافق کھانے کے لیے لوں گا۔ صاحبو! میرے اوپر تم لوگوں کے متعدد حقوق ہیں، جس کا تم کو مجھ سے مواخذہ کرنا چاہیے۔ ایک یہ کہ ملک کا خراج اور مال غنیمت بیجا طور سے نہ جمع کیا جائے، ایک یہ کہ جب میرے ہاتھ میں خراج اور غنیمت آئے تو بیجا طور سے صفر نہ ہونے پائے۔ ایک یہ کہ میں تمہارے روزینے بڑھادوں اور تمہاری سرحدوں کو محفوظ رکھوں، ایک یہ کہ تم کو

خطروں میں نہ ڈالوں۔“

ایک موقع پر ایک شخص نے کئی بار حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مخاطب کر کے کہا کہ اتق اللہ یا عمر یعنی ”اے عمر خدا سے ڈر۔“ حاضرین میں سے ایک شخص نے اس کو روکا اور کہا کہ بس بہت ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ”نہیں کہنے دو، اگر یہ لوگ نہ کہیں تو یہ بے مصرف ہیں، اور ہم لوگ نہ مانیں تو ہم“ ①

ان باتوں کا یہ اثر تھا کہ خلافت اور حکومت کے اختیارات اور حدود تمام لوگوں پر ظاہر ہو گئے تھے۔ اور شخصی شوکت اور اقتدار کا تصور دلوں سے جاتا رہا تھا۔ معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رومیوں کی سفارشات میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے متعلق جو تقریر کی تھی وہ درحقیقت حکومت جمہوری کی اصل تصویر ہے اور حکومت جمہوری کی حقیقت آج بھی اس سے واضح تر اور صحیح تر نہیں بیان کی جاسکتی۔

نوعیت حکومت بتانے کے بعد ہم حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نظام حکومت کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

حکومت کے نظم و نسق میں جو چیز سب سے مقدم ہے وہ یہ ہے کہ نظام کے تمام مختلف صیغے ایک دوسرے سے ممتاز اور الگ الگ ہوں اور یہی ترقی و تمدن کی سب سے بڑی دلیل ہے جس طرح تمدن کی ابتدائی حالت میں مکانات کی یہ قطع ہوتی ہے کہ ایک ہی ہجرہ (کمرہ) تمام ضرورتوں کے لیے کافی ہوتا ہے پھر جس قدر تمدن بڑھتا جاتا ہے کھانے، سونے، ملاقات کرنے، لکھنے پڑھنے اور دیگر ضروریات کے لیے جدا جدا کمرے بنتے جاتے ہیں۔ یہی حالت بالکل سلطنت کی ہوتی ہے۔ ابتدائے تمدن میں انتظامات کے تمام صیغے ملے

جلے رہتے ہیں۔ جو شخص صوبہ کا گورنر ہوتا ہے وہی لڑائی کے وقت سپہ سالار بن جاتا ہے۔ مقدمات کے انفصال (فیصلہ) کے وقت وہی قاضی کا کام دیتا ہے۔ جرائم کی تعزیر میں وہی پولیس کی حیثیت رکھتا ہے۔ جس قدر تمدن ترقی کرتا جاتا ہے۔ الگ الگ صیغے قائم ہوتے جاتے ہیں۔ اور ہر صیغے کا الگ افسر ہوتا ہے۔ انگریزی حکومت کو 100 برس ہوئے لیکن جوڈیشل اور ایگزیکٹیو اختیارات اب تک ملے جلے ہیں۔ یعنی حاکم ضلع مال گزاری بھی وصول کرتا ہے اور مقدمات بھی فیصلہ کرتا ہے اور غیر آئینی اضلاع میں تو بہت زیادہ خلط مبحث ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عجیب و غریب کارناموں میں ایک یہ بھی ہے کہ باوجود اس کے کہ اس وقت کا تمدن نہایت ابتدائی حالت میں تھا۔ اور سلسلہ حکومت کے آغاز کو صرف چند برس گزرے تھے۔ تاہم انہوں نے بہت سے شعبے جو مخلوط تھے الگ کر کے جدا گانہ محکمے قائم کئے۔ چنانچہ ان تمام شعبوں کو ہم تفصیل سے لکھتے ہیں۔

ملک کی تقسیم صوبجات اور اضلاع وعہدیداران ملکی

نظام حکومت کا ابتدائی سلسلہ جس پر تمام انتظامات متفرع ہوتے ہیں، ملک کا مختلف حصوں میں تقسیم ہوتا ہے۔ جن کو صوبہ، ضلع اور پرگنہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اسلام میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اس کی ابتدا کی اور اس زمانے کے موافق نہایت موزونی اور تناسب سے اس کے حدود قائم کئے۔ تمام مؤرخین نے اس کی تصریح کی ہے کہ انہوں نے ممالک مقبوضہ کو 8 صوبوں میں تقسیم کیا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقرر کردہ صوبے

مکہ، مدینہ، شام، جزیرہ، بصرہ، کوفہ، مصر، فلسطین۔ مؤرخ یعقوبی نے 8 کے بجائے 7

صوبے لکھے ہیں اور لکھا ہے کہ یہ انتظام حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے 20 ہجری میں کیا تھا۔ مؤرخین کا یہ بیان اگرچہ درحقیقت صحیح ہے، لیکن اس میں ایک اجمال ہے۔ جس کی تفصیل بتا دینی ضروری ہے۔ فاروقی فتوحات کو جو وسعت حاصل تھی اس کے لحاظ سے صرف یہ 80 صوبے کافی نہیں ہو سکتے تھے۔ فارس، خوزستان، کرمان وغیرہ بھی آخر صوبے ہی کی حیثیت رکھتے تھے۔

اصل یہ ہے کہ جو مالک فتح ہوئے ان کی جو تقسیم پہلے سے تھی اور جو مقامات صوبے یا ضلع تھے اکثر جگہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی طرح رہنے دیئے۔ اس لیے مؤرخین نے ان کا نام نہیں لیا۔ البتہ جو صوبے خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قائم کئے ان کا ذکر ضرور تھا اور وہ یہی 8 تھے لیکن یہ امر بھی بلحاظ اغلب صحیح ہے ورنہ تاریخی تصریحات سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پچھلی تقسیم ملکی میں بھی تصرفات کئے تھے۔ فلسطین ایک صوبہ شمار کیا جاتا تھا۔ اور اس میں 10 ضلع شامل تھے۔ 15 ہجری میں جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خود فلسطین جا کر معاہدہ امن لکھا تو اس صوبے کے دو حصے کر دیئے۔ ایک کا صدر مقام ایلیا اور دوسرے کا رملہ قرار دیا۔ اور علقمہ بن حکیم و علقمہ بن مخزوم کو الگ الگ دونوں صوبوں میں متعین کیا۔^①

مصر کی نسبت ہم کو معلوم نہیں کہ فتح سے پہلے اس کی کیا حالت تھی لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو دو صوبوں میں تقسیم کیا۔ بالائی حصہ جس کو عربی میں صعید کہتے ہیں اور جس میں 28 ضلع شامل تھے۔ ایک الگ صوبہ قرار دے کر عبد اللہ بن سعد ابھی سرح کو

۱۔ طبری صفحہ (2403 تا 2407) اصل عبارت یہ ہے "نصارت فلسطین نصفین نصف مع اهل ایلیا ونصف مع اهل رملہ و ہم عشر کو رد فلسطین تعدل الشام کلفارق فلسطین علی رملین فخرزل کل واحد عنهما فی عمد"۔

وہاں کا حاکم مقرر کیا۔ اور نشیبی حصہ میں 15 ضلع شامل تھے۔ اس پر ایک دوسرا افسر تعینات کیا۔ عمرو بن العاص بطور گورنر جنرل کے تھے۔

نوشیروانی عہد کے صوبے

فارس وغیرہ میں چونکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تقریباً تمام نوشیروانی انتظامات بحال رہنے دیئے تھے، اس لیے صرف یہ بتادینا کافی ہے کہ نوشیروان کے عہد میں یہ ممالک کتنے حصوں میں منقسم تھے۔

مؤرخ یعقوبی (تاریخ یعقوبی صفحہ 201، 202 جلد اول) نے لکھا ہے کہ نوشیروان کی سلطنت عراق کے علاوہ تین بڑے بڑے صوبوں میں منقسم تھی۔

خراسان: اس میں مفصلہ ذیل اضلاع شامل تھے۔

نیشاپور، ہرات، مرو، مرو رود، فاریاب، طالقان، بلخ، بخارا، بادغیس، باورد، غرستان، طوس، سرخس، جرجان۔

آذربائیجان: اس میں مفصلہ ذیل اضلاع شامل تھے۔

تبرستان، رے، قزوین، زنجان، قم، اصفہان، ہمدان، نہاوند، دینور، حلوان، ماسفدان، فہرجان، قزق، شہزور، سامغان، آذربجان۔

فارس: اس میں مفصلہ ذیل اضلاع شامل تھے؛

اصطخر، شیراز، نوبندجان، ضور، گاذرون، فساداراجرو، اردشیر، خرہ، سابور، اہواز، جندسابور، سوس، نہر تیری، منادر، تستر، ایذج، رام ہرمز۔

صوبوں کے افسر

صوبوں میں مفصلہ ذیل بڑے بڑے عہدہ دار رہتے تھے۔ والی یعنی حاکم صوبہ، کاتب یعنی میرنشی، کاتب دیوان یعنی دفتر فوج کا میرنشی، صاحب الخراج یعنی کلکٹر صاحب، احداث یعنی افسر پولیس، صاحب بیت المال یعنی افسر خزانہ، قاضی یعنی صدر الصدور و منصف۔ چنانچہ کوفہ میں عمار بن یاسر والی، عثمان بن حنیف کلکٹر، عبد اللہ بن مسعود افسر خزانہ، شریح قاضی، عبد اللہ بن خلف الخراجی کاتب دیوان تھے۔ (طبری 2657 و ابن خلکان صفحہ 253)۔ ہر صوبے میں ایک فوجی افسر بھی ہوتا تھا لیکن اکثر حالتوں میں صوبے کا عامل ہی اس خدمت پر مامور ہوتا تھا۔ پولیس کا محکمہ بھی جہاں تک ہم کو معلوم ہے ہر جگہ الگ نہ تھا۔ اکثر کلکٹر یا عامل اس خدمت کو بھی انجام دیتا تھا۔ مثلاً عمار بن یاسر جس وقت کوفہ کے حاکم تھے پولیس کا محکمہ بھی انہی کے سپرد تھا۔ بحرین میں قدامتہ بن مظعون صاحب الخراج تھے اور پولیس افسر کا کام بھی کرتے تھے۔ والی کا اسٹاف وسیع اور مستقل اسٹاف ہوتا تھا اور اس کے ممبر خود دربار خلافت کی طرف سے مامور ہوتے تھے۔ عمار کو جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کوفہ کا حاکم مقرر کیا تو دس معزز آدمی ان کے اسٹاف میں دیئے۔ جن میں ایک قزط خزرجی بھی تھے۔^①

میرنشی قابل تقریر اور تحریر میں یکساں ہوتا تھا۔ ابو موسیٰ اشعری جو بصرہ کے گورنر تھے ان کا میرنشی زیاد بن سمیہ تھا۔ جس کی فصاحت و بلاغت پر خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حیران رہ گئے تھے۔ اور عمرو بن العاص کہا کرتے تھے کہ اگر یہ نوجوان قریش کی نسل سے ہوتا تو تمام عرب اس کے علم کے نیچے آ جاتا۔

اضلاع میں بھی عامل، افسر خزانہ اور قاضی وغیرہ ہوتے تھے۔ اور یہ سب گورنر کے ماتحت

اور اس کے زیر حکومت کام کرتے تھے۔ پرگنوں میں غالباً صرف تحصیلدار رہتے تھے۔ اور اس کے ساتھ اس کا عملہ ہوتا تھا۔

صوبجات اور اضلاع کی تقسیم کے بعد سب سے مقدم جو چیز تھی ملکی عہدیداران کا انتخاب اور ان کی کاروائی کا دستور العمل بنانا تھا۔ کوئی فرمانروا کتنا ہی بیدار مغز اور کوئی قانون کتنا ہی مکمل ہو۔ لیکن جب تک حکومت کے اعضاء و جوارح یعنی عہدیداران ملکی قابل، لائق، راستباز اور متدوین نہ ہوں اور ان سے نہایت بیدار مغزی کے ساتھ کام نہ لیا جائے۔ ملک کو کبھی ترقی نہیں ہو سکتی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس باب میں جس نکتہ رسی اور تدبیر و سیاست سے کام لیا، انصاف یہ ہے کہ تاریخ عالم کے ہزاروں ورق الٹ کر بھی اس کی نظیر نہیں ملتی۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جوہر شناسی

اس مرحلے میں اس بات سے بڑی مدد ملی کہ ان کی طبیعت شروع سے ہی جوہر شناس واقع ہوئی تھی۔ یعنی جس شخص میں جس قسم کی قابلیت ہوتی تھی وہ اس کی تہہ کو پہنچ جاتے تھے۔ اس کے ساتھ انہوں نے ملک کے قابل آدمیوں سے واقفیت بہم پہنچائی تھی۔ یہی بات تھی کہ انہوں نے جس شخص کو جو کام دیا اس کے انجام دینے کے لیے اس سے بڑھ کر آدمی نہیں مل سکتا تھا۔ عرب میں چار شخص تھے، جن کو وہاۃ العرب کہا جاتا تھا۔ یعنی جو ن سیاست و تدبیر میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔^(۱)

امیر معاویہ، عمرو بن العاص، مغیرہ بن شعبہ زیاد بن سمیعہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زیاد کے سوا تینوں کو بڑے بڑے ملکی عہدے دیئے اور چونکہ یہ لوگ صاحب ادعا بھی

تھے۔ اس لیے اس طرح ان پر قابو رکھا کہ کبھی کسی قسم کی خود سری نہ کرنے پائے۔ زیادان کے زمانے میں شانزدہ سالہ نوجوان تھا۔ اس لیے اس کو کوئی بڑا عہدہ نہیں دیا لیکن اس کی قابلیت اور استعداد کی بناء پر ابو موسیٰ اشعری کو لکھا کہ کاروبار حکومت میں اس کو مشیر کار بنائیں۔ فن حرب میں عمر و معدی کرب اور طلحہ بن خالد نہایت ممتاز تھے۔ لیکن تدبیر و سیاست میں ان کو دخل نہ تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان دونوں کو نعمان بن مقرن کی ماتحتی میں عراق کی فتوحات پر مامور کیا۔ لیکن نعمان کو لکھ بھیجا کہ ان کو کسی صیغے کی افسری نہ دینا۔ کیونکہ ہر شخص اپنا فن خوب جانتا ہے۔^(۱)

عبداللہ بن ارقم ایک معزز صحابی تھے۔ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کہیں سے ایک جواب طلب تحریر آئی۔ آپ نے فرمایا اس کا جواب کون لکھے گا؟ عبداللہ بن ارقم نے عرض کی کہ ”میں“ یہ کہہ کر خود اپنی طبیعت سے جواب لکھ کر لائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا تو نہایت پسند فرمایا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی موجود تھے۔ ان کی اس قابلیت پر ان کا خاص خیال ہوا۔ اور جیسا کہ ابن الاثیر وغیرہ نے لکھا ہے یہ اثر ان کے دل میں ہمیشہ قائم رہا۔ یہاں تک کہ جب خلیفہ ہوئے تو ان کو میرٹھی مقرر کیا۔

نہاوند کی عظیم الشان مہم کے لیے جب مجلس شوریٰ کا عام اجلاس ہوا اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رائے طلب کی کہ اس مہم پر کون بھیجا جائے؟ تو تمام مجمع نے باتفاق کہا کہ آپ کو جو واقفیت ہے اور آپ نے ایک ایک کی قابلیت کا جس طرح اندازہ کیا ہے کسی نے نہیں کیا۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہ نعمان بن مقرن کا نام لیا اور سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ ”یہ انتخاب بالکل بجا ہے۔“ عمار بن یاسر بڑے رتبے کے صحابی تھے۔ اور زہد و

تقویٰ میں بے نظیر تھے۔ لیکن سیاست و تدبیر سے آشنا نہ تھے۔ قبولیت عام اور بعض مصلحتوں کے لحاظ سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو کوفہ کا حاکم مقرر کیا۔ لیکن چند روز کے بعد جب ان سے کام چل نہ سکا تو معزول کر دیا اور ان کے طرفداروں کو دکھا دیا کہ وہ اس کام کے لیے موزوں نہ تھے۔ اس قسم کی سینکڑوں مثالیں ہیں۔ جن کا استقصاء نہیں کیا جاسکتا۔ کسی شخص کو شوق ہو تو رجال کی کتابوں سے عرب کے تمام لائق آدمیوں کا پتہ لگائے اور پھر دیکھے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان پرزوں کو حکومت کی کل میں کیسے مناسب موقعوں پر لگایا تھا۔ تاہم اتنا بڑا کام صرف ایک شخص کی ذمہ داری پر چھوڑا نہیں جاسکتا تھا۔ اس لیے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجلس شوریٰ منعقد کی اور صحابہ سے خطاب کر کے کہا کہ ”اگر لوگ میری مدد نہ کریں گے تو کون کرے گا۔“^۱

حضرت ابو ہریرہ نے کہا کہ ”ہم آپ کو مدد دیں گے۔“ لیکن اس وقت ملکی انتظام میں حصہ لینا زہد اور تقدس کے خلاف سمجھا جاتا تھا۔ چنانچہ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ”اے عمر تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو دنیا میں آلودہ کرتے ہو۔“ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ”میں ان بزرگوں سے مدد نہ لوں تو کس سے لوں۔“

ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ”اگر ایسا ہی ہے تو تنخواہیں پیش مقرر کرو کہ لوگ خیانت کی طرف مائل نہ ہونے پائیں۔“^۲ غرض حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں کی رائے و مشورت سے نہایت دیا ندر اور قابل لوگ انتخاب کئے اور ان کو ملکی خدمتیں سپرد کیں۔

۱۔ (کتاب الخراج صفحہ 165۔ اصل عبارت یہ ہے ”ان عمر بن الخطاب دعا اصحاب رسول اللہ فقال اذ لم تعینونی فی فن یحسینی الخ۔“)

۲۔ (کتاب الخراج صفحہ 64)۔

عہدیداروں کے مقرر کرنے کے لیے مجلس شوریٰ

اہم خدمات کے لیے مجلس شوریٰ کے عام اجلاس میں انتخاب ہوتا تھا اور جو شخص تمام ارکان مجلس کی طرف سے انتخاب کیا جاتا تھا۔ وہ اس خدمت پر مامور ہوتا تھا۔ چنانچہ عثمان بن حنیف کا تقرر اسی طریقے سے ہوا تھا۔ بعض اوقات صوبے یا ضلع کے لوگوں کو حکم بھیجتے تھے کہ جو شخص تمام لوگوں سے زیادہ قابل ہو اس کا انتخاب کر کے بھیجو۔ چنانچہ انہی منتخب لوگوں کو وہاں کا عامل مقرر کرتے تھے۔ عثمان بن فرقہ، معن بن یزید، حجاج بن علاط اسی قاعدے کے موافق کئے گئے تھے۔ ہم اس کی تفصیل اوپر لکھ آئے ہیں۔

تنخواہ کا معاملہ

ایک وقت یہ تھی کہ لوگ کسی خدمت کے معاوضے میں تنخواہ لینا پسند نہیں کرتے تھے اور اس کو زہد و تقویٰ کے خلاف سمجھتے تھے۔ بعینہ اسی طرح جس طرح آج کل کے مقدس واعظوں کو اگر کہا جائے کہ وہ باقاعدہ اپنی خدمتوں کو انجام دیں اور مشاہرہ لیں۔ تو ان کو نہایت ناگوار ہوگا۔ لیکن نذرونیاز کے نام سے جو رقمیں ملتی ہیں اس سے ان کو احتراز نہیں ہوتا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں بھی بہت سے لوگ اسی غلطی میں مبتلا تھے۔ لیکن یہ امر تمدن اور اصول انتظام کے خلاف تھا۔ اس لیے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بڑی کوشش سے اس غلطی کو رفع کیا اور تنخواہیں مقرر کیں۔ ایک موقع پر حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو مشہور صحابی اور سپہ سالار تھے حق الخدمت لینے سے انکار کیا۔^①

تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بڑی مشکل سے ان کو راضی کیا۔ حکیم بن حزام نے

۱۔ (طبری صفحہ 2747 اسد الغابہ) (تذکرہ حذیفہ بن الیمان)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بار بار اصرار پر بھی کبھی وظیفہ یا روزینہ لینا گوارہ نہ کیا۔^(۱)

عالموں کے فرامین میں ان کے فرائض کی تفصیل

جو شخص عامل مقرر کیا جاتا تھا۔ اس کو ایک فرمان عطا ہوتا تھا۔ جس میں اس کی تقرری اور اختیارات اور فرائض کا ذکر ہوتا تھا۔ (یہ حوالہ کٹا ہوا ہے)۔ اس کے ساتھ بہت سے مہاجرین اور انصار کی گواہی ثبت ہوتی تھی، عامل جس مقام پر جاتا تھا تمام لوگوں کو جمع کر کے یہ فرمان پڑھتا تھا۔ جس کی وجہ سے لوگ اس کے اختیارات اور فرائض سے واقف ہو جاتے تھے اور جب وہ ان اختیارات کی حد سے آگے قدم رکھتا تھا تو لوگوں کو اس پر گرفت کا موقع ملتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس بات کا سخت اہتمام تھا کہ عالموں کے جو فرائض ہیں ایک ایک آدمی ان سے واقف ہو جائے۔ چنانچہ بارہا مختلف مقامات اور مختلف موقعوں پر اس کے متعلق خطبے دیئے۔ ایک خطبے میں جو جمع عام میں دیا تھا۔ عالموں کو خطاب کر کے یہ الفاظ فرمائے۔

الاولیٰ لم یعثکم امراء ولا جبارین ولكن بعثکم ائمة الهدیٰ یستدٰی بکم فادوا علی المسلمین حقوقهم ولا تضربوا فئدہم ولا تحمدوہم ففتنواہم ولا تغلقوا الابواب دوہم فیا کل تو بیہم ضکیفہم ولا تنسوا ثروا علیہم فتظلموہم۔

یاد رکھو کہ میں نے تم لوگوں کو امیر اور سخت گیر مقرر کر کے نہیں بھیجا ہے بلکہ امام بنا کر بھیجا ہے کہ لوگ تمہاری تقلید کریں۔ تم لوگ مسلمانوں کے حقوق ادا کرو، ان کو زد و کوب نہ کرو، کہ وہ ذلیل ہوں۔ ان کی بیجا تعریف نہ کرو کہ غلطی میں پڑیں۔ ان کے لیے اپنے دروازے بند نہ رکھو کہ زبردست کمزوروں کو کھا جائیں۔ ان سے کسی بات میں اپنے آپ کو ترجیح نہ دو کہ یہ

ان پر ظلم کرنا ہے۔“

جب کوئی شخص کہیں کا عامل مقرر کیا جاتا تھا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابہ کے ایک بڑے گروہ کے سامنے اس کو فرمان تفرری عنایت کرتے تھے اور ان صحابہ کو گواہ مقرر کرتے تھے جس سے یہ مقصد تھا کہ جو شخص مقرر کیا جاتا تھا، اس کی لیاقت اور فرائض کا اعلان ہو جائے۔^(۱)

عاملوں سے جن باتوں کا عہد لیا جاتا تھا

ہر عامل سے عہد لیا جاتا تھا کہ ترکی گھوڑے پر سوار نہ ہوگا۔ باریک کپڑے نہ پہنے گا۔ چھنا ہوا آٹا نہ کھائے گا۔ دروازے پر دربان نہ رکھے گا۔ اہل حاجت کے لیے دروازہ ہمیشہ کھلا رکھے گا۔ یہ شرطیں اکثر پروانہ تفرری میں درج کی جاتی تھیں۔ ان کو مجمع عام میں پڑھ کر سنایا جاتا تھا۔^(۲)

عاملوں کے مال و اسباب کی فہرست

جس وقت کوئی عامل مقرر ہوتا تھا اس کے پاس جس قدر مال اور اسباب ہوتا تھا۔ اس کی مفصل فہرست تیار کر کر محفوظ رکھی جاتی تھی اور اگر عامل کی مالی حالت میں غیر معمولی ترقی ہوتی تھی تو اس سے مواخذہ کیا جاتا تھا۔^(۳)

ایک دفعہ اکثر عمال اس بلا میں مبتلا ہوئے۔ خالد بن صعق نے اشعار کے ذریعے حضرت عمر

۱۔ (کتاب الخراج صفحہ 62 میں ہے۔ کان عمرا اذا استعمل رجلا اشهد علیہ رطامن الانصار)

۲۔ (کتاب الخراج صفحہ 66)

۳۔ (فتوح البلدان صفحہ 219 میں ہے کان عمر الخطاب یکتب اموال اعمالہ اذا ولاہم لم یکتبہم مادی ذلک)

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کی اطلاع دی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سب کی موجودات کا جائزہ لے کر آدھا آدھا مال ہٹالیا اور بیت المال میں داخل کر دیا۔

زمانہ حج میں تمام عالموں کی طلبی

تمام عمال کو حکم تھا کہ ہر سال حج کے زمانے میں حاضر ہوں۔ حج کی تقریب سے پہلے تمام اطراف کے لوگ موجود ہوتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہو کر باعلان کہتے تھے کہ جس کسی کو کسی عامل سے کچھ شکایت ہو تو پیش کرے۔^(۱)

چنانچہ ذرا اسے شکایتیں پیش ہوتی تھیں اور تحقیقات ہو کر ان کا تدارک کیا جاتا تھا۔ ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بہت بڑا مجمع کر کے خطبہ دیا اور کہا کہ صاحبو، اعمال جو مقرر کر کے بھیجے جاتے ہیں اس لیے نہیں بھیجے جاتے کہ طمانچے ماریں یا تمہارا مال چھین لیں بلکہ میں ان کو اس لیے بھیجتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ سکھائیں۔ سوا اگر کسی عامل نے اس کے خلاف کیا تو مجھ سے بیان کرو تا میں اس کا انتقام لوں۔ عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو مصر کے گورنر تھے اٹھ کر کہا کہ ”اگر کوئی عامل ادب دینے کے لیے کسی کو مارے گا تب بھی آپ اس کو سزا دیں گے؟“ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ خدا کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے ضرور میں سزا دوں گا، کیونکہ میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا کرتے دیکھا ہے۔ خبردار! مسلمانوں کو نہ مارا کرو ورنہ وہ ذلیل ہو جائیں گے۔ ان کے حقوق تلف نہ کرو۔ ورنہ کفران نعمت پر مجبور ہوں گے۔

ایک دفعہ حسب معمول تمام عمال حاضر تھے۔ ایک شخص اٹھا اور کہا کہ ”آپ کے عامل نے مجھ

۱۔ (تاریخ طبری صفحہ 2680 میں ہے) دکان من سنہ عمر و سیرتہ یا خدمالہ بموافاقہ الحج فی کل سنہ للہ وللجرحم یدنک عن الرعیۃ

ولیکون لشکاۃ الرعیۃ وبقاؤنا فیہ یمضی فی الیہ 12)

کو بے قصور سو کوڑے مارے ہیں۔ ”حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مستغیث کو حکم دیا کہ وہیں مجمع عام میں عامل کو سو کوڑے لگائے۔ عمرو بن العاص نے کھڑے ہو کر کہا کہ یہ امر عمال پر گراں ہوگا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ”لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ میں ملزم سے انتقام نہ لوں۔“ عمرو بن العاص نے منت کر کے مستغیث کو اس شرط پر راضی کیا کہ ایک ایک تازیانے کے عوض میں دو دوا شرفیاں لے کر اپنے حق سے باز آئے۔^(۱)

عاملوں کی تحقیقات

وقتاً فوقتاً عمال کی جو شکایتیں پیش ہوتی تھیں۔ ان کی تحقیقات کے لیے ایک خاص عہدہ قائم کیا۔ جس پر محمد بن مسلمہ انصاری مامور تھے۔ یہ بزرگ اکابر صحابہ میں سے تھے۔ تمام غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ رہے تھے۔ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مہم پر تشریف لے گئے تو ان کو مدینہ میں اپنا نائب مقرر کرتے گئے۔ ان وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایسے بڑے کام کے لیے انہی کو انتخاب کیا۔ جب کسی عامل کی شکایت آتی تھی تو یہ تحقیقات پر مامور ہوتے تھے۔^(۲)

اور موقع پر جا کر جماع عامہ میں لوگوں کا اظہار لیتے تھے۔ 21 ہجری میں سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنہوں نے قادیسیہ کی مہم سر کی تھی اور کوفہ کے گورنر تھے ان کی نسبت لوگوں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس جا کر شکایت کی یہ وہ وقت تھا کہ ایرانیوں نے

۱۔ (کتاب الخراج صفحہ 66)

۲۔ (اسد الغابہ تذکرہ محمد بن مسلمہ میں ہے ”وہو کان صاحب المال ایام عمر کان عمر اذا شکى الیہ عامل ارسل محمداً لکشف الحال و حولدی ارسلہ عمر الی عامل لیاخذ شطر الموالحم طبری نے مختلف مقامات میں تصریح کی ہے کہ محمد بن مسلمہ عمال کی تحقیقات پر مامور تھے۔)

بڑے زور شور سے لڑائی کی تیاریاں کی تھیں اور لاکھ ڈیڑھ لاکھ فوج لے کر نہاوند کے قریب آ پہنچے تھے، مسلمانوں کو سخت تردد تھا۔ اور ان کے مقابلے کے لیے کوفہ سے فوجیں روانہ ہو رہی تھیں۔ عین اسی حالت میں یہ لوگ پہنچے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اگرچہ یہ نہایت تنگ اور پرخطر وقت ہے، تاہم یہ تردد مجھ کو سعد بن ابی وقاص کی تحقیقات سے نہیں روک سکتا۔ اسی وقت محمد بن مسلمہ کو کوفہ روانہ کیا۔ انہوں نے کوفہ کی ایک ایک مسجد میں جا کر لوگوں کے اظہار لیے اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ساتھ لے کر مدینہ میں آئے۔ یہاں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خود ان کا اظہار لیا۔^(۱)

کمیشن

بعض اوقات کمیشن کے طور پر چند آدمی تحقیقات کے لیے بھیجے جاتے تھے۔ چنانچہ اس قسم کے متعدد واقعات تاریخوں میں مذکور ہیں۔ بعض اوقات ابتدائاً عامل کو مدینہ بلا کر براہ راست تحقیقات کرتے تھے۔ اور اکثر یہ اس وقت ہوتا تھا جب کہ عامل صوبہ کا حاکم یا معزز افسر ہوتا تھا۔ چنانچہ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو بصرہ کے گورنر تھے، ان کی نسبت جب شکایت گزری تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مستغیث کا بیان خود اپنے ہاتھ سے قلمبند کیا۔ اور ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے حضور میں بلوا کر تحقیقات کیں۔ الزامات یہ تھے:

1 ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسیران جنگ میں سے 60 رئیس زادے چھانٹ کر اپنے لیے رکھے ہیں۔

۱۔ (یہ پوری تفصیل تاریخ طبری صفحہ 2606 تا 2608 میں ہے۔ صحیح بخاری میں بھی اس واقعے کا اشارہ ہے۔ دیکھو

کتاب مذکورہ اول صفحہ 104 مطبوعہ میرٹھ)۔

2 ان کی ایک لونڈی ہے جس کو دونوں وقت نہایت عمدہ غذا بہم پہنچائی جاتی ہے۔ حالانکہ اس قسم کی غذا ایک عام مسلمان کو میسر نہیں آسکتی۔

3 کاروبار حکومت زیاد بن سمیعہ کو سپرد کر رکھا ہے اور وہی سیاہ و سفید کا مالک ہے۔ تحقیقات سے پہلا الزام غلط ثابت ہوا۔ تیسرے الزام کا ابو موسیٰ نے یہ جواب دیا کہ زیاد سیاست و تدبیر کا آدمی ہے۔ اس لیے میں نے اس کو اپنا مشیر بنا رکھا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زیاد کو طلب کیا اور امتحان لیا تو حقیقت میں قابل آدمی تھا۔ اس لیے خود بصرہ کے حکام کو ہدایت کی کہ زیاد کو مشیر کار بنائیں۔ دوسرا الزام پیش ہوا تو ابو موسیٰ کچھ جواب نہ دے سکے۔ چنانچہ لونڈی ان سے چھین لی گئی۔^(۱)

عالموں کی خطاؤں پر سخت گرفت کی جاتی تھی۔ خصوصاً ان باتوں پر جن سے ترفع اور امتیاز یا نمود و فخر ثابت ہوتا تھا۔ سخت مواخذہ کیا جاتا تھا۔ جس عامل کی نسبت ثابت ہوتا تھا کہ بیمار کی عیادت نہیں کرتا یا کمزور اس کے دربار میں بار نہیں پاتا تو فوراً موقوف کر دیا جاتا تھا۔^(۲) ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بازار میں پھر رہے تھے۔ ایک طرف سے آواز آئی کہ ”عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیا عالموں کے لیے چند قواعد کے مقرر کرنے سے تم عذاب الہی سے بچ جاؤ گے۔ تم کو یہ خبر ہے کہ عیاض بن غنم جو مصر کا عامل ہے بار یک کپڑے پہنتا ہے۔ اور اس کے دروازے پر دربان مقرر ہے۔“ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے محمد بن مسلمہ کو بلایا اور کہا کہ عیاض کو جس حالت میں پاؤں ساتھ لے آؤ۔ محمد بن مسلمہ نے وہاں پہنچ کر دیکھا تو

۱۔ (طبری صفحہ 2710 تا 2712)۔

۲۔ (کتاب الخراج صفحہ 66)

واقعی دروازے پر دربان تھا۔ اور عیاض باریک کپڑے کا کرتہ پہنے بیٹھے تھے۔ اسی ہیئت اور لباس میں ساتھ لے کر مدینہ آئے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کرتہ اتروا کر کمر کا کرتہ پہنایا۔ اور بکریوں کا ایک گلہ منگوا کر حکم دیا کہ ”جنگل میں لے جا کر چراؤ“ عیاض کو انکار کی تو مجال نہ تھی۔ مگر بار بار کہتے تھے کہ اس سے مرجانا بہتر ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ”تجھ کو اس سے عاریوں ہے۔ تیرے باپ کا نام غنم اسی وجہ سے پڑا تھا کہ وہ بکریاں چراتا تھا“۔ غرض عیاض نے دل سے توبہ کی اور جب تک زندہ رہے اپنے فرائض نہایت خوبی سے انجام دیتے رہے۔^(۱)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کوفہ میں اپنے لیے محل بنوایا تھا۔ جس میں ڈیوڑھی بھی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس خیال سے کہ اس سے اہل حاجت کو رکاوٹ ہوگا۔ محمد بن مسلمہ کو مامور کیا کہ جا کر ڈیوڑھی میں آگ لگا دیں۔ چنانچہ اس حکم کی پوری تعمیل ہوئی اور سعد بن ابی وقاص چپکے دیکھتے گئے۔

اس قسم کی باتیں اگرچہ بظاہر قابل اعتراض ہیں۔ کیونکہ لوگوں کے طرز معاشرت و ذاتی افعال سے تعرض کرنا اصول آزادی کے خلاف ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تمام ملک میں مساوات اور جمہوریت کی جو روح پھونکنی چاہتے تھے، وہ بغیر اس کے ممکن نہ تھی کہ وہ خود اور ان کے دست و بازو یعنی ارکان سلطنت اس رنگ میں ڈوبے نظر آئیں۔ عام آدمیوں کو اختیار ہے کہ جو چاہیں کریں۔ ان کے افعال کا اثر بھی انہیں تک محدود رہے گا۔ لیکن جو لوگ سلطنت کے ارکان ہیں ان کے طرز معاشرت کا ممتاز ہونا لوگوں کے دلوں میں اپنی حقارت کا خیال پیدا کرتا ہے اور رفتہ رفتہ اس قسم کی باتوں سے

سلطنت شخصی کی وہ تمام خصوصیتیں پیدا ہو جاتی ہیں جس کے یہ معنی ہیں کہ ایک شخص آقا اور باقی تمام لوگ غلام ہیں۔ اس کے علاوہ جو شخص عرب کی فطرت سے واقف ہے، وہ با آسانی سمجھ سکتا ہے کہ اس قسم کی باتیں پولیٹیکل مصالح سے خالی نہ تھیں۔ مساوات اور عدم ترجیح جس کو آج کل اصطلاح میں سوشلزم کہتے ہیں، عرب کا اصلی مذاق ہے اور عرب میں جو سلطنت اس اصول پر قائم ہوگی وہ یقیناً بہ نسبت اور ہر قسم کی سلطنت کے زیادہ کامیاب ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ یہ احکام زیادہ تر عرب کی آبادیوں میں محدود تھے۔ ورنہ امیر معاویہ، شام میں بڑے سرو سامان سے رہتے تھے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان سے کچھ تعرض نہیں کرتے تھے۔ شام کے سفر میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے خدم و حشم کو دیکھ کر اس قدر کہا کہ ”اکسرائیہ؟“ یعنی یہ نوشیروانی جاہ و جلال کیسا؟ مگر جب انہوں نے جواب دیا کہ کہاں رومیوں سے سابقہ رہتا ہے، اور ان کی نظر میں بغیر اس کے سلطنت کا رعب و داب نہیں قائم رہ سکتا، تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پھر تعرض نہیں کیا۔

حضرت عمر نے عمال کی دیانت اور راستبازی کے قائم رکھنے کے لیے نہایت عمدہ اصول یہ اختیار کیا تھا کہ تنخواہیں پیش مقرر کی تھیں۔ یورپ نے مدتوں کے تجربے کے بعد یہ اصول سیکھا ہے۔ اور ایشیائی سلطنتیں تو اب تک اس راز کو نہیں سمجھیں، جس کی وجہ سے رشوت اور غبن ایشیائی سلطنتوں کا خاصہ ہو گیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں اگرچہ معاشرت نہایت ارزاں اور روپیہ گراں تھا، تاہم تنخواہیں علی قدر مراتب عموماً پیش قرار تھیں۔ صوبہ داروں کی تنخواہ پانچ پانچ ہزار تک ہوتی تھی اور غنیمت کی تقسیم سے جو ملتا تھا وہ الگ۔ چنانچہ امیر معاویہ کی تنخواہ ہزار دینار ماہوار یعنی پانچ ہزار روپے تھی۔^(۱)

۱۔ (استیعاب قاضی ابن عبد البر اور ازالۃ الخفاء جلد دوم صفحہ ۱۷)۔

اب ہم عمالان فاروقی کی ایک اجمالی فہرست درج کرتے ہیں جس سے اندازہ ہوگا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکومت کی کل میں کس قسم کے پرزے استعمال کئے تھے:

نام مقام ماموریت

عہدہ

کیفیت

ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

شام

والی

مشہور صحابی اور عشرہ مبشرہ میں داخل ہیں

یزید بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ

شام

والی

تمام بنو امیہ میں ان سے بڑھ کر کوئی شخص نہ تھا

امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

شام

والی

سیاست و تدبیر میں مشہور ہیں

عمر و بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ

مصر

والی

مصر انہی نے فتح کیا

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کوفہ

والی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں تھے

عتبہ بن غزوہ ان رضی اللہ تعالیٰ عنہ

بصرہ

والی

مہاجرین میں سے ہیں، بصرہ انہی نے آباد کرایا

ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

بصرہ

والی

مشہور جلیل القدر صحابی ہیں

عتاب بن اسید رضی اللہ تعالیٰ عنہ

مکہ معظمہ

والی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مکہ معظمہ کا عامل مقرر کیا تھا

نافع بن عبد الحارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ

مکہ معظمہ

والی

فضلائے صحابہ میں سے ہیں

خالد بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ

مکہ معظمہ

والی

ابو جہل کے بھتیجے اور معزز شخص تھے

عثمان بن ابی العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ

طائف

والی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جب ارتداد پھیلا تو طائف کے لوگوں کو انہی نے تھاما تھا

یعلیٰ بن امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

یمین

والی

صحابہ میں سے تھے اور فیاضی میں شہرت عام رکھتے تھے

علاء بن الحضرمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

یمین

والی

بڑے صاحب اثر تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یمین کا عامل مقرر کیا تھا

نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ

مدائن

صاحب الخراج

عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اضلاع فرات

کمشنر بندوبست

حساب کتاب اور پیمائش کے کام میں نہایت ماہر تھے

عیاض بن غنم رضی اللہ تعالیٰ عنہ

جزیرہ

والی

جزیرہ انہی نے فتح کیا تھا

عمر بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حمص

والی

مشہور صحابی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رازدار تھے

نافع بن عبد الحارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ

بڑے خاندان کے آدمی تھے

خالد بن حرث دہانی

اصفہان

افسر خزانہ

سمرة بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

سوق الایہواز

اکابر صحابہ میں ہیں۔

نعمان بن عبدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

میان

صحابہ میں سے اول انہی کو وراثت کا مال ملا

غرجہ بن ہرشمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

موصل

کمشنر مالگزار

موصل میں انہی نے فوجی چھاؤنی بنوائی

صیغہ محاصل

خراج

خراج کا طریقہ عرب میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایجاد کیا۔ خراج کا نظم و نسق عرب کی تاریخ تمدن میں ایک نیا اضافہ تھا۔ اسلام سے پہلے اگرچہ عرب کے مختلف خاندان تاج و تخت کے مالک ہوئے جنہوں نے سلطنت کے تمام کاروبار قائم کر دیئے تھے۔ لیکن محاصل کا باقاعدہ انتظام بالکل موجود نہ تھا۔ اسلام کے آغاز میں اس قدر ہوا کہ جب خیبر فتح ہوا تو یہودیوں نے درخواست کی کہ زراعت کا کام ہم اچھا جانتے ہیں اس لیے زمین ہمارے ہی قبضے میں چھوڑ دی جائے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی درخواست منظور کر لی اور بٹائی پر معاملہ ہو گیا۔ اس کے سوا جن مقامات کے باشندے سب مسلمان ہو گئے تھے، ان کی زمین پر عشر مقرر کر دیا۔ جو ایک قسم کی زکوٰۃ تھی۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں عراق کے کچھ حصے فتح ہوئے، لیکن خراج وغیرہ کا کچھ انتظام نہ ہوا۔ بلکہ سرسری طور پر کچھ رقم مقرر کر دی گئی۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب مہمات کی طرف سے فی الجملہ اطمینان ہوا یعنی 16 ہجری میں ادھر عراق عرب پر پورا قبضہ ہو گیا اور اس طرف یرموک کی فتح نے رومیوں کی قوت کا استیصال کر دیا، تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خراج کے نظم و نسق کی طرف توجہ کی۔ اس مرحلے میں پہلی یہ مشکل پیش آئی کہ امرائے فوج نے اصرار کیا کہ تمام مفتوحہ

مقامات صلہ فتح کے طور پر ان کی جاگیر میں عنایت کئے جائیں۔ اور باشندوں کو ان کی غلامی میں دے دیا جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عراق کی فتح کے ساتھ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو وہاں کی مردم شماری کے لیے حکم دیا تھا۔ سعد نے نہایت جانچ کے ساتھ مردم شماری کا کاغذ مرتب کر کے بھیجا۔ کل باشندوں اور اہل فوج کی تعداد کا موازنہ کیا گیا۔ تو ایک ایک مسلمان کے حصے تین تین آدمی پڑتے تھے۔ اسی وقت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ رائے قائم ہو چکی تھی کہ زمین باشندوں کے قبضہ میں رہنے دی جائے۔ اور ان کو ہر طرح پر آزاد چھوڑ دیا جائے۔^(۱)

لیکن اکابر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ اہل فوج کے ہم زبان تھے۔ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس قدر رد و کد کی کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دق ہو کر فرمایا ”اللھم کفنی بلالا“ یعنی ”اے خدا مجھ کو بلال سے نجات دے۔“ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ استدلال پیش کرتے تھے کہ اگر ممالک مفتوح فوج کو تقسیم کر دیئے جائیں تو آئندہ افواج کی تیاری، بیرونی حملوں کی حفاظت، ملک کے امن و امان قائم رکھنے کے مصارف کہاں سے آئیں گے۔ عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے تھے کہ جن کی تلواروں نے ملک کو فتح کیا ہے انہی کو قبضے کا بھی حق ہے۔ آئندہ نسلیں مفت کیونکر پاسکتی ہیں۔ چونکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حکومت کا جمہوری طریقہ تھا۔ یعنی جو فیصلہ ہوتا تھا کثرت رائے پر ہوتا تھا، اس لیے عام اجلاس ہوا۔ جس میں تمام قدامت مہاجرین و انصار میں سے پانچ اور قبیلہ اوس اور قبیلہ خزرج کے سردار، وکیل کے طور پر

شریک ہوئے۔^(۱)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے سے اتفاق کیا۔ تاہم کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔ کئی دن تک یہ مرحلہ درپیش رہا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا استدلال

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دفعۃً قرآن مجید کی ایک آیت یاد آئی جو بحث کے لیے نص قاطع تھی یعنی للفقراء المهاجرين الذين اخرجوا من ديارهم واموالهم الخ اس آیت کے آخر میں فقرے والذین جاء امن بعدہم سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ استدلال کیا کہ فتوحات میں آئندہ نسلوں کا بھی حق ہے لیکن اگر فاتحین کو تقسیم کر دیا جائے تو آنے والی نسلوں کے لیے کچھ باقی نہیں رہتا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کھڑے ہو کر نہایت پر زور تقریر کی اور اس آیت کو استدلال میں پیش کیا۔ تمام لوگ بول اٹھے کہ ”بے شبہ آپ کی رائے بالکل صحیح ہے۔“ اس استدلال کی بناء پر یہ اصول قائم ہو گیا کہ جو ممالک فتح کئے جائیں وہ فوج کی ملک نہیں ہیں بلکہ حکومت کی ملک قرار پائیں گے اور پچھلے قابضین کو بے دخل نہیں کیا جائے گا۔ اس اصول کے قرار پانے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ممالک مفتوحہ کے بندوبست پر توجہ کی۔

عراق کا بندوبست

عراق چونکہ عرب سے نہایت قریب اور عربوں کے آباد ہو جانے کی وجہ سے عرب کا ایک صوبہ بن گیا تھا۔ بندوبست کا طریقہ سب سے پہلے وہیں سے شروع کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک اصول یہ بھی تھا کہ ہر ایک ملک کے انتظام میں وہاں کے قدیم رسم و رواج سے واقفیت حاصل کرتے تھے اور اکثر حالتوں میں کسی قدر اصلاح کے ساتھ قدیم انتظامات کو بحال رکھتے تھے۔ عراق میں اس وقت مال گزاری کا جو طریقہ جاری تھا یہ ہر ایک قسم کی مزرعوں میں پر ایک خاص شرح کے لگان مقرر تھے۔ جو تین قسطوں میں ادا کئے جاتے تھے۔ یہ طریقہ سب سے پہلے کے قبائلیہ قائم کیا تھا۔ اور نو شیروان نے اس کی تکمیل کی تھی۔ نو شیروان تک تعین لگان میں یہ اصول ملحوظ رہتا تھا کہ اصل پیداوار کے نصف سے زیادہ نہ ہونے پائے۔ لیکن خسرو پرویز نے اس پر اضافہ کیا۔ اور یزدگرد کے زمانے میں اور بھی تبدیلیاں ہوئیں۔^(۱)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مزید تحقیقات کے لحاظ سے پیمائش کا حکم دیا۔ اس کام کے لیے چونکہ دیانت کے ساتھ مساحتہ سے واقف ہونا ضروری تھا۔ اور عرب میں اس قسم کے فنون اس وقت رائج نہ تھے اس لیے فی الجملہ دقت پیش آئی۔ آخر دو شخص انتخاب کئے گئے۔ عثمان بن حنیف اور حذیفہ بن الیمان۔

افسران کا بندوبست

یہ دونوں بزرگ اکابر صحابہ میں سے تھے۔ اور عراق میں زیادہ تر رہنے سے اس قسم کے کاموں سے واقف ہو گئے تھے۔ خصوصاً عثمان بن حنیف کو اس فن میں پوری مہارت حاصل تھی۔ قاضی ابو یوسف صاحب نے کتاب الخراج میں لکھا ہے کہ انہوں نے اس تحقیق

۱۔ (کتاب الاوائل ذکر اول من غیر سنیہ ساسان و ذکر اول من وضع الخراج)

اور صحت کے ساتھ پیمائش کی جس طرح قیمتی کپڑا ناپا جاتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پیمائش کا پیمانہ خود اپنے دست مبارک سے تیار کر کے دیا۔ کئی مہینے تک بڑے اہتمام اور جانچ کے ساتھ پیمائش کا کام جاری رہا۔

عراق کا کل رقبہ

کل رقبہ طول میں 375 میل اور عرض میں 240 یعنی کل 3000 میل مکسر ٹھہرا۔ اور پہاڑ اور صحرا اور نہروں کو چھوڑ کر قابل زراعت زمیں تین کروڑ سا تھ لاکھ جریب ٹھہری۔

(1) خاندان شاہی کی جاگیر

(2) آتش کدوں کے اوقاف

(3) لاوارث

(4) مفروروں اور

(5) باغیوں کی جائیداد

(6) وہ زمینیں جو سڑکوں کی تیاری اور درستی اور ڈاک کے مصارف کے لیے مخصوص تھیں

(7) دریابرد

(8) جنگل اور تمام زمینوں کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خالصہ قرار دے کر ان کی

آمدنی جس کی تعداد سالانہ ستر لاکھ (7000000) تھی رفاہ عام کے کاموں کے لیے

مخصوص کر دی۔ کبھی کبھی کسی شخص کو اسلامی کوششوں کے صلے میں جاگیر عطا کی جاتی تھی تو

انہی زمینوں سے کی جاتی تھی۔ لیکن یہ جاگیریں کسی حال میں خراج یا عشر سے مستثنیٰ نہیں

ہوتی تھیں۔ باقی تمام زمینیں قدیم قبضہ داروں کو دے دی گئی۔ اور حسب ذیل لگان مقرر کیا

گیا۔

لگان کی شرح

گیہوں فی جریب یعنی پون بیگھ پنختہ دو درہم سال
جو فی جریب یعنی پون بیگھ پنختہ ایک درہم سال
نیشکر فی جریب یعنی پون بیگھ پنختہ چھ درہم سال
روئی فی جریب یعنی پون بیگھ پنختہ پانچ درہم سال
انگور فی جریب یعنی پون بیگھ پنختہ دس درہم سال
نخلستان فی جریب یعنی پون بیگھ پنختہ دس درہم سال
بعض بعض جگہ زمین کی پیداوار کے اعتبار سے اس شرح میں تفاوت بھی ہوا۔ یعنی گیہوں پر
فی جریب 4 درہم اور جو پر 2 درہم مقرر ہوئے۔

عراق کا خراج

افتادہ زمین پر بشرطیکہ قابل زراعت ہو، دو جریب پر ایک درہم مقرر ہوا۔ اس طرح کل
عراق کا خراج 8 کروڑ ساٹھ لاکھ درہم ٹھہرا۔ چونکہ پیمائش کے مہتمم مختلف لیاقت کے تھے،
اس لیے تشخیص جمع میں بھی فرق رہا۔ تاہم جہاں جس قدر جمع مقرر کی گئی اس سے زیادہ
مالکان اراضی کے لیے چھوڑ دیا گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ذمی رعایا کا اس قدر خیال
تھا کہ دونوں افسروں کو بلا کر کہا کہ تم نے تشخیص جمع میں سختی تو نہیں کی؟ حضرت عثمان رضی اللہ
تعالیٰ عنہ نے کہا کہ نہیں۔ بلکہ ابھی اس قدر اور گنجائش ہے۔^(۱)

زمیندار اور تعلقہ دار

جو لوگ قدیم سے زمیندار اور تعلقہ دار تھے اور جن کو ایرانی زبان میں مر زبان اور دہقان کہتے تھے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی حالت اسی طرح قائم رہنے دی اور ان کے جو اختیارات اور حقوق تھے سب بحال رکھے۔ جس خوبی سے بندوبست کیا گیا تھا اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ باوجود اس کے کہ لگان کی شرحیں نوشیروان کی مقرر کردہ شرحوں سے زائد تھیں، تاہم نہایت کثرت سے افتادہ زمینیں آباد ہو گئیں اور دفعۂ زراعت کی پیداوار میں ترقی ہو گئی۔

پیداوار اور آمدنی میں ترقی

چنانچہ بندوبست کے دوسرے ہی سال خراج کی مقدار آٹھ کروڑ سے دس کروڑ بیس ہزار درہم تک پہنچ گئی۔ سالہائے مابعد میں اور بھی اضافہ ہوتا گیا۔ اس پر بھی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ احتیاط تھی۔

ہر سال مال گزاری کی نسبت رعایا کی اظہار لیا جانا

کہ ہر سال جب عراق کا خراج آتا تھا تو دس ثقہ اور معتمد اشخاص کوفہ سے اور اسی قدر بصرہ سے طلب کئے جاتے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کو چار دفعہ شرعی قسم دلاتے تھے کہ یہ مال گزاری کسی ذمی یا مسلمان پر ظلم کر کے تو نہیں لی گئی ہے۔^① یہ عجیب بات ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اگرچہ نہایت نرمی سے خراج مقرر کیا تھا

۱۔ (کتاب الخراج صفحہ 165، اصل عبارت یہ ہے: ان عمر ابن الخطاب کان من یحیی العراق کل سنۃ مائۃ الف الف اوقیۃ ثم یخرج الیہ عشرۃ من اهل الکوفۃ وعشرۃ من اهل البصرۃ یشہدون ان یربح شہادات باللہ انہ من طیب ما فیہ لم مسلم ولا معاهد

لیکن جس قدر مال گزاری ان کے عہد میں وصول ہوئی زمانہ مابعد میں کبھی وصول نہیں ہوئی۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں جس قدر

خراج وصول ہوا زمانہ بعد میں کبھی نہیں ہوا

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ حجاج پر خدا لعنت کرے کجخت کونہ دین کی لیاقت تھی نہ دنیا کی۔ عمر بن الخطاب نے عراق کی مال گزاری 10 کروڑ 28 لاکھ درہم وصول کی، زیاد نے 10 کروڑ 15 لاکھ اور حجاج نے باوجود جبر و ظلم کے صرف 2 کروڑ 8 لاکھ وصول کئے۔^(۱)

(۔ مامون الرشید کا زمانہ عدل و انصاف کے لیے مشہور ہے لیکن اس کے عہد میں بھی عراق کے خراج کی تعداد 5 کروڑ 48 لاکھ درہم سے کبھی نہیں بڑھی۔

جہاں تک ہم کو معلوم ہے عراق کے سوا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کسی صوبے کی پیمائش نہیں کرائی۔ بلکہ جہاں جس قسم کا بندوبست تھا اور بندوبست کے جو کاغذات پہلے سے تیار تھے ان کو اسی طرح قائم رکھا۔ یہاں تک کہ دفتر کی زبان تک نہیں بدلی، یعنی جس طرح اسلام سے پہلے عراق و ایران کا دفتر فارسی میں، شام کا رومی میں، مصر کا قبطی میں تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں بھی اسی طرح رہا۔ خراج کے محکمے میں جس طرح قدیم سے پارسی یونانی اور قبطی ملازم تھے بدستور بحال رہے۔ تاہم حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قدیم طریقہ انتظام میں جہاں کچھ غلطی دیکھی اس کی اصلاح کر دی، چنانچہ اس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

مصر میں فرعون کے زمانے میں جو بندوبست ہوا تھا۔ ٹالومیز (بطالمہ) نے بھی قائم رکھا۔ اور رومن ایمپائر میں بھی وہی جاری رہا۔ فرعون نے تمام اراضی کی پیمائش کرائی تھی اور تشخیص جمع اور طریقہ ادا کے مقدم اصول یہ قرار دیئے تھے:

مصر میں فرعون کے زمانے کے قواعد مال گزاری

- 1 خراج نقد اور اصل پیداوار دونوں طریقوں سے وصول کیا جائے۔
- 2 چند سالوں کی پیداوار کا اوسط نکال کر اس کے لحاظ سے جمع تشخیص کی جائے۔

3 بندوبست چار سالہ ہو۔

پروفیسر Frvan Bergho نے ایک کتاب فرنج زبان میں مسلمانوں کے قانون مال گزاری پر لکھی ہے۔ یہ حالات میں نے اسی کتاب سے لیے ہیں۔ آگے چل کر بھی اس کتاب کے حوالے آئیں گے۔ اس کتاب کا پورا نام یہ ہے:

IMPORT' LAPROPRIE TE TERRITORIAL ETU)
FONCIER SONSLES PREMIERS CALIFES

رومیوں کا اضافہ

رومیوں نے اپنے عہد حکومت میں اور تمام قاعدے بحال رکھے لیکن یہ نیا دستور مقرر کیا کہ ہر سال خراج کے علاوہ مصر سے غلہ کی ایک مقدار کثیر پائے تخت قسطنطنیہ کو روانہ کی جاتی تھی اور سلطنت کے ہر صوبے میں فوج کی رسد کے لیے یہیں سے غلہ جاتا تھا۔ جو خراج میں محسوب نہیں ہوتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ دونوں جابرانہ قاعدے موقوف کر

دینے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قدیم طریقے کی اصلاح کی

یورپ کے مؤرخوں نے لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں بھی یہ رسم جاری رہی۔ چنانچہ قحط کے سال مصر سے مدینہ منورہ کو جو غلہ بھیجا گیا، اسی اصول کے موافق بھیجا گیا۔ لیکن یہ ان کی سخت غلطی اور قیاس بازی ہے۔ بے شبہ عام القحط میں مصر سے غلہ آیا اور پھر یہ ایک رسم قائم ہو کر مدتوں تک جاری رہی۔ لیکن یہ وہی غلہ تھا جو خراج سے وصول ہوتا تھا۔ کوئی نیا خراج یا ٹیکس نہ تھا۔ چنانچہ علامہ بلاذری نے فتوح البلدان میں صاف صاف تصریح کر دی ہے۔ اس بات کا بڑا ثبوت یہ ہے کہ جب خراج میں صرف نقدی کا طریقہ رہ گیا تو حرمین کے لیے جو غلہ بھیجا جاتا تھا خرید کر بھیجا جاتا تھا۔ چنانچہ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد حکومت کی نسبت علامہ مقریزی نے صاف اس کی تصریح کی ہے۔^(۱)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہر صوبہ میں فوج کی رسد کے لیے غلے کھیتوں کا بھی انتظام کیا تھا۔ لیکن یہ وہی خراج کا غلہ تھا۔

مصر میں وصول مال گزاری کا طریقہ

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مال گزاری کے وصول کا طریقہ بھی نہایت نرم کر دیا اور اس لحاظ سے ملک کے دونوں قدیم قاعدوں میں ترمیم کر دی۔ مصر ایک ایسا ملک ہے جس کی

پیداوار کا دار و مدار دریائے نیل کی طغیانی پر ہے۔ اور چونکہ اس کی طغیانی کے مدارج میں نہایت تفاوت ہوتا رہتا تھا۔ اس لیے پیداوار کا کوئی خاص اندازہ نہیں ہو سکتا تھا۔ چند سالوں کے اوسط کا حساب اس لیے مفید نہیں تھا کہ جاہل کاشتکار اپنے مصارف کی تقسیم ایسے باقاعدہ طریقے سے نہیں کر سکتے کہ خشک سالی میں اوسط کے حساب سے ان کا کام چل سکے۔

بہر حال حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں مال گزاری کے وصول کا طریقہ یہ تھا کہ جب مال گزاری کی قطبیں کھلتی تھیں تو تمام پرگنہ جات سے رئیس اور زمیندار اور عراف طلب کئے جاتے تھے اور وہ پیداوار حال کے لحاظ سے کل ملک کے خراج کا ایک تخمینہ پیش کرتے تھے۔ اس کے بعد اسی طرح ہر ضلع اور ہر پرگنہ کا تخمینہ مرتب کیا جاتا تھا، جس میں مقامی زمیندار اور کھیا شریک ہوتے تھے۔ یہ تخمینہ رقم ان لوگوں کے مشورے سے ہر ہر گاؤں پر پھیلا دی جاتی تھی۔ پیداوار جو ہوتی تھی اس میں سے اول گرجاؤں اور عمالوں کے مصارف اور مسلمانوں کی مہمانی کا خرچ نکال لیا جاتا تھا۔ باقی جو بچتا تھا اس میں سے جمع مشخصہ ادا کی جاتی تھی ہر گاؤں پر جمع تشخیص ہوتی تھی۔ پڑتے سے اس کا ایک حصہ گاؤں کے پیشہوروں سے بھی وصول کیا جاتا تھا۔^(۱)

اس طریقہ میں اگرچہ بڑی زحمت تھی اور گویا ہر سال نیا بندوبست کرنا پڑتا تھا۔ لیکن مصر کے حالات کے لحاظ سے عدل اور انصاف کا یہی مقتضی تھا۔ اور مصر میں یہ تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ ایک مدت سے معمول بھی تھا۔ لگان کی شرح فی جریب ایک دینار اور تین ارب غلہ

۱۔ (مقریزی نے یہ پوری تفصیل نقل کی ہے۔ دیکھو کتاب مذکور صفحہ 77 علامہ بشاری کی کتاب جغرافیہ صفحہ 212 سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے۔)

قرار دی گئی اور یہ معاہدہ لکھ دیا گیا کہ اس مقدار پر کبھی اضافہ نہیں کیا جائے گا۔

مصر کا کل خراج

اس عدل و انصاف کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں جو خراج وصول ہوتا تھا اس کی تعداد ایک کروڑ بیس لاکھ دینار تھی۔ جس کے تقریباً پانچ کروڑ چھ لاکھ روپے ہوتے ہیں۔ علامہ مقریزی نے لکھا ہے کہ یہ صرف جزیے کی رقم تھی۔ خراج اس کے علاوہ تھا۔ ابو حرقل بغدادی نے بھی اپنے جغرافیہ میں قاضی ابو حازم کا جو قول نقل کیا ہے وہ اسی کے مطابق ہے۔ لیکن میرے نزدیک دونوں نے غلطی کی ہے۔ خود علامہ مقریزی نے لکھا ہے کہ جب عمرو بن العاص نے پہلے سال ایک کروڑ دینار وصول کئے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے باز پرس کی۔ یہ مسلم ہے کہ مقوقس کے عہد میں جزیے کا دستور نہ تھا۔ اس لیے عمرو بن العاص کی یہ رقم اگر جزیہ تھی تو مقوقس کی رقم سے اس کا مقابلہ کرنا بالکل بے معنی تھا۔ اس کے علاوہ تمام مؤرخین نے اور خود مقریزی نے جہاں خراج کی حیثیت سے اسلام کے ماقبل اور مابعد زمانوں کا مقابلہ کیا ہے، اسی تعداد کا نام لیا ہے۔ بہر حال حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں خراج کی مقدار جہاں تک پہنچی زمانہ بعد میں کبھی اس حد تک نہیں پہنچی۔ بنو امیہ اور بنو العباس کے زمانے میں تیس لاکھ دینار سے زیادہ وصول نہیں ہوا۔

مصر کا خراج بنو امیہ اور عباسیہ کے زمانے میں

ہشام بن عبد الملک نے جب بڑے اہتمام سے تمام ملک کی پیمائش کرائی جو تین کروڑ فدان ٹھہری تو 30 لاکھ سے چالیس لاکھ ہو گئے۔ البتہ حضرت عثمان کے زمانے میں عبد اللہ بن سعد گورنر مصر نے ایک کروڑ چالیس لاکھ دینار وصول کئے تھے لیکن جب حضرت عثمان

نے فخریہ عمرو بن العاص سے کہا کہ اب تو اونٹنی نے زیادہ دودھ دیا ہے۔^(۱)

تو عمرو بن العاص نے آزادانہ کہا کہ ”ہاں لیکن بچہ بھوکا رہا۔“ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا زمانہ ہر قسم کی دنیاوی ترقی میں یادگار ہے۔ ان کے عہد میں مصر کے خراج کی تعداد 90 لاکھ دینار تھی۔ فاطمین کے عہد میں خلیفہ المعز بدین اللہ کے گورنر نے باوجود یہ کہ لگان کی شرح دوگنی کر دی۔^(۲)

تاہم 32 لاکھ دینار سے زیادہ وصول نہ ہوئے۔ (کتاب الخراج صفحہ 28 ابن حوقل ذکر مصر)۔

شام

شام میں اسلام کے عہد تک وہ قانون جاری تھا جو ایک یونانی بادشاہ نے اپنے تمام ممالک مقبوضہ میں قائم کیا تھا۔ اس نے پیداوار کے اختلافات کے لحاظ سے زمین کے مختلف مدارج قرار دیئے تھے۔ اور ہر قسم کی زمین پر جداگانہ شرح کے لگان مقرر کئے تھے۔ یہ قانون چھٹی صدی عیسوی کے آغاز میں یونانی زبان سے شامی زبان میں ترجمہ کیا گیا۔ اور اسلام کی فتوحات تک وہی ان تمام ممالک میں جاری تھا۔ (دیکھو پروفیسر برخیم فرانیسی کی کتاب مسلمانوں کے قانون مال گزاری پر)۔ قرائن اور قیاسات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مصر کی طرح یہاں بھی وہی قدیم قانون جاری رہنے دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں شام سے جو خراج وصول ہوتا تھا اس کی کل تعداد ایک کروڑ چالیس لاکھ دینار یعنی 5 کروڑ 80 لاکھ روپے تھی۔

۱۔ (دیکھو مقررہ صفحہ 18 جلد اول)۔

۲۔ (معجم البلدان ذکر مصر۔ مقررہ صفحہ 74 تا 75)

عراق، مصر، شام کے سوا اور ممالک مفتوحہ یعنی فارس، کرمان، آرمینیا وغیرہ کے بندوبست اور تشخیص خراج کے حالات ہم بہت کم معلوم کر سکے۔ مؤرخین ان ملکوں کے حالات فتح میں صرف اس قدر لکھتے ہیں کہ وہاں کے لوگوں پر جزیہ اور زمین پر خراج مقرر کیا گیا۔ کہیں کہیں کسی خاص رقم پر معاہدہ ہو گیا ہے تو اس کی تعداد لکھ دی ہے۔ باقی اور قسم کی تفصیل کو ہاتھ نہیں لگایا ہے۔ اور چونکہ اس قسم کی جزئی تفصیلوں سے کچھ بڑے نتائج متعلق نہیں اس لیے ہم بھی اس کی چنداں پروا نہیں کرتے۔

قانون مال گزاری میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی

اصلاحات

البتہ ایک محقق کی نگاہ اس بات پر پڑتی ہے کہ اس صیغے میں فتوحات فاروقی کی خاص ایجادات اور اصلاحیں کیا ہیں اور ہم اسی خاص پہلو پر نگاہ ڈالنا چاہتے ہیں۔ سب سے بڑا انقلاب جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس صیغے میں کیا اور جس کی وجہ سے رعایا کی بہبودی اور خوشحالی دفعۃً نہایت ترقی کر گئی، یہ تھی کہ زمین داری اور ملکیت زمین کا قدیم جابرانہ قانون مٹا دیا۔ رومیوں نے جب شام اور مصر پر قبضہ کیا تو تمام ارضیات اصلی باشندوں سے چھین کر کچھ افسران فوج اور کچھ اراکین دربار کو دے دیں کچھ شاہی جاگیریں قرار پائیں۔ کچھ کلیسا اور چرچ پر وقف کر دیں۔ اصل باشندوں کے ہاتھ میں ایک چپہ زمین بھی نہیں رہی۔ وہ صرف کاشتکاری کا حق رکھتے تھے۔ اور اگر مالک زمین ان کی کاشتکاری کی زمین کو کسی کے ہاتھ منتقل کرتا تھا تو زمین کے ساتھ کاشتکار بھی منتقل ہو جاتے تھے۔ اخیر میں باشندوں کو بھی کچھ زمین داریاں ملنے لگیں۔ لیکن زمین داری کی حفاظت اور

اس سے متمتع ہونے کے لیے رومی زمینداروں سے اعانت لینی پڑتی تھی۔ اس بہانے سے زمیندار خود زمین پر متصرف ہو جاتے تھے۔ اور وہ غریب کاشتکار کا کاشتکار ہی رہتا تھا۔ یہ طریقہ کچھ رومی سلطنت کے ساتھ مخصوص نہ تھا۔ بلکہ جہاں تک ہم کو معلوم ہے تمام دنیا میں قریب قریب یہی طریقہ جاری تھا کہ زمین کا بہت بڑا حصہ افسران فوج یا ارکان دولت کی جاگیر میں دے دیا جاتا تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ملک پر قبضہ کرنے کے ساتھ ساتھ اس ظالمانہ قانون کو مٹا دیا۔ رومی تو اکثر ملک کے مفتوح ہوتے ہی نکل گئے۔ اور جو رہ گئے ان کے قبضے سے بھی زمین نکال لی گئی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان تمام اراضیات کو جو شاہی جاگیریں تھیں یا جن پر رومی افسر قابض تھے، باشندگان ملک کے حوالے کر دیا۔ اور بجائے اس کے کہ وہ مسلمان افسروں یا فوجی سرداروں کو عنایت کی جاتیں، قاعدہ بنا دیا کہ مسلمان کسی حالت میں ان زمینوں پر قابض نہیں ہو سکتے۔ یعنی مالکان اراضی کو قیمت دے کر خریدنا چاہیں تو خرید بھی نہیں سکتے۔ یہ قاعدہ ایک مدت تک جاری رہا۔ چنانچہ لیث بن سعد نے مصر میں کچھ زمین مول لی تھی تو بڑے بڑے پیشوایان مذہب مثلاً امام مالک، نافع بن یزید بن البیعہ نے ان پر سخت اعتراض کیا۔^(۱)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اہل عرب کو جو ان ممالک میں پھیل گئے تھے زراعت کی ممانعت کر دی۔ چنانچہ تمام فوجی افسروں کے نام احکام بھیج دیئے کہ لوگوں کے روزینے مقرر کر دیئے گئے ہیں۔ اس لیے کوئی شخص زراعت نہ کرنے پائے۔ یہ حکم اس قدر سختی سے دیا گیا کہ شریک عطفی ایک شخص نے مصر میں زراعت خرید کر لی تو

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کو بلا کر سخت مواخذہ کیا اور فرمایا کہ تجھ کو ایسی سزا دوں گا کہ
اوروں کو عبرت ہو۔^(۱)

ان قاعدوں سے ایک طرف تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس عدل و انصاف کا نمونہ قائم کیا۔ جس کی نظیر دنیا میں کہیں موجود نہ تھی۔ کیونکہ کسی فاتح قوم نے مفتوحین کے ساتھ کبھی ایسی رعایت نہیں برتی تھی۔ دوسری طرف زراعت اور آبادی کو اس سے نہایت ترقی ہوئی۔ اس لیے کہ اصلی باشندے جو مدت سے ان کاموں میں مہارت رکھتے تھے عرب کے خانہ بدوش بدوان کی برابری نہیں کر سکتے تھے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ اس تدبیر نے فتوحات کی وسعت میں بڑا کام دیا۔ فرانس کے ایک نہایت لائق مصنف نے لکھا ہے کہ یہ بات مسلم ہے کہ اسلام کی فتوحات میں خراج اور مال گزاری کے معاملہ کو بہت دخل ہے۔ رومن سلطنت میں باشندگان ملک کو جو سخت خراج ادا کرنا پڑتا تھا۔ اس نے مسلمانوں کی فتوحات کو نہایت تیزی سے بڑھایا۔ مسلمانوں کے حملوں کا جو مقابلہ کیا گیا وہ اہل ملک کی طرف سے نہ تھا بلکہ حکومت کی طرف سے تھا۔ مصر میں خود قبطی کاشتکاروں نے یونانیوں کے برخلاف مسلمانوں کو مدد دی، دمشق اور حمص میں عیسائی باشندوں نے ہرقل کو فوج کے مقابلے میں شہر پناہ کے دروازے بند کر دیئے اور مسلمانوں سے کہہ دیا کہ ہم تمہارے حکومت کو بمقابلہ بے رحم رومیوں کے بہت زیادہ پسند کرتے ہیں۔

یہ نہیں خیال کرنا چاہیے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے غیر قوموں کے ساتھ انصاف کرنے میں اپنی قوم کی حق تلفی کی یعنی ان کو زراعت اور فلاحیت سے روک دیا۔ درحقیقت اس سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بڑی انجام بینی کا ثبوت ملتا ہے۔ عرب کے اصلی

جو ہر دلیری، بہادری، جفاکشی، ہمت، عزم اسی وقت تک قائم رہے جب تک وہ کاشتکاری اور زمین داری سے الگ رہے۔ جس دن انہوں نے زمین کو ہاتھ لگایا، اسی دن یہ تمام اوصاف بھی ان سے رخصت ہو گئے۔

بندوبست مال گزاری میں ذمیوں سے رائے لینا

اس معاملے میں ایک اور نہایت منصفانہ اصول جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے برتا یہ تھا کہ بندوبست اور اس کے متعلق تمام امور میں ذمی رعایا سے جو پارسی یا عیسائی تھی ہمیشہ رائے طلب کرتے تھے۔ اور ان کی معروضات پر لحاظ فرماتے تھے۔ عراق کا جب بندوبست کرنا چاہا تو پہلے عمال کو لکھا کہ عراق کے دور نیسوں کو ہمارے پاس بھیجو جن کے مترجم بھی ہوں (کتاب الخراج صفحہ 31)۔ پیمائش کا کام ہو چکا تو پھر دس دس بڑے بڑے زمیندار عراق سے بلوائے اور ان کے اظہار لیے۔^①

اسی طرح مصر کے انتظام کے وقت وہاں کے گورنر کو لکھا کہ مقوقس سے (جو پہلے مصر کا حاکم تھا) خراج کے معاملے میں رائے لو۔ اس پر بھی تسلی نہ ہوئی تو ایک واقف کار قبطی کو مدینے میں طلب کیا اور اس کا اظہار لیا۔^②

یہ طریقہ جس طرح عدل و انصاف کا نہایت اعلیٰ نمونہ تھا، اسی طرح انتظام کی حیثیت سے بھی مفید تھا۔

ان باتوں کے ساتھ ان اصلاحات کو بھی شامل کرنا چاہیے جن کا بیان ہم بندوبست کے شروع میں کر آئے ہیں۔

۱۔ (کتاب الخراج صفحہ 5)۔

۲۔ (مقریزی جلد اول صفحہ 74 تا 75)۔

ترقی زراعت

بندوبست کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زمین کی آبادی اور زراعت کی ترقی کی طرف توجہ کی۔ عام حکم دے دیا کہ تمام ملک میں جہاں جہاں افتادہ زمینیں ہیں جو شخص ان کو آباد کرے گا اس کی ملک ہو جائیں گی۔ لیکن اگر کوئی شخص اس قسم کی زمین کو آباد کرنے کی غرض سے اپنے قبضے میں لائے اور تین برس کے اندر آباد نہ کرے تو زمین اس کے قبضے سے نکل جائے گی۔ اس طریقے سے افتادہ زمینیں نہایت جلد آباد ہو گئیں۔ حملے کے وقت جہاں جہاں کی رعایا گھر چھوڑ کر نکل گئی تھی ان کے لیے اشتہار دے دیا کہ واپس آجائے اور اپنی زمینوں پر قابض ہو جائے۔ زراعت کی حفاظت اور ترقی کا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو خیال تھا اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ایک دفعہ ایک شخص نے ان سے آکر شکایت کی کہ شام میں میری کچھ زراعت تھی۔ اپ کی فوج ادھر سے گزری اور اس کو برباد کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی وقت اس کو دس ہزار درہم معاوضے میں دلوائے۔ تمام ممالک مفتوحہ میں نہریں جاری کیں اور بند باندھے۔^(۱)

محکمہ آبپاشی

تالاب تیار کرانے، پانی کی تقسیم کرنے کے دہانے بنانے، نہروں کے شعبے نکالنے اور اس قسم کے کاموں کا ایک بڑا محکمہ قائم کیا۔ علامہ مقریزی نے لکھا ہے کہ خاص مصر میں ایک لاکھ بیس ہزار مزدور روزانہ سال بھر اس کام میں لگے رہتے تھے اور یہ تمام مصارف بیت

المال سے ادا کئے جاتے تھے۔^(۱)

خوزستان اور اہواز کے اضلاع میں جزر بن معاویہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اجازت سے بہت سے نہریں کھدوائیں۔ جن کی وجہ سے بہت سی افتادہ زمینیں آباد ہو گئیں۔ اسی طرح اور سینکڑوں نہریں تیار ہوئیں۔ جس کا پتہ جستہ جستہ تاریخوں میں ملتا ہے۔

خرابی اور عشری

نوعیت قبضہ کے لحاظ سے زمین کی ایک اور تقسیم۔ یعنی خراجی اور عشری۔ خراجی کا بیان اوپر گزر چکا ہے۔ عشری اس زمین کا نام تھا جو مسلمانوں کے قبضے میں ہوتی تھی۔ اور جس کے اقسام حسب ذیل تھے:

1 عرب کی زمین جس کے قابضین اوائل اسلام میں مسلمان ہو گئے تھے۔ مثلاً مدینہ منورہ وغیرہ۔

2 جو زمین کسی ذمی کے قبضے سے نکل کر مسلمانوں کے قبضے میں آتی تھی، مثلاً لاوارث مرگیا، یا مفرور ہو گیا، یا بغاوت کی یا استغفی دے دیا۔

3 جو افتادہ زمین کسی حیثیت سے کسی کی ملک نہیں ہوتی تھی۔ اور اس کو کوئی مسلمان آباد کر لیتا تھا۔

ان اقسام کی تمام زمینیں عشری کہلاتی تھیں اور چونکہ مسلمانوں سے جو کچھ لیا جاتا تھا وہ زکوٰۃ

کی مد میں داخل تھا، اس لیے ان زمینوں پر بجائے خراج کے زکوٰۃ مقرر تھی جس کی مقدار اصل پیداوار کا دسواں حصہ ہوتا تھا۔ یہ شرح خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر فرمائی تھی۔ اور وہی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں بھی قائم رہی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اتنا کیا کہ ایران وغیرہ کی جو زمینیں مسلمانوں کے قبضے میں آئیں اگر وہ زمیوں کی قدیم نہروں یا کنوؤں سے سیراب ہوتی تھیں تو ان پر خراج مقرر کیا۔ چنانچہ اس قسم کی زمینیں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ و خباب وغیرہ کے قبضے میں تھیں اور ان سے خراج لیا جاتا تھا۔ اور اگر خود مسلمان نئی نہر یا کنواں کھود کر اس کی آبپاشی کرتے تھے تو اس پر رعایتہ عشرہ مقرر کیا جاتا تھا۔^①

مسلمانوں کے ساتھ عشرہ کے تخصیص اگرچہ بظاہر ایک قسم کی نا انصافی یا قومی ترجیح معلوم ہوتی ہے لیکن فی الواقع ایسا نہیں ہے۔ اولاً تو مسلمانوں کو بمقابلہ ذمیوں کے بہت سی زائد رقمیں ادا کرنی پڑتی تھیں مثلاً مویشی پر زکوٰۃ، گھوڑوں پر زکوٰۃ، روپے پر زکوٰۃ۔ حالانکہ ذمی ان تمام محصولات سے بالکل مستثنیٰ تھے۔ اس بناء پر خاص زمین کے معاملے میں جو نہایت اقل قلیل مسلمانوں کے قبضے میں آئی تھی اس قسم کی رعایت بالکل مقتضائے انصاف تھی۔ دوسرے یہ کہ عشر ایک ایسی رقم تھی جو کسی حالت میں کم یا معاف نہیں ہو سکتی تھی۔ یہاں تک کہ خود خلیفہ یا بادشاہ معاف کرنا چاہے تو معاف نہیں کر سکتا تھا۔ بخلاف اس کے خراج میں تخفیف اور معافی دونوں جائز تھی۔ اور وقتاً فوقتاً اس پر عمل درآمد بھی ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ خراج سال میں صرف ایک دفعہ لیا جاتا تھا۔ بخلاف اس کے عشر کا یہ حال تھا کہ سال میں جتنی فصلیں ہوتی تھیں سب کی پیداوار سے الگ الگ وصول کیا جاتا تھا۔

اور قسم کی آمدنیاں

خران و عشر کے سوا آمدنی کے جو اور اقسام تھے، وہ حسب ذیل تھے:

زکوٰۃ، عشر، جزیہ، مال غنیمت کا خمس، زکوٰۃ مسلمانوں کے ساتھ مخصوص تھیں اور مسلمانوں کی کسی قسم کی جائیداد یا آمدنی اس سے مستثنیٰ نہ تھی۔ یہاں تک کہ بھیڑ، بکری، اونٹ سبھی پر زکوٰۃ تھی۔ زکوٰۃ کے متعلق تمام احکام خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں مرتب ہو چکے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں جو اضافہ ہوا یہ تھا کہ تجارت کے گھوڑوں پر زکوٰۃ مقرر ہوئی۔

گھوڑوں پر زکوٰۃ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گھوڑوں کو زکوٰۃ سے مستثنیٰ فرمایا تھا لیکن اس سے عیاذ باللہ یہ نہیں خیال کرنا چاہیے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو الفاظ فرمائے تھے اس سے بظاہر سواری کے گھوڑے مفہوم ہوتے ہیں۔ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس مفہوم کو قائم رکھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں تجارت کے گھوڑے وجود نہیں رکھتے تھے۔ اس لیے ان کے زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہونے کی کوئی وجہ نہیں تھیں۔ بہر حال زکوٰۃ کی مد میں یہ ایک نئی آمدنی تھی۔ اور اول اول حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں شروع ہوئی۔

عشور

عشور خاص بھی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایجادہ۔ جس کی ابتداء یوں ہوئی کہ مسلمان

جو غیر ملکوں میں تجارت کے لیے جاتے تھے ان سے وہاں کے دستور کے مطابق مال تجارت پر دس فیصد ٹیکس لیا جاتا تھا۔ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس واقعہ کی اطلاع دی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکم دیا کہ ان ملکوں کے تاجروں کو جو ہمارے ملک میں آئیں ان سے بھی اسی قدر محصول لیا جائے۔ عیسائیوں نے جو اس وقت تک اسلام کے محکوم نہیں ہوئے تھے خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس تحریری درخواست بھیجی کہ ہم کو عشاء ادا کرنے کی شرط پر عرب میں تجارت کرنے کی اجازت دی جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منظور کیا۔ اور پھر ذمیوں اور مسلمانوں پر بھی یہ قاعدہ جاری کر دیا گیا۔ البتہ تعداد میں تفاوت رہا۔ یعنی حریوں سے دس فیصد، ذمیوں سے پانچ فیصد، مسلمانوں سے اڑھائی فیصد لیا جاتا تھا۔ رفتہ رفتہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تمام ممالک مفتوحہ میں یہ قاعدہ جاری کر کے ایک خاص محکمہ قائم کر دیا۔ جس سے بہت بڑی آمدنی ہو گئی۔ یہ محصول خاص تجارت کے مال پر لیا جاتا تھا۔ جس کی درآمد برآمد کی میعاد سال بھر تھی۔ یعنی تاجر ایک سال جہاں جہاں چاہے مال لے جائے، اس سے دوبارہ محصول نہیں لیا جاتا تھا۔ یہ بھی قاعدہ تھا کہ دوسو درہم سے کم قیمت کے مال پر کچھ نہیں لیا جاتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے محصلوں کو یہ بھی تاکید کر دی تھی کہ کھلی ہوئی چیزوں سے عشر لیا جائے۔ یعنی کسی کے اسباب کی تلاشی نہ لی جائے۔ جزیہ کے متعلق پوری تفصیل آگے آئے گی۔

صیغہ عدالت محکمہ قضاء

یہ صیغہ بھی اسلام میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بدولت وجود میں آیا۔ ترقی تمدن کا پہلا دیا چہ یہ ہے کہ صیغہ عدالت، انتظامی صیغہ سے علیحدہ قائم کیا جائے۔ دنیا میں جہاں جہاں

حکومت و سلطنت کے سلسلے قائم ہوئے۔ مدتوں کے بعد ان دونوں صیغوں میں تفریق ہوئی۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خلافت کے چند ہی روز بعد اس صیغے کو الگ کر دیا تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے تک خود خلیفہ وقت اور افسران ملکی قضاء کا کام بھی کرتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابتداء میں یہ رواج قائم رکھا۔ اور ایسا کرنا ضروری تھا۔ حکومت کا نظم و نسق جب تک کامل نہیں ہوا لیتا، ہر صیغے کا اجراء رعب و داب کا محتاج رہتا ہے اس لیے فصل قضایا کا کام وہ شخص انجام نہیں دے سکتا جس کو فصل قضایا کے سوا اور کوئی اختیار نہ ہو۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لکھا کہ جو شخص با اثر اور صاحب عظمت نہ ہو قاضی نہ مقرر کیا جائے۔^(۱)

بلکہ اسی بناء پر عبداللہ بند مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قضایا سے روک دیا تھا۔ لیکن جب انتظام کا سکہ اچھی طرح جم گیا۔ تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قضاء کا صیغہ بالکل الگ کر دیا۔ اور تمام اضلاع میں عدالتیں قائم کیں۔ اور قاضی مقرر کئے اس کے ساتھ قضاء کے اصول و آئین پر ایک فرمان بھیجا جو ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ گورنر کوفہ کے نام تھا۔ اور جس میں صیغہ عدالت کے تمام اصولی احکام درج تھے۔ ہم اس کو بعینہ اس مقام نقل کرتے ہیں۔^(۲)

رومن ایمپائر کے دوازدہ (451ء قبل مسیح رومن ایمپائر نے یونان میں سفراء بھیجے کہ وہاں قانون کی تعلیم حاصل کر کے آئیں اور سلطنت کے لیے ایک مستقل قانون بنائیں۔ یہ سفراء

۱۔ (اخبار القضاء ل محمد بن خلف ابو کعب)

۲۔ (اس فرمان کو علامہ ابوالحسن شیرازی نے طبقات فقہاء میں اور علامہ بیہقی و موردي و جاحظ وابن عبد ربه اور بہت سے

محدثین اور مؤرخین نے نقل کیا ہے۔)

یونان گئے اور وہاں سے واپس آ کر ایک دستور العمل تیار کیا۔ جس میں بارہ امور انتظامی پر بارہ بارہ قاعدے تھے۔ یہ تمام قواعد سبسہ کی تختی پر کندہ کئے گئے اور مدت تک رومن ایمپائر کا وہی قانون رہا۔ اس میں صیغہ قضاء کے متعلق جو احکام تھے وہ حسب ذیل ہیں:

- 1 جب تم عدالت میں طلب کئے جاؤ تو فوراً فریق مقدمہ کے ساتھ حاضر ہو۔
- 2 اگر مدعا علیہ انکار کرے تو تم گواہ پیش کر دو تا کہ وہ جبراً حاضر کیا جاوے۔
- 3 مدعا علیہ بھاگنا چاہے تو تم اس کو پکڑ سکتے ہو۔
- 4 مدعا علیہ بیمار یا بوڑھا ہو تو تم اس کو سواری دو، ورنہ اس پر حاضری کے لیے جبر نہیں کیا جا سکتا۔

5 مدعا علیہ ضامن پیش کرے تو تم اس کو چھوڑ دو۔

6 دولت مند کا ضامن دولت مند ہونا چاہیے۔

7 جج کو فریقین کے اتفاق سے فیصلہ کرنا چاہیے۔

8 جج صبح سے دوپہر تک مقدمہ سنے گا۔

9 فیصلہ دوپہر کے بعد فریقین کی حاضری میں ہوگا۔

10 مغرب کے بعد عدالت بند رہے گی۔

11 فریقین اگر ثالث پیش کرنا چاہیں تو ان کو ضامن دینا چاہیے۔

12 جو شخص گواہ پیش نہیں کر سکتا، مدعا علیہ کے دروازے پر اپنے دعوے کو پکار کر کہے۔

یہ قوانین ہیں جن کو یاد کر کے یورپ رومن ایمپائر پر ناز کرتا ہے۔

قواعد جو رومیوں کے بڑے مفاخر خیال کئے جاتے ہیں۔ اور جن کی نسبت سیرس روم کا مشہور لکچرار لکھتا ہے کہ یہ قوانین تمام فلاسفوں کی تصنیفات سے بڑھ کر ہیں وہ بھی ہمارے

سامنے ہیں۔

ان دونوں کا موازنہ کر کے ہر شخص فیصلہ کر سکتا ہے کہ دونوں میں سے تمدن کے وسیع اصول کا کس میں زیادہ پتہ لگتا ہے۔

تو اعداء عدالت کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تحریر
حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان بعبارتھا ذیل میں درج ہے۔

”

خدا کی تعریف کے بعد قضا ایک ضروری فرض ہے۔ لوگوں کو اپنے حضور میں اپنی مجلس میں اپنے انصاف میں برابر رکھنا کہ کمزور انصاف سے مایوس نہ ہو۔ اور زوردار کو تمہاری رو رعایت کی امید نہ پیدا ہو۔ جو شخص دعویٰ کرے اس پر بار ثبوت ہے اور جو شخص منکر ہو اس پر قسم۔ صلح جائز ہے۔ بشرطیکہ اس سے حرام حلال اور حلال حرام نہ ہو۔ کل اگر تم نے کوئی فیصلہ کیا تو آج غور کے بعد اس سے رجوع کر سکتے ہو جس مسئلہ میں شبہ ہو اور قرآن وحدیث میں اس کا ذکر نہ تو اس پر غور کرو اور پھر غور کرو اور اس کی مثالوں اور نظیروں پر خیال کرو پھر قیاس لگاؤ جو شخص ثبوت پیش کرنا چاہے اس کے لیے ایک میعاد مقرر کرو۔ اگر وہ ثبوت دے تو اس کا حق دلاؤ ورنہ مقدمہ خارج۔ مسلمان۔ ثقہ ہیں باستثنائے ان اشخاص کے جن کو حد کی سزا میں درے لگائے گئے ہوں یا جنہوں نے جھوٹی گواہی دے ہو یا دلا اور وراثت میں مشکوک ہوں۔“

اس فرمان میں قضا کے متعلق جو قانونی احکام مذکور ہیں حسب ذیل ہیں:

1 قاضی کو عادلانہ حیثیت سے تمام لوگوں کے ساتھ یکساں برتاؤ کرنا چاہیے۔

2 بار ثبوت عموماً مدعی پر ہے۔

3 مدعا علیہ اگر کسی قسم کا ثبوت یا شہادت نہیں رکھتا تو اس سے قسم لی جائے گی۔
4 فریقین ہر حالت میں صلح کر سکتے ہیں۔ لیکن جو امر خلاف قانون ہے اس میں صلح نہیں ہو سکتی۔

5 قاضی خود اپنی مرضی سے مقدمہ کے فیصلہ کرنے کے بعد اس پر نظر ثانی کر سکتا ہے۔
6 مقدمہ کی پیشی کی ایک تاریخ معین ہونی چاہیے۔
7 تاریخ پر اگر مدعا علیہ نہ حاضر ہو تو مقدمہ یکطرفہ فیصلہ کیا جائے گا۔
8 ہر مسلمان قابل اداۓ شہادت ہے۔ لیکن جو سزا یافتہ ہو یا جس کا جھوٹی گواہی دینا ثابت ہو وہ قابل شہادت نہیں۔

صیغہ قضاء کی عمدگی فصل خصومات میں پورا عدل و انصاف ان باتوں پر موقوف ہے۔
1 عمدہ اور مکمل قانون جس کے مطابق فیصلے عمل میں آئیں۔
2 قابل اور متدین حکام کا انتخاب
3 وہ اصول اور آئین جن کی وجہ سے حکام رشوت اور دیگر ناجائز وسائل کے سبب سے فصل خصومات میں رو رعایت نہ کرنے پائیں۔
4 آبادی کے لحاظ سے قضاۃ کی تعداد کا کافی ہونا مقدمات کے انفصال میں حرج نہ ہونے پائے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان تمام امور کا اس خوبی سے انتظام کیا کہ اس سے بڑھ کر نہیں ہو سکتا۔ قانون بنانے کی تو کوئی ضرورت نہ تھی۔ اسلام کا اصلی قانون قرآن مجید موجود تھا۔ البتہ چونکہ اس میں جزئیات کا احاطہ نہیں، اس لیے حدیث و اجماع و قیاس سے مدد لینے کی ضرورت تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قضاۃ کو خاص طور پر اس کی ہدایت لکھی۔

قاضی شریح کو ایک فرمان میں لکھا کہ مقدمات میں اول قرآن مجید کے مطابق فیصلہ کرو۔ قرآن میں وہ صورت مذکور نہ تو حدیث، اور حدیث نہ ہو تو اجماع (کثرت رائے) کے مطابق اور کہیں پتہ نہ لگے تو خود اجتہاد کرو۔^①

یہ فرمان تھوڑے اختلاف کے ساتھ مذکور ہے چنانچہ اس کی اصلی عبارت یہ ہے:
عن شریح ان عمر ابن الخطاب کتب الیہ ان جابک شی فی کتاب اللہ فاقض بہ فان جابک ما لیس فی کتاب اللہ فانظر سنۃ رسول اللہ فاقض بها فان جابک ما لیس فی کتاب اللہ ولم یکن فی سنۃ رسول اللہ ولم یتکلم فیہ احد قبک فاختری الامرین شئت ان شئت ان تجتهد براءیک ثم تقدم وان شئت تناخر فناخر ولا یری التاخر الا خیر الک۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی پر اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ ہمیشہ وقتاً فوقتاً حکام عدالت کو مشکل اور مبہم مسائل کے متعلق فتاوے لکھ لکھ کر بھیجتے رہتے تھے۔ آج اگر ان کو ترتیب دیا جائے تو ایک مختصر مجموعہ قانون بن سکتا ہے۔ لیکن ہم اس موقع پر ان کا استقصا نہیں کر سکتے۔ اگر کوئی چاہے تو کنز العمال اور ازالۃ الخفاء وغیرہ سے اس کی تصدیق کر سکتا ہے۔ اخبار القضاۃ میں بھی متعدد فتاوے مذکور ہیں۔

قضاۃ کا انتخاب

قضاۃ کے انتخاب میں جو احتیاط اور نکتہ سنجی کی گئی اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ جو لوگ انتخاب کئے گئے وہ اس حیثیت سے تمام عرب میں منتخب تھے۔ پائے تخت یعنی مدینہ منورہ کے قاضی زید بن ثابت تھے۔^②

۱۔ (کنز العمال صفحہ 174 جلد 3 مسند داری میں)

۲۔ (اخبار القضاۃ میں ہے ان عمر استعمل زیداً علی القضاء وفرض لہ رزقا۔)

جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کاتب وحی تھے۔ وہ سریانی اور عبرانی زبان کے بھی ماہر تھے اور علوم فقیہیہ میں سے فرائض کے فن میں تمام عرب میں ان کا جواب نہ تھا۔ کعب بن سور الازدی جو بصرہ کے قاضی تھے، بہت بڑے معاملہ فہم اور نکتہ شناس تھے۔ امام ابن سیرین نے ان کے بہت سے فیصلے اور احکام نقل کیے ہیں۔^(۱)

فلسطین کے قاضی عبادہ بن الصامت تھے جو منجملہ ان پانچ شخصوں کے ہیں۔ جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں تمام قرآن مجید حفظ کیا تھا اور اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اہل صفہ کی تعلیم سپرد کی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کا اس قدر احترام کرتے تھے کہ جب امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے ساتھ ایک موقع پر اختلاف کیا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ماتحتی سے الگ کر دیا۔^(۲)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے کے احکام

عدالت

کوفہ کے قاضی قاضی عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ جن کا فضل و کمال محتاج بیان نہیں۔ فقہ حنفی کے مورث اول ہیں۔ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد 19 ہجری میں قاضی شریع مقرر ہوئے۔ وہ اگرچہ صحابہ میں سے نہ تھے۔ لیکن اس قدر ذہین اور معاملہ فہم تھے کہ عرب میں ان کا جواب نہ تھا۔ چنانچہ ان کا نام آج تک مثال کے طور پر لیا جاتا

۱۔ (دیکھو اسناد الغائبہ فی احوال الصحابہ، واستیعاب قاضی ابن عبد البر تذکرہ کعب بن سور الازدی)۔

۲۔ (استیعاب قاضی ابن عبد البر)۔

ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کو اقصى العرب کہا کرتے تھے۔ ان بزرگوں کے سوا جمیل بن معمر الحنفی، ابو مریم الحنفی، سلمان ربیعہ الباہلی، عبدالرحمن بن ربیعہ، ابو قرة الکندی، عمران بن الحصین جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے کے قضاة ہیں ان کی عظمت و جلالت شان رجال کی کتابوں سے معلوم ہو سکتی ہے۔

قضاة کا امتحان کے بعد مقرر ہونا

قاضی، اگرچہ حاکم صوبہ یا حکم ضلع کا ماتحت ہوتا تھا۔ اور لوگوں کو قضاة کے تقرر کا پورا اختیار حاصل تھا۔ تاہم حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ زیادہ احتیاط کے لحاظ سے اکثر خود لوگوں کو انتخاب کر کے بھیجتے تھے۔ انتخاب کے لیے اگرچہ خود امیدواروں کی شہرت کافی تھی، لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس پر اکتفا نہیں کرتے تھے، بلکہ اکثر امتحان اور ذاتی تجربہ کے بعد لوگوں کو انتخاب کرتے تھے۔

قاضی شریع کی تقرری کا یہ واقعہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک شخص سے پسند کی شرط پر ایک گھوڑا خریدا اور امتحان کے لیے ایک سوار کو دیا۔ گھوڑا سواری میں چوٹ کھا کر داغی ہو گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو واپس کرنا چاہا۔ گھوڑے کے مالک نے انکار کیا۔ اس پر نزاع ہوئی اور شریع ثالث مقرر کئے گئے۔ انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ گھوڑے کے مالک سے اجازت لے کر سواری کی گئی تھی تو گھوڑا واپس کیا جاسکتا ہے۔ ورنہ نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہ حق یہی ہے۔ کوفہ کا قاضی مقرر کر دیا۔^(۱)

کعب بن سور الازدی کے ساتھ اسی قسم کا واقعہ گزرا۔ ناجائز وسائل آمدنی کے روکنے کے لیے بہت سی بندشیں کیں۔

رشوت سے محفوظ رکھنے کے وسائل

1 تنخواہیں بیش بیش قرار مقرر کیں کہ بالائی رقم کی ضرورت نہ ہو۔ مثلاً سلمان ربیعہ اور قاضی شریح کی تنخواہ پانچ پانچ سو درہم ماہوار تھی اور یہ تنخواہ اس زمانے کے حالات کے لحاظ سے بالکل کافی تھی۔^(۱)

2 قاعدہ مقرر کیا کہ جو شخص دولت مند اور معزز نہ ہو قاضی مقرر نہ ہونے پائے۔ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ گورنر کوفہ کو جو فرمان لکھا اس میں قاعدے کی وجہ یہ کہ دولت مند رشوت کی طرف راغب نہ ہوگا۔ اور معزز آدمی پر فیصلہ کرنے میں کسی کے رعب و داب کا اثر نہ ہوگا۔^(۲)

ان باتوں کے ساتھ ساتھ کسی قاضی کو تجارت اور خرید و فروخت کرنے کی اجازت نہ تھی۔ اور یہ وہ اصول ہے جو مدتوں کے تجربے کے بعد ترقی یافتہ ممالک میں اختیار کیا گیا ہے۔

انصاف میں مساوات

عدالت و انصاف کا ایک بڑا لازمہ عام مساوات کا لحاظ ہے۔ یعنی دیوان عدالت میں شاہ و گدا، امیر و غریب، شریف و رذیل سب ہم مرتبہ سمجھے جائیں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کا اس قدر اہتمام تھا کہ اس کے تجربے اور امتحان کے لیے متعدد دفعہ خود عدالت میں فریق مقدمہ بن کر گئے۔ ایک دفعہ ان میں اور ابی ابن کعب میں کچھ نزاع تھی۔ ابی نے زید بن ثابت کے ہاں مقدمہ دائر کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدعا علیہ کی حیثیت سے حاضر

۱۔ (فتح القدیر حاشیہ ہدایہ جلد 3 صفحہ 247)۔

۲۔ (اخبار القضاۃ ل محمد بن خلف الوکیح)

ہوئے، زید نے تعظیم دی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا یہ تمہارا پہلا ظلم ہے۔ یہ کہہ کر ابی کے برابر بیٹھ گئے۔ ابی نے قاعدے کے موافق حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے قسم لینی چاہی۔ لیکن زید نے ان کے رتبے کا پاس کر کے ابی سے درخواست کی امیر المومنین کو قسم سے معاف رکھو۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس طرف داری پر نہایت رنجیدہ ہوئے۔ زید کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ ”جب تک تمہارے نزدیک ایک عام آدمی اور عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ برابر نہ ہوں تم منصب قضاء کے قابل نہیں سمجھے جاسکتے۔“

قضاۃ اور ان کی کاروائیوں کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جس قسم کے اصول اختیار کئے اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ ان کے عہد خلافت میں بلکہ بنو امیہ کے دور تک عموماً قضاۃ ظلم و نا انصافی کے الزام سے پاک رہے۔ علامہ ابو ہلال عسکری نے کتاب الاوائل میں لکھا ہے کہ اسلام میں سب سے پہلے جس قاضی نے خلاف انصاف عمل کیا وہ بلال بن ابی برد تھے۔ (یہ بنو امیہ کے زمانے میں تھے)۔

آبادی کے لحاظ سے قضاۃ کی تعداد کا کافی ہونا

آبادی کے لحاظ سے قضاۃ کی تعداد کافی تھی کیونکہ کوئی ضلع قاضی سے خالی نہیں تھی۔ اور چونکہ غیر مذہب والوں کو اجازت تھی کہ آپس کے مقدمات بطور خود فیصلہ کر لیا کریں۔ اس لیے اسلامی عدالتوں میں ان کے مقدمات کم آتے تھے۔ اور اس بناء پر ہر ضلع میں ایک قاضی کا ہونا بہر حال کافی تھا۔

ماہرین فن کی شہادت

صیغہ قضاء اور خصوصاً اصول شہادت کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو نادر باتیں

ایجاد کیں اور جن کا بیان ان کے اجتہادات کے ذکر میں آئے گا ان میں ایک ماہر فن کی شہادت تھی۔ یعنی جو امر کسی خاص فن سے تعلق رکھتا تھا اس فن کے ماہر کا اظہار لیا جاتا تھا۔ مثلاً حطیہ نے زبرقان بن بدر کی ہجو میں ایک شعر کہا تھا جس سے صاف طور پر ہجو نہیں ظاہر ہوتی تھی۔ زبرقان نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاں مقدمہ رجوع کیا۔ یہ شعر و شاعری کا معاملہ تھا۔ اور شاعرانہ اصطلاحیں اور طرز ادا عام بول چال سے الگ ہوتی ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حسان بن ثابت کو جو بڑے شاعر تھے بلا کر پوچھا اور ان کی رائے کی مطابق فیصلہ کیا۔ اسی طرح اشتباہ نسب کی صورت میں حلیہ شناسوں کے اظہار لیے۔ چنانچہ کنز العمال باب القذف میں اس قسم کے بہت سے مقدمات مذکور ہیں۔

فصل خصومات کے متعلق اگرچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بہت سے آئین و اصول مقرر کئے لیکن یہ سب وہیں تک تھا جہاں تک انصاف کی ارزانی اور آسانی میں کوئی خلل نہیں پڑ سکتا تھا۔ ورنہ سب سے مقدم ان کو جس چیز کا لحاظ تھا وہ انصاف کا ارزاں اور آسان ہونا تھا۔ آج کل مہذب ملکوں نے انصاف اور دادرسی کو ایسی قیود میں جکڑ دیا کہ دادخواہوں کو دعویٰ سے باز آنا اس کی بہ نسبت زیادہ آسان ہے۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اصول اور آئین اس قدر سہل اور آسان تھے کہ انصاف کے حاصل کرنے میں ذرا بھی دقت نہیں ہو سکتی تھی۔ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خاص اس بات کا ہمیشہ لحاظ رہتا تھا۔

عدالت کا مکان

یہی مصلحت تھی کہ عدالت کے لیے خاص عمارتیں نہیں بنوائیں بلکہ مسجدوں پر اکتفا کیا۔ کیونکہ مسجد کے مفہوم میں جو تعمیر اور اجازت عام تھی وہ اور کسی عمارت میں پیدا نہیں ہو سکتی تھی۔ مقدمات کے رجوع کرنے میں کوئی صرف برداشت کرنا نہیں پڑتا تھا۔ عدالت کے

دروازے پر کسی قسم کی روک ٹوک نہ تھی۔ تمام قضاۃ کو تاکید تھی کہ جب کوئی غریب اور مبتذل شخص مقدمہ کا فریق بن کر آئے تو اس سے نرمی اور کشادہ روئی سے پیش آئیں تاکہ اظہار مدعا میں اس پر مطلق خوف کا اثر نہ ہو۔

محکمہ افتاء

عدالت کے متعلق یہ ایک نہایت ضروری صیغہ ہے جو آغاز اسلام میں قائم ہوا اور جس کی مثال اسلام کے سوا اور کہیں پائی نہیں جاتی۔ قانون کے جو مقدم اصول ہیں ان میں ایک یہ بھی ہے کہ ہر شخص کی نسبت یہ فرض کرنا چاہیے کہ قانون سے واقف ہے۔ یعنی مثلاً اگر کوئی شخص کوئی جرم کرے تو اس کا یہ عذر کام نہیں آ سکتا کہ وہ اس فعل کا جرم ہونا نہیں جانتا تھا۔ یہ قاعدہ تمام دنیا میں مسلم ہے اور حال کے ترقی یافتہ ملکوں نے اس پر زور دیا ہے۔ بے شبہ قاعدہ صحیح ہے لیکن تعجب یہ ہے کہ اور قوموں نے اس کے لیے کسی قسم کی تدبیر اختیار نہیں کی۔ یورپ میں تعلیم اس قدر عام ہو چکی ہے لیکن اس درجے کو نہیں پہنچ سکی۔ اور نہ پہنچ سکتی ہے کہ ہر شخص قانون دان بن جائے۔ کوئی جاہل شخص قانون کا کوئی مسئلہ جاننا چاہے تو اس کے لیے کوئی تدبیر نہیں۔ لیکن اسلام میں اس کا ایک خاص محکمہ تھا۔ جس کا نام افتاء تھا۔ اس کا یہ طریقہ تھا کہ نہایت لائق قانون دان یعنی فقہاء ہر جگہ موجود رہتے تھے اور جو شخص کوئی مسئلہ دریافت کرنا چاہتا تھا ان سے دریافت کر سکتا تھا۔ اور اس لیے کوئی شخص یہ عذر نہیں کر سکتا تھا کہ وہ قانون کے مسئلے سے ناواقف تھا۔ یہ طریقہ آغاز اسلام میں خود بخود پیدا ہوا۔ اور اب تک قائم ہے۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں جس پابندی کے ساتھ اس پر عمل رہا۔ زمانہ مابعد بلکہ ان سے پہلے حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں بھی نہیں رہا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے کے مفتی

اس طریقے کے لیے سب سے ضروری امر یہ ہے کہ عام اجازت نہ ہو بلکہ خاص خاص قابل لوگ افتاء کے لیے نامزد کر دیئے جائیں تاکہ ہر کس و نا کس غلط مسائل کی ترویج نہ کر سکے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس تشخیص کو ہمیشہ ملحوظ رکھا۔ جن لوگوں کو انہوں نے افتاء کی اجازت دی مثلاً حضرت علی، حضرت عثمان، معاذ بن جبل، عبدالرحمن بن عوف، ابی بن کعب، زید بن ثابت، ابو ہریرہ اور ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہم وغیرہ وغیرہ ان کے سوا اور لوگ فتویٰ دینے کے مجاز نہ تھے۔ شاہ ولی اللہ صاحب (کتاب مذکور صفحہ 130) ازالۃ الخفاء میں لکھتے ہیں کہ ”سابق وعظ وفتویٰ موقوف بود، بررائے خلیفہ و عظمیٰ گفتند و فتویٰ دادند۔“ تاریخوں میں ان کی بہت سے مثالیں موجود ہیں کہ جن لوگوں کو فتویٰ کی اجازت نہ تھی انہوں نے فتوے دیئے، تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہ انکو منع کر دیا۔ چنانچہ ایک دفعہ عبد اللہ بن مسعود کے ساتھ بھی یہ واقعہ گزرا۔^(۱)

بلکہ ان کو یہاں تک احتیاط تھی کہ مقرر شدہ مفتیوں کی بھی جانچ کرتے رہتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بارہا پوچھا کہ تم نے اس مسئلے میں کیا فتویٰ دیا؟ اور جب انہوں نے اپنا جواب بیان کیا تو فرمایا کہ اگر تم اس مسئلے کا اور کچھ جواب دیتے تو آئندہ تم کبھی فتوے کے مجاز نہ ہوتے۔

دوسرا امر جو اس طریقے کے لیے ضروری ہے یہ ہے کہ مفتیوں کے نام کا اعلان کر دیا جائے اس وقت گزٹ اور اخبار تو نہ تھے۔ لیکن مجالس عامہ میں جن سے بڑھ کر اعلان عام کو کوئی ذریعہ نہ تھا، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بارہا اس کا اعلان کیا۔ شام کے سفر میں بمقام

جانبیہ بے شمار آدمیوں کے سامنے جو مشہور خطبہ پڑھا اس میں یہ الفاظ بھی فرمائے:

من اراد القرآن فلیات ایبا ومن اراد ان یسال الفرائض فلیات زیدا ومن اراد ان یسال عن الفقه فلیات معاذاً۔

یعنی جو شخص قرآن سیکھنا چاہے تو ابی بن کعب کے پاس اور فرائض کے متعلق کچھ پوچھنا چاہے تو زید کے پاس اور فقہ کے متعلق پوچھنا چاہے تو معاذ کے پاس جائے۔

فوج داری اور پولیس

جہاں تک ہم تحقیق کر سکے مقدمات فوج داری کے لیے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کوئی جدا محکمہ قائم نہیں کیا۔ بعض قسم کے مقدمات مثلاً زنا اور سرقت، قضاۃ کے ہاں فیصلہ ہوتے تھے اور ابتدائی قسم کی تمام کاروائیاں پولیس سے متعلق تھیں۔ پولیس کا صیغہ مستقل طور پر قائم ہو گیا تھا اور اس وقت اس کا نام احداث تھا۔ چنانچہ افسران پولیس کو صاحب الاحداث کہتے تھے۔ بحرین پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہ قدامہ بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مقرر کیا۔

قدامہ کو تحصیل مال گزاری کی خدمت دی۔ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تصریح کے ساتھ پولیس کے اختیارات دیئے۔ احتساب کے متعلق جو کام ہیں۔ مثلاً دوکاندار ترازو میں دھوکہ نہ دینے پائیں۔ کوئی شخص سڑک پر مکان نہ بنائے۔ جانوروں پر زیادہ بوجھ نہ لادنا جائے۔ شراب علانیہ بکنے نہ پائے وغیرہ ان تمام امور کا کافی انتظام تھا۔ اور اس کے لیے ہر جگہ اہل کار افسر مقرر تھے۔ لیکن یہ پتہ نہیں چلتا کہ احتساب کا مستقل صیغہ قائم ہو گیا تھا۔ یا یہ خدمتیں بھی صاحب الاحداث سے متعلق تھیں۔ کنز العمال میں جہاں ابن سعد کی روایت نقل کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بازار کی نگرانی کے لیے عبداللہ بن عتبہ کو مقرر

کیا تھا۔ وہاں لکھا ہے کہ ”حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جیل خانہ کی ایجاد کا فعل عہدہ احتساب کا ماخذ ہے۔“

جیل خانہ کی ایجاد

اس صیغہ میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جیل خانے بنوائے ورنہ ان سے پہلے عرب میں جیل خانے کا نام و نشان نہ تھا اور یہی وجہ تھی کہ سزائیں سخت دی جاتی تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اول مکہ معظمہ میں صفوان بن امیہ کا مکان چار ہزار درہم پر خریدا اور اس کو جیل خانہ بنایا اور اضلاع میں بھی جیل خانے بنوائے۔ علامہ بلاذری کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ کوفہ کا جیل خانہ نزل سے (بناتھا۔ اس وقت تک صرف مجرم قید خانے میں رکھے جاتے تھے۔ اور جیل خانے میں بھجواتے تھے۔^۱)

جیل خانہ تعمیر ہونے کے بعد بعض سزاؤں میں تبدیلی ہوئی۔ مثلاً ابوحنن ثقفی بار بار شراب پینے کے جرم میں ماخوذ ہوئے تو اخیر دفعہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو حد کی بجائے قید کی سزا دی۔

جلاوطنی کی سزا

جلاوطنی کی سزا بھی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایجاد ہے۔ چنانچہ ابوحنن کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ سزا بھی دی تھی۔ اور ایک جزیرہ میں بھیج دیا تھا۔^۲

بیت المال (یا) خزانہ بیت المال پہلے نہ تھا

۱۔ (مقریزی جلد دوم صفحہ ۱۸۷)، فتوح البلدان صفحہ ۴۶۳

۲۔ (اسد الغابہ ذکر ابوحنن ثقفی)

یہ صیغہ بھی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات سے وجود میں آیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں سب سے اخیر جو رقم وصول ہوئی وہ بحرین کا خراج تھا۔ جس کی تعداد آٹھ لاکھ درہم تھی لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کل رقم ایک ہی جلسہ میں تقسیم کر دی۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اپنی خلافت میں کوئی خزانہ نہیں قائم کیا بلکہ جو کچھ غنیمت کا مال آیا، اسی وقت لوگوں میں بانٹ دیا۔ چنانچہ پہلے سال دس دس درہم اور دوسرے سال بیس بیس درہم ایک ایک شخص کے حصے میں آئے۔ یہ کتاب الاوائل اور ابن سعد کی روایت ہے۔ ابن سعد کی ایک دوسرے روایت ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مکان بیت المال کے لیے خاص کر لیا تھا۔ وہ ہمیشہ بند پڑا رہتا تھا۔ کیونکہ جو کچھ آتا تھا اسی وقت تقسیم کر دیا جاتا تھا اور اس کی نوبت ہی نہیں پہنچتی تھی کہ خزانے میں کچھ داخل کیا جائے۔ وفات کے وقت بیت المال کا جائزہ لیا گیا تو صرف ایک درہم نکلا۔

تقریباً 15 ہجری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بحرین کا عامل مقرر کیا۔ وہ سال تمام ہونے پر پانچ لاکھ کی رقم اپنے ساتھ لائے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجلس شوریٰ کا اجلاس عام کر کے کہا کہ ایک رقم کثیر بحرین سے آئی ہے۔ آپ لوگوں کی کیا مرضی ہے؟

بیت المال کس سنہ میں قائم ہوا؟

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رائے دی کہ جو رقم آئے وہ سال کے سال تقسیم کر دی جائے اور خزانے میں جمع نہ رکھی جائے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے خلاف رائے دی۔ ولید بن ہشام نے کہا میں نے سلاطین شام کے ہاں دیکھا ہے کہ خزانہ اور دفتر کا جدا جدا محکمہ قائم ہے۔

آج کل کا زمانہ ہوتا تو غیر مذہب والوں کے نام سے اجتناب کیا جاتا۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس رائے کو پسند کیا۔ اور بیت المال کی بنیاد ڈالی۔ سب سے پہلے دار الخلافہ یعنی مدینہ منورہ میں بہت بڑا خزانہ قائم کیا۔ اور چونکہ اسی کی نگرانی اور حساب کتاب کے لیے نہایت قابل اور دیانتدار آدمی کی ضرورت تھی۔

بیت المال کے افسر

عبداللہ رقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابی تھے اور لکھنے پڑھنے میں کمال رکھتے تھے، خزانہ کا افسر مقرر کیا۔ اس کے ساتھ اور لائق لوگ ان کے ماتحت مقرر کئے جن میں عبدالرحمن بن عبید القاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور معیقب بھی تھے۔ (کتب رجال میں معیقب دیکھو)۔ معیقب کو یہ شرف حاصل تھا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انگشتی بردار تھے اور اس وجہ سے ان کی دیانت داری اور امانت ہر طرح پر قطعی اور مسلم الثبوت تھی۔

دار الخلافہ کے علاوہ تمام صوبجات اور صدر مقامات میں بیت المال قائم کئے۔ اور اگرچہ وہاں کے اعلیٰ حکام کو ان کے متعلق ہر قسم کے اختیارات حاصل تھے۔ لیکن بیت المال کا محکمہ بالکل الگ ہوتا تھا اور اس کے افسر جداگانہ ہوتے تھے۔ مثلاً اصفہان میں خالد بن حرث رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور کوفہ میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ خاص خزانے کے افسر تھے۔

بیت المال کی عمارتیں

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اگرچہ تعمیر کے باب میں نہایت کفایت شعاری کرتے تھے لیکن بیت المال کی عمارتیں مستحکم اور شاندار بنوائیں۔ کوفہ میں بیت المال کے لیے اول

ایک محل تعمیر ہوا جس کو روزابہ ایک مشہور مجوسی معمار نے بنایا تھا اور جس کا مصالحہ خسروان فارس کی عمارت سے آیا تھا۔ لیکن جب اس میں نقب کے ذریعے چوری ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سعد بن وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لکھا کہ مسجد کی عمارت بیت المال سے ملادی جائے۔ کیونکہ مسجد نمازیوں کے وجہ سے ہمیشہ آباد رہتی ہے اور ہر وقت لوگوں کا مجمع رہے گا۔ چنانچہ سعد بن وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حکم سے روزابہ نے بیت المال کی عمارت کو اس قدر وسیع کیا کہ مسجد سے مل گئی اور اس طرح چوری وغیرہ کی طرف سے اطمینان ہو گیا۔^(۱)

معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ مابعد میں زیادہ احتیاط کے لحاظ سے خزانے پر سپاہیوں کا پہرہ بھی رہنے لگا تھا۔ بلاذری نے لکھا ہے کہ جب طلحہ وزیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے باغی ہو کر بصرہ آئے اور خزانہ پر قبضہ کرنا چاہا تو سیاحہ کے 40 سپاہی خزانہ کے پہرے پر متعین تھے۔ اور انہوں نے طلحہ وزیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ارادے کی مزاحمت کی۔ سیاحہ کی نسبت اسی مؤرخ نے تصریح کی ہے کہ وہ سندھ سے گرفتار ہو کر آئے تھے اور ایران فتح ہوا تو یہ قوم مسلمان ہو گئی اور ابو موسیٰ نے ان کو بصرہ میں آباد کرایا۔^(۲)

صوبجات اور اضلاع میں جو خزانے تھے ان کا یہ انتظام تھا کہ جس قدر رقم وہاں کے ہر قسم کے مصارف کے لیے ضروری ہوتی تھی رکھ لی جاتی تھی۔ باقی سال کے ختم ہونے کے بعد صدر خزانہ یعنی مدینہ منورہ کے بیت المال میں بھیج دی جاتی تھی۔ اس کے متعلق عمال کے نام

۱۔ (یہ تمام تفصیل تاریخ طبری ذکر آبادی کو فہ میں ہے)۔

۲۔ (فتوح البلدان از صفحہ 373 تا 376)۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تاکید کی احکام آتے رہتے تھے۔^①
یہ دریافت کرنا مشکل ہے کہ ہر جگہ کے خزانے میں کس قدر رقم محفوظ رہتی تھی۔

جو رقم دار الخلافہ کے خزانے میں رہتی تھی

مؤرخ یعقوبی کی تصریح سے اس قدر معلوم ہے کہ دار الخلافہ کے خزانے سے خاص دار الخلافہ کے باشندوں کو جو تنخواہیں اور وظائف مقرر تھے، اس کی تعداد تین کروڑ سالانہ تھی۔

بیت المال کے حفاظت اور نگرانی میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو اہتمام تھا، اس کے متعلق تاریخوں میں بہت سے دلچسپ واقعات ہیں جن کی تفصیل ہم نظر انداز کرتے ہیں۔

پبلک ورک یا نظارت نافعہ

یہ صیغہ مستقل حیثیت سے زمانہ حال کی ایجاد ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ عربی زبان میں اس کے لیے کوئی اصطلاحی لفظ نہیں۔ مصر و شام میں اس کا ترجمہ نظارات نافعہ کیا گیا ہے۔ اس صیغے میں مفصلہ ذیل چیزیں داخل ہیں۔ سرکاری عمارتیں، نہریں، سڑکیں، پل، شفا خانے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں اس کے لیے کوئی مستقل صیغہ نہیں قائم ہوا تھا۔ لیکن شفا خانوں کے سوا اس صیغے کے متعلق اور جتنی چیزیں ہیں سب موجود تھیں اور نہایت منظم اور وسیع طور پر تھیں۔

زراعت کی ترقی کے لیے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جس قدر نہریں تیار کرائیں ان کا

۱۔ (عمر بن العاص گورنر مصر کو جو فرمان لکھا گیا تھا اس میں یہ الفاظ تھے "فاذ احصل الیک وجعۃ اخر جت عطاء المسلمین وما یحتاج الیہ مالا بدمنہ ثم انظر فیما فضل بعد ذلک فاحملہ الی۔" کنز العمال بحوالہ ابن سعد جلد 3 صفحہ 63)۔

مختصر حال ہم صیغہ محاصل کے بیان میں لکھ آئے ہیں۔ یہاں ان نہروں کا ذکر کرتے ہیں جو زراعت کے صیغہ سے مخصوص نہ تھیں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو نہریں تیار کرائیں

نہر ابی موسیٰ

نہر ابی موسیٰ، یہ نہر 9 میل لمبی تھی۔ جس کی تیاری کی تاریخ یہ ہے کہ ایک دفعہ بصرہ کے لوگ ڈپوٹیشن کے طور پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس حاضر ہوئے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے معمول کے موافق ایک ایک سے حالات پوچھے۔ ان میں حنیف بن قیس بھی تھے۔ انہوں نے نہایت پر اثر تقریر کی جو کتابوں میں بالفاظہ منقول ہے۔ اس بات کی شکایت کی کہ بصرہ بالکل شورستان ہے اور پانی چھ میل سے لانا پڑتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی وقت ابو موسیٰ کے نام اس مضمون کا تحریری حکم بھیجا کہ بصرہ کے لوگوں کے لیے نہر کھدوائی جائے۔ چنانچہ دجلہ سے 9 میل لمبی نہر کاٹ کر بصرہ میں لائی گئی جس کے ذریعہ سے گھر گھر پانی کی افراط ہو گئی۔

نہر معقل

نہر معقل، یہ ایک مشہور نہر ہے جس کی نسبت عربی میں یہ مثل مشہور ہے اذا جاء نهر الله بطل نہر معقل، یہ نہر دجلہ سے کاٹ کر لائی گئی تھی اور چونکہ اس کی تیاری کا اہتمام معقل بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سپرد کیا گیا تھا جو ایک مقتدر صحابی تھے، اس لیے انہی کے نام سے مشہور ہو گئی۔

نہر سعد

نہر سعد، اس نہر کے لیے انبار والوں نے پہلے شہنشاہ فارس سے درخواست کی تھی۔ اسلام کا زمانہ آیا تو ان لوگوں نے سعد و قاص (گورز کوفہ) سے خواہش ظاہر کی۔ سعد نے سعد بن عمر کو مامور کیا۔ انہوں نے بڑے اہتمام سے کام کرایا۔ لیکن کچھ دور پہنچ کر پہاڑ بیچ میں آ گیا اور وہیں چھوڑ دی گئی۔ پھر حجاج نے اپنے زمانے میں پہاڑ کاٹ کر بقیہ کام پورا کیا۔ تاہم نہر سعد ہی کے نام سے مشہور ہوئی۔

نہر امیر المومنین

سب سے بڑی اور فائدہ رساں نہر جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خاص حکم سے بنی وہ نہر تھی جو نہر امیر المومنین کے نام سے مشہور ہے اور جس کے ذریعے سے دریائے نیل کو بحر قلزم سے ملا دیا گیا تھا۔ اس میں مختصر تاریخ یہ ہے کہ 18 ہجری میں جب تمام عرب میں قحط پڑا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تمام اضلاع کے حکام کو لکھا کہ ہر جگہ کثرت کے ساتھ غلہ اور اناج روانہ کیا جائے۔ اگرچہ اس حکم کی فوراً تعمیل ہوئی۔ لیکن شام اور مصر سے جو خشکی کو جو راستہ تھا بہت دور دراز تھا۔ اس لیے غلہ کے بھیجنے میں پھر بھی دیر لگی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان وقتوں پر خیال کر کے عمرو بن العاص (گورز مصر) کو لکھا کہ مصر کے باشندوں کی ایک جماعت ساتھ لے کر دار الخلافہ حاضر ہو۔ جب وہ آئے تو فرمایا کہ دریائے نیل کو اگر سمندر سے ملا دیا جائے تو عرب کو قحط گرانی کا کبھی اندیشہ نہیں ہوگا۔ ورنہ خشکی کی راہ غلہ کا آنا وقت سے خالی نہیں۔ عمرو نے واپس جا کر کام شروع کر دیا اور فسطات سے (جو قاہرہ سے دس بارہ میل ہے) بحر قلزم تک نہر تیار کرائی۔ اس ذریعہ سے جہاز

دریائے نیل سے چل کر قلزم میں آتے تھے۔ اور یہاں سے جدہ پہنچ کر لنگر کرتے جو مدینہ منورہ کی بندرگاہ تھی۔ یہ نہر تقریباً 96 میل لمبی تھی اور تعجب یہ ہے کہ چھ مہینے میں تیار ہو گئی۔ چنانچہ پہلے ہی سال 20 بڑے بڑے جہاز جن میں ساٹھ ہزار اردب غلہ بھرا ہوا تھا، اس نہر کے ذریعے سے مدینہ منورہ کی بندرگاہ میں آئے۔ یہ نہر مدتوں تک جاری رہی اور اس کے ذریعے سے مصر کی تجارت کو نہایت ترقی ہوئی۔ عمر بن عبدالعزیز کے عمالوں نے بے پروائی کی اور وہ جا بجا سے اٹ گئی۔ یہاں تک کہ مقام زنب المساح تک آ کر بالکل بند ہو گئی۔ 105 ہجری میں منصور عباسی نے ایک ذاتی مصلحت سے اس کو بند کر دیا۔ لیکن بعد کو پھر جاری ہو گئی اور مدتوں جاری رہی۔^(۱)

ایک اور عجیب و غریب بات یہ کہ عمرو بن العاص نے بحر روم و بحر قلزم کو براہ راست ملا دینے کا ارادہ کیا تھا۔ چنانچہ اس کے لیے موقع اور جگہ کی تجویز بھی کر لی تھی۔ اور چاہا تھا کہ فرما کے پاس سے جہاں سے بحر روم اور بحر قلزم میں صرف 70 میل کا فاصلہ رہ جاتا ہے، نہر نکال کر دونوں دریائوں کو ملا دیا جائے۔ لیکن جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کے ارادے سے اطلاع ہوئی تو نارضا مندی ظاہر کی۔ اور لکھ بھیجا کہ اگر ایسا ہوا تو یونانی جہازوں میں آ کر حاجیوں کو اڑالے جائیں گے۔^(۲)

۔ اگر عمرو بن العاص کو اجازت ملی ہوتی تو نہر سویز کی ایجاد کا فخر درحقیقت عرب کے حصے میں آتا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو عمارتیں تیار کرائیں

۱۔ (تفصیل حسن الحاضرہ سیوطی صفحہ 93 تا 94 مقررہ جلد اول صفحہ 71 و جلد دوم صفحہ 139 تا 144 میں ہے)۔

۲۔ (تقوم البلدان ابوالفدا صفحہ 106)۔

عمارات جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تیار کرائیں، تین قسم کی تھیں:

- 1 مذہبی: جیسے مساجد وغیرہ، ان کا بیان تفصیل کے ساتھ مذہبی صیغے میں آئے گا۔ یہاں اس قدر کہنا کافی ہے کہ بقول صاحب روضۃ الاحباب چار ہزار مسجدیں تعمیر ہوئیں۔
- 2 فوجی: جیسے قلعے، چھاؤنیاں، بارکیں، ان کا بیان فوجی انتظامات میں آئے گا۔

3- ملکی: مثلاً دارالامارۃ وغیرہ، اس قسم کی عمارتوں کے تفصیلی حالات معلوم نہیں۔
لیکن ان کی اقسام کی تفصیل حسب ذیل ہے:

1 دارالامارۃ: یعنی صوبجات اور اضلاع کے حکام جہاں قیام رکھتے تھے اور جہاں ان کا دفتر رہتا تھا۔ کوفہ و بصرہ کے دارالامارۃ کا حال طبری و بلاذری نے کسی قدر تفصیل سے لکھا ہے۔

2 دفتر: دیوان یعنی جہاں دفتر کے کاغذات رہتے تھے۔ فوج کا دفتر بھی اسی مکان میں رہتا تھا۔

3 خزانہ: بیت المال یعنی خزانے کا مکان یہ عمارت مضبوط اور مستحکم ہوتی تھی۔ کوفہ کے بیت المال کا ذکر بیت المال کے حال میں گزر چکا ہے۔

4 قید خانے: مدینہ منورہ کے قید خانے کا حال صیغہ پولیس کے بیان میں گزر چکا ہے۔ بصرہ میں جو قید خانہ تھا وہ دارالامارۃ کی عمارت میں شامل تھا۔^(۱)

5 مہمان خانے: مہمان خانے، یہ مکانات اس لیے تعمیر کئے گئے تھے کہ باہر والے جو دو

چار روز کے لیے شہر میں آجاتے تھے وہ ان مکانات میں ٹھہرائے جاتے تھے۔ کوفہ میں جو مہمان خانہ بنا اس کی نسبت علامہ بلاذری نے لکھا ہے امران متخذین یردمن الافاق دارا وکانوا ینزلونھا۔^(۱)

مدینہ منورہ کا مہمان خانہ 17 ہجری میں تعمیر ہوا۔ چنانچہ ابن حیان نے کتاب الثقات میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔

اس موقع پر یہ بتانا ضروری ہے کہ عمارتوں کی نسبت یہ نہیں خیال کرنا چاہیے کہ بڑی شان و شوکت کی ہوتی تھیں۔ اسلام فضول تکلفات کی اجازت نہیں دیتا۔ زمانہ بعد میں جو کچھ ہوا ہوا لیکن اس وقت تک اسلام بالکل اپنی سادہ اور اصلی صورت میں تھا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نہایت اہتمام تھا کہ یہ سادگی جانے نہ پائے۔ اس کے علاوہ اس وقت تک بیت المال پر حاکم وقت کو آزادانہ اختیارات حاصل نہ تھے۔ بیت المال تمام قوم کا سرمایہ سمجھا جاتا تھا۔ اور لوگ اس کا اصلی مصرف یہ سمجھتے تھے کہ چونا پتھر کی بجائے زیادہ تر آدمیوں کے کام آئے۔ یہ خیال مدتوں تک رہا۔ اور اسی کا اثر تھا کہ جب ولید بن عبد الملک نے دمشق کی جامع مسجد پر ایک رقم کثیر صرف کر دی تو عام ناراضگی پھیل گئی۔ اور لوگوں نے علانیہ کہا کہ بیت المال کے روپیہ کا یہ مصرف نہیں ہے۔ بہر حال حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں جو عمارتیں بنیں وہ عموماً اینٹ اور گارے کی تھیں۔ بصرہ کا ایوان حکومت بھی اسی حیثیت کا تھا۔ البتہ فوجی عمارتیں نہایت مضبوط اور مستحکم ہوتی تھیں۔^(۲)

سڑکوں اور پلوں کا انتظام

۱۔ (فتوح البلدان صفحہ 278)۔

۲۔ (فتح البلدان صفحہ 347)۔

سڑکوں اور پلوں کا انتظام اگرچہ نہایت عمدہ تھا لیکن براہ راست حکومت کے اہتمام میں نہیں تھا۔ مفتوحہ قوموں سے جو معاہدہ ہوتا تھا اس میں یہ شرط بھی ہوتی تھی کہ وہ سڑک اور پل وغیرہ اپنے اہتمام اور اپنے صرف سے بنوائے گی۔ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شام فتح کیا تو شرائط میں یہ امر بھی داخل تھا۔^(۱)

مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ تک چوکیاں اور سرائیں

مکہ معظمہ اگرچہ مدتوں سے قبلہ گاہ خلائق تھا لیکن اس کے راستے بالکل ویران اور بے آب تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ 17 ہجری میں جب مکہ معظمہ گئے تو ان کی اجازت سے مدینہ سے لے کر مکہ معظمہ تک ہر منزل پر چوکیاں، سرائیں اور چشمے تیار ہوئے۔ شاہ ولی اللہ صاحب ازالۃ الخفاء میں لکھتے ہیں کہ ”ازاں جملہ آنکہ سالے بقصد عمرہ بہ مکہ مکرمہ توجہ فرمود نزدیک مراجعت امر فرمود تا در منازل لے کہ مابین حرمین واقع اند سایہ ہاد پناہ ہا سازند و ہر چاہے کہ اپنا شتہ شدہ باشد آں را پاک کنند و صاف نمایند و در منازل کم آب چاہ ہا را کندہ تا بر حاج با ستراحت تمام قطع مراحل میسر شود۔“

شہروں کا آباد کرنا

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں جو جو شہر آباد ہوئے وہ جن جن ضرورتوں سے آباد ہوئے اور جو جو خصوصیتیں ان میں پیدا کی گئیں ان کے لحاظ سے ہر شہر تاریخ اسلام کا ایک صفحہ کہا جاسکتا ہے۔ ان میں بصرہ کو فدا ایک مدت تک اسلامی آثار کے منظر رہے۔ عربی

۱۔ (کتاب الخراج صفحہ 80 میں ہے۔ ولی ان علیہم ارشاد الفضل و بناء القناطر علی الاחר من اموالہم۔ تاریخ طبری و اقعات 16 ہجری صفحہ 240 میں سڑک اور پل دونوں کا ذکر ہے)۔

نحو کی بنیاد یہیں پڑی۔ نحو کے اصلی دارالعلوم یہی دوشہر تھے۔ حنفی فقہ جو آج تمام دنیا میں پھیلی ہوئی ہے اس کا سنگ بنیاد کوفہ میں ہی رکھا گیا۔ ان اسباب سے ان شہروں کی بنیاد اور آبادی کا حال تفصیل سے لکھنا ناموزوں نہ ہوگا۔

اس کتاب کے پہلے حصے میں ہم لکھ آئے ہیں کہ فارس اور ہند کے بحری حملوں سے مطمئن رہنے کے لیے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے 14 ہجری میں عتبہ بن غزو ان کو متعین کیا کہ بندرگاہ ایلہ کے قریب جہاں بحر فارس خلیج کے ذریعے سے ہندوستان و فارس کے جہاز لنگر کرتے تھے، ایک شہر بسائیں زمین کا موقع اور منظر خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بتایا تھا، عتبہ آٹھ سو آدمیوں کے ساتھ روانہ ہوئے اور خربہ میں آئے۔

بصرہ

جہاں بصرہ آباد ہے یہاں کف دست میدان پڑا ہوا تھا اور چونکہ زمین کنکر ملی تھی اور آس پاس پانی اور چارہ کا سامان نہ تھا۔ عرب کے مذاق کے بالکل موافق تھی۔ غرض عتبہ نے بنیاد کی داغ بیل ڈالی اور مختلف قبائل کے لیے الگ الگ احاطہ کھینچ کر گھاس اور پھونس کے مختصر مکانات بنوائے۔ عاصم بن ولف کو مقرر کیا کہ جہاں جہاں جس قبیلے کو اتارنا مناسب ہو اتاریں۔ خاص سرکاری عمارتیں جو تعمیر ہوئیں ان میں سے مسجد جامع اور ایوان حکومت جس کے ساتھ دفتر اور قید خانے کی عمارت بھی شامل تھی، زیادہ ممتاز تھا۔ 17 ہجری میں آگ لگی اور بہت سے مکانات جل گئے۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو اس وقت کوفہ کے گورنر تھے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس سفارت بھیجی اور اجازت طلب کی کہ پختہ عمارتیں بنائی جائیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منظور کیا۔ لیکن تاکید کی کہ کوئی

شخص ایک مکان تین کمروں شے زیادہ نہ بنائے۔^①

بصرہ تک نہر کاٹ کر لائی جائے۔ چنانچہ اس کا حال کسی قدر تفصیل کے ساتھ پبلک ورک کے بیان میں گزر چکا۔ بصرہ کی آبادی نہایت جلد ترقی کر گئی۔ یہاں تک کہ زیاد بن ابی سفیان کے زمان حکومت میں صرف ان لوگوں کی تعداد جن کے نام فوجی رجسٹر میں درج تھے۔ 80 ہزار اور ان کی آل اولاد ایک لاکھ 20 ہزار تھی۔

یہاں کی خاک کو علم و فضل سے جو مناسب تھی۔ اس کا اندازہ اس سے کرنا چاہیے کہ علوم عربیت کی بنیاد یہیں پڑی۔ دنیا میں سب سے پہلی کتاب جو عربی لغت میں لکھی گئی یہیں لکھی گئی جس کا نام کتاب العین ہے اور جو خلیل بصری کی تصنیف ہے۔ عربی علم عروض اور موسیقی کی بھی یہیں سے ابتداء ہوئی۔ علم نحو کا سب سے پہلا مصنف سیبویہ یہیں کا تعلیم یافتہ تھا۔ ائمہ مجتہدین میں سے حسن بصری یہیں کی خاک سے پیدا ہوئے۔

کوفہ

دوسرا شہر جو بصرہ سے زیادہ مشہور ہوا کوفہ تھا۔ مدائن وغیرہ جب فتح ہو چکے تو سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خط لکھا کہ یہاں رہ کر اہل عرب کا رنگ روپ بالکل بدل گیا۔ ایسی جگہ تلاش کرنا چاہیے جو بری و بحری دونوں حیثیت رکھتی

۱۔ (بصرہ کی وجہ تسمیہ عموماً اہل لغت یہ لکھتے ہیں کہ بصرہ عربی میں نرم پتھریلی زمین کو کہتے ہیں اور یہاں کی زمین اسی قسم کی تھی لیکن مخم البلدان میں ایک مجوسی فاضل کا جو قول نقل کیا ہے وہ زیادہ ترین قیاس ہے۔ اس کے نزدیک اصل میں یہ لفظ بس رہا تھا جس کے معنی فارس میں بہت سے راستوں کے ہیں۔ چونکہ یہاں سے بہت سی راہیں ہر طرف کو جاتی تھیں۔

اس لیے اہل عجم اس کو اس نام سے موسوم کرتے تھے۔ اس کی تصدیق زیادہ تر اس سے ہوتی ہے کہ آس پاس شاہان عرب نے جو عمارتیں تیار کرائی تھیں۔ اس کے نام بھی دراصل فارسی رکھے۔ مثلاً خورنق جو دراصل خود نگاہ ہے اور سردیر جو دراصل

سرد در ہے۔)

ہو۔ چنانچہ سلمان و حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے جو خالص اسی قسم کے کاموں پر مامور تھے۔ کوفہ کی زمین انتخاب کی۔ یہاں کی زمین ریتلی اور کنکریلی تھی اور اسی وجہ سے اس کا نام کوفہ رکھا گیا۔ اسلام سے پہلے نعمان بن منذر کا خاندان جو عراق عرب کا فرمانروا تھا۔ ان کا پائے تخت یہی مقام تھا اور ان کی مشہور عمارتیں خورنق اور سدیر وغیرہ اسی کے آس پاس واقع تھیں۔ منظر نہایت خوشنما اور دریائے فرات سے صرف ڈیڑھ دو میل کا فاصلہ تھا۔ اہل عرب اس مقام کو حد العذار یعنی عارض محبوب کہتے تھے کیونکہ وہ مختلف عمدہ قسم کے عربی پھولوں مثلاً اقوان، شقائق، فیصوم، خزامی کا چمن زار تھا۔ غرض 17 ہجری میں اس کی بنیاد شروع ہوئی اور جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تصریح کے ساتھ لکھا تھا۔ 40 ہزار آدمیوں کی آبادی کے قابل مکانات بنائے گئے۔ ہیا ج بن بالک کے اہتمام سے عرب کے جداجدا قبیلہ محلوں میں آباد ہوئے شہر کی وضع اور ساخت کے متعلق خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تحریری حکم آیا تھا کہ شارع ہائے عام 40، 40 ہاتھ اور اس سے گھٹ کر 30۔ 30 ہاتھ اور 20۔ 20 ہاتھ چوڑی رکھی جائیں اور گلیاں 7۔ 7 ہاتھ چوڑی ہوں۔ جامع مسجد کی عمارت جو ایک مربع بلند چبوترہ دے کر بنائی گئی اس قدر وسیع تھی، اس میں 40 ہزار آدمی آسکتے تھے۔ اس کے ہر چار طرف دور دور تک زمین کھلی چھوڑ دی گئی تھی۔

عمارتیں اول گھاس پھوس کی بنیں لیکن جب آگ لگنے کا واقعہ پیش آیا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اجازت دی اور اینٹ گارے کی عمارتیں تیار ہوئیں اور جامع مسجد کے آگے ایک وسیع سانبان بنا دیا گیا جو دو سو ہاتھ لمبا تھا۔ اور سنگ رخام کے ستونوں پر قائم کیا گیا تھا۔ جو نوشیروانی عمارت سے نکال کر لائے گئے تھے۔ اس موقع پر یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ باوجود اس کے کہ دراصل نوشیروانی عمارت کا کوئی وارث نہ تھا۔ اور اصول

سلطنت کے لحاظ سے اگر کوئی وارث ہو سکتا تھا تو خلیفہ وقت ہوتا تھا۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ عدل و انصاف تھا کہ مجوسی رعایا کو ان ستونوں کی قیمت ادا کی تھی۔ یعنی ان کی تخمینہ جو قیمت ٹھہری وہ ان کے جزیہ میں مجرا کی گئی۔ مسجد سے دو سو ہاتھ کے فاصلے پر ایوان حکومت تعمیر ہوا۔ جس میں بیت المال یعنی خزانے کا مکان شامل تھا۔ ایک مہمان خانہ بھی تعمیر کیا گیا۔ جس میں باہر کے آئے ہوئے مسافر قیام کرتے تھے اور ان کو بیت المال سے کھانا ملتا تھا۔

چند روز کے بعد بیت المال میں چوری ہو گئی۔ اور چونکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہر ہر جزئی واقعہ کی خبر پہنچتی تھی، انہوں نے سعد کو لکھا کہ ایوان حکومت مسجد سے ملا دیا جائے چنانچہ روز بہ نامی ایک پارسی معمار نے جو مشہور استاد تھا، اور تعمیرات کے کام پر مامور تھا، نہایت خوبی اور موزونی سے ایوان حکومت کی عمارت کر بڑھا کر مسجد سے ملا دیا۔ سعد نے روز بہ کو معہ اور کارایگروں کے اس صلے میں دربار خلافت روانہ کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی بڑی قدردانی کی اور ہمیشہ کے لیے روزینہ مقرر کر دیا۔ جامع مسجد کے سوا ہر قبیلے کے لیے جدا جدا مسجدیں تعمیر ہوئیں۔ جو قبیلے آباد کئے گئے ان میں یمن کے بارہ ہزار اور نزار کے آٹھ ہزار آدمی تھے۔ اور قبائل جو آباد کئے گئے، ان کے نام حسب ذیل ہیں۔ سلیم، ثقیف، ہمدان، بجیلہ، نیم اللات، تغلب، بنو اسد، نضج و کندہ، ازومزینہ، تمیم و محارب، اسد و عامر، بجالہ، جدیلہ و اخلاط جہینہ، مذحج، ہوازن وغیرہ وغیرہ۔

یہ شہر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں اس عظمت و شان کو پہنچا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کو اس الاسلام کے نام سے موسوم فرماتے تھے۔ اور درحقیقت وہ عرب کی طاقت کا اصلی مرکز بن گیا۔ زمانہ مابعد میں اس کی آبادی برابر ترقی کرتی گئی۔ لیکن یہ

خصوصیت قائم رہی کہ آباد ہونے والے عموماً عرب کی نسل سے ہوتے تھے۔ 64 ہجری میں مردم شماری ہوئی تو 50 ہزار گھر خاص قبیلہ بیعہ، مضر کے اور 24 ہزار قبائل کے تھے اور اہل یمن کے 6 ہزار گھر ان کے علاوہ تھے۔

زمانہ مابعد کی تغیرات اور ترقیوں نے اگرچہ قدیم آثار کو قائم نہیں رکھا تھا۔ تاہم یہ کچھ کم تعجب کی بات نہیں کہ بعض بعض عمارات کے نشانات زمانہ دراز تک قائم رہے۔ ابن بطوطہ جس نے آٹھویں صدی میں اس مقدس مقام کو دیکھا تھا اپنے سفر نامہ میں لکھتا ہے کہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو ایوان حکومت بنایا تھا اس کی بنیاد اب تک قائم ہے۔

اس شہر کی علمی حیثیت یہ ہے کہ فن نحو کی ابتدا یہیں ہوئیں۔ یعنی ابوالاسود داکلی نے اول اول نحو کے قواعد یہیں بیٹھ کر منضبط کئے۔ فقہ حنفی کی بنیاد یہیں پڑی۔ امام ابوحنیفہ صاحب رحمۃ اللہ نے قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ وغیرہ کی شرکت سے فقہ کی جو مجلس قائم کی وہ یہیں قائم کی۔ حدیث اور علوم عربیت کے بڑے بڑے ائمہ فن جو یہاں پیدا ہوئے ان میں ابراہیم نخعی، حماد، امام ابوحنیفہ، شعبی یادگار زمانہ تھے۔^(۱)

فسطاط

عمر بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب اسکندریہ فتح کر لیا تو یونانی جو کثرت سے وہاں آباد تھے عموماً شہر چھوڑ کر نکل گئے۔ ان مکانات کو خالی دیکھ کر عمرو بن العاص نے ارادہ کیا کہ اس کو مستقر حکومت بنائیں۔ چنانچہ دربار خلافت سے اجازت طلب کی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ دریا کے حائل ہونے سے بہت ڈرتے تھے۔ بصرہ کوفہ کی آبادی کے وقت افسروں کو لکھا کہ شہر جہاں بسایا جائے وہاں سے مدینہ تک دریا راہ میں نہ آئے۔

۱۔ (کوفہ و بصرہ کے حالات طبری، بلاذری اور معجم البلدان نے لئے گئے)۔

چونکہ اسکندریہ کی راہ میں دریائے نیل پڑتا تھا اس لیے اس کو مستقر ریاست بنانا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہ پسند نہ کیا۔ عمرو بن العاص اسکندریہ سے چل کر قصر الشمع میں آئے۔ یہاں ان کا وہ خیمہ اب تک اسی حالت سے کھڑا تھا جس کو وہ اسکندریہ کے حملے کے وقت خالی چھوڑ گئے تھے۔ چنانچہ اسی خیمے میں اترے اور وہیں نئی آبادی کی بنیاد ڈالی۔ ہر ہر قبیلے کے لیے الگ الگ احاطے کھینچے اور معاویہ بن خدیج، شریک بن شہمی، عمرو بن مخرم، حویل بن ناشرہ کو متعین کیا کہ جس قبیلے کو جہاں مناسب سمجھیں آباد کریں۔ جس قدر محلے اس وقت تھے اور جو قبائل ان میں آباد ہوئے ان کے نام علامہ مقریزی نے تفصیل سے لکھے ہیں۔ جامع مسجد خاص اہتمام سے بنی۔ عام روایت ہے کہ 80 صحابہ نے جمع ہو کر قبلہ کی سمت متعین کی۔ ان صحابہ میں زبیر، مقداد، عبادہ، ابو دردار رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور بڑے بڑے اکابر صحابہ شریک تھے۔ یہ مسجد 50 گز لمبی اور 30 گز چوڑی تھی۔ تین طرف دروازے تھے جن میں ایک دار الحکومت کے مقابل تھا۔ اور عمارتوں میں سات گز کا فاصلہ تھا۔ عمرو بن العاص نے ایک مکان خاص حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے تعمیر کرایا تھا۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لکھ بھیجا یہ میرے کس کام کا ہے تو وہاں بازار آباد کرایا گیا۔ چونکہ اس شہر کی آبادی خیمہ گاہ سے شروع ہوئی تھی اس لیے اس کا نام فسطاط پڑا جس کے معنی عربی میں خیمہ کے ہیں۔ آبادی کا سن 21 ہجری ہے۔

فسطاط کی وسعت آبادی

فسطاط نے نہایت جلد ترقی کی۔ اور اسکندریہ کی بجائے مصر کا صدر مقام بن گیا۔ امیر معاویہ کے زمانے میں 40 ہزار عرب کے نام دفتر میں قلمبند تھے۔ مؤرخ قضائی کا بیان ہے کہ ایک زمانہ میں یہاں 360 مسجدیں، 8 ہزار سڑکیں، 170 حمام تھے۔ اس کی

وسعت اور ہر قسم کے سروسامان کی کثرت کو مقریزی نے کئی صفحہ میں تفصیل سے لکھا ہے۔ مدت تک یہ شہر سلاطین مصر کا پائے تکت اور تمدن و ترقی کا مرکز رہا۔ علامہ بشاری جس نے چوتھی صدی میں دنیا کا سفت کیا اس شہر کی نسبت اپنے جغرافیہ میں لکھا ہے۔ فاسخ بغداد مفر الاسلام خزائنہ المغرب لیس فی الاسلام اکبر مجالس من جامعہ ولا احسن تجملامن اھلہ ولا اکثر مراکب من ساحلہ یعنی ”یہ شیر بغداد کا ناسخ مغرب کا خزانہ اور اسلام کا فخر ہے۔ تمام عالم اسلام میں یہاں سے زیادہ کسی جامع مسجد میں علمی مجلسیں نہیں ہوتیں نہ یہاں سے زیادہ کسی شہر کے ساحل پر جہازات لنگر ڈالتے ہیں۔“

موصل

موصل یہ مقام اسلام سے پہلے بھی موجود تھا۔ لیکن اس وقت اس کی حالت یہ تھی کہ ایک قلعہ اور اس کے پاس عیسائیوں کے چند معبد تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں شہر کی حیثیت سے آباد ہوا۔ ہرثمہ بن عرفجہ نے اس کی بنیاد رکھی اور قبائل عرب کے متعدد محلے آباد کئے۔ اک خاص جامع مسجد بھی تعمیر کرائی۔^(۱)

ملکی حیثیت سے یہ شہر ایک خاص حیثیت رکھتا ہے یعنی اس کے ذریعے مشرق اور مغرب کا ڈانڈا ملتا ہے اور شاید اسی مناسبت سے اس کا نام موصل رکھا گیا۔ یا قوت حموی نے لکھا ہے کہ یہ مشہور ہے کہ دنیا کے بڑے شہر تین ہیں۔ نیشاپور جو مشرق کا دروازہ ہے اور دمشق جو مغرب کا دروازہ ہے اور موصل جو مشرق و مغرب کی گزرگاہ ہے یعنی آدمی کسی طرف جانا چاہے تو اس کو یہاں سے گزرنا پڑتا ہے۔ اس شہر نے بھی رفتہ رفتہ نہایت ترقی کی۔ چنانچہ اس کی وسعت اور عظمت کے حالات معجم البلدان اور جغرافیہ بشاری وغیرہ میں تفصیل سے

ملتے ہیں۔

جیزہ

یہ ایک چھوٹا سا شہر ہے جو دریائے نیل کے غربی جانب فسطاط کے مقابل واقع ہے۔ عمرو بن العاص اسکندریہ کی فتح کے بعد فسطاط آئے۔ تو اس غرض کے لیے رومی دریا کی طرف نہ چڑھ آئیں، تھوڑی سی فوج اس مقام پر متعین کر دی جس میں حمیر اور ازد و ہمدان کے قبیلے کے لوگ تھے۔ فسطاط کی آبادی کے بعد عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان لوگوں کو بلالینا چاہا لیکن ان کو دریا کا منظر ایسا پسند آیا کہ وہ یہاں سے ہٹنا نہیں چاہتے تھے اور حجت یہ پیش کی کہ ہم جہاد کے لیے یہاں آئے تھے اور ایسے عمدہ مقصد کو چھوڑ کر اور کہیں نہیں جا سکتے۔ عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے حالات کی اطلاع حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دی۔ وہ اگرچہ دریا کے نام سے گھبراتے تھے لیکن مصلحت دیکھ کر اجازت دی اور ساتھ ہی یہ حکم بھیجا کہ ان کی حفاظت کے لیے ایک قلعہ تعمیر کیا جائے۔ چنانچہ 21 ہجری میں قلعہ کی بنیاد پڑی اور 22 ہجری میں بن کر تیار ہوا۔ یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جب قلعہ بنا شروع ہوا تو قبیلہ ہمدان نے کہا کہ ”ہم نامردوں کی طرح قلعہ کی پناہ میں نہیں رہنا چاہتے۔ ہمارا قلعہ ہماری تلوار ہے۔“ چنانچہ یہ قبیلہ اور ان کے ساتھ بعض اور قبیلوں نے قلعہ سے باہر کھلے میدان میں ڈیرے ڈال لئے اور ہمیشہ وہیں رہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی برکت سے یہ چھوٹا سا مقام بھی علمی حیثیت سے خالی نہیں رہا۔ چنانچہ بڑے بڑے محدث یہاں پیدا ہوئے۔ ان میں بعض کے نام معجم البلدان میں مذکور ہیں۔^(۱)

۱۔ (جیزہ کے متعلق مقریزی نے نہایت تفصیل سے کام لیا ہے۔)

صیغہ فوج

اسلام سے پہلے دنیا میں اگرچہ بڑی بڑی عظیم الشان سلطنتیں گزر چکی ہیں۔ جن کی بقیہ یادگاریں خود اسلام کے عہد میں بھی موجود تھیں۔ فوجی سسٹم جہاں جہاں تھا غیر منظم اور اصول سیاست کے خلاف تھا۔ روم کبیر میں جس کی سلطنت کسی زمانے میں تمام دنیا پر چھا گئی تھی، فوج کے انتظام کا یہ طریقہ تھا۔

فوجی نظام رومن ایمپائر میں

کہ ملک میں جو لوگ نام و نمود کے ہوتے تھے اور سپہ گری سپہ سالاری کا جو ہر رکھتے تھے۔ ان کو بڑی بڑی جاگیریں دی جاتی تھیں اور یہ عہد لیا جاتا تھا کہ جنگی مہمات کے وقت اس قدر فوج لے کر حاضر ہوں گے۔ یہ لوگ تمام ملک میں پھیلے ہوئے تھے اور خاص خاص تعداد کی فوجیں رکھتے تھے لیکن ان فوجوں کا تعلق براہ راست سلطنت سے نہیں ہوتا تھا۔ اور اس وجہ سے اگرچہ کبھی علم بغاوت بلند کر دیتے تھے تو ان کی فوج ان کے ساتھ ہو کر خود سلطنت کا مقابلہ کرتی تھی۔ اس طریقہ کا نام فیوڈل سسٹم تھا اور یہ فوجی افسر بیرونی کہلاتے تھے۔ اس طریقے نے یہ وسعت حاصل کی کہ بیرونی لوگ بھی اپنے نیچے اسی قسم کے جاگیردار اور علاقہ دار رکھتے تھے اور سلسلہ بسلسلہ بہت سے طبقے قائم ہو گئے تھے۔

فوجی نظام فارس میں

ایران میں بھی قریب قریب یہی دستور تھا۔ فارسی میں جن کو مرزبان اور دہقان کہتے ہیں وہ اسی قسم کے جاگیردار اور زمیندار تھے۔ اس طریقے نے روم کی سلطنت کو دراصل برباد کر دیا

تھا۔ آج عام طور پر مسلم کہ یہ نہایت برا طریقہ تھا۔

فوجی نظام فرانس میں

فرانس میں 511 عیسوی تک فوج کی تنخواہ یا روزینہ کچھ نہیں ہوتا تھا۔ فتح کی لوٹ میں جو مل جاتا تھا وہی قریعہ ڈال کر تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ اس زمانے کے بعد کچھ ترقی ہوئی تو وہی روم کا فیوڈل سسٹم قائم ہو گیا۔ چنانچہ اسلام کے بعد 741 عیسوی تک یہی طریقہ جاری رہا۔ عرب میں شاہان یمن وغیرہ کے ہاں فوج کا کوئی منظم بندوبست نہیں تھا۔ اسلام کے آغاز تک اس کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں صرف اس قدر ہوا کہ خلافت کے پہلے سال غنیمت سے جس قدر بچا وہ سب لوگوں کو دس دس روپے کے حساب سے تقسیم کر دیا گیا۔ دوسرے سال آمدنی زیادہ ہوئی تو یہ تعداد دس سے بیس تک پہنچ گئی۔ لیکن نہ فوج کی کچھ تنخواہ مقرر ہوئی، نہ اہل فوج کا کوئی رجسٹر بنا، نہ کوئی محکمہ جنگ قائم ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اوائل خلافت تک بھی یہی حال رہا۔ لیکن 15 ہجری میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس صیغے کو اس قدر منظم اور باقاعدہ کر دیا کہ اس وقت کے لحاظ سے تعجب ہوتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فوجی نظام

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے توجہ کرنے کے مختلف اسباب بیان کئے گئے ہیں۔ عام روایت میں یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو بحرین کے حاکم مقرر کئے گئے تھے۔ پانچ لاکھ درہم لے کر مدینہ آئے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کی اطلاع دی۔ پانچ لاکھ کی رقم اس وقت اس قدر عجوبہ چیز تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا

کہ خیر ہے! کہتے کیا ہو؟ انہوں نے پھر پانچ لاکھ کہا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا تم کو گنتی بھی آتی ہے؟ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ہاں، یہ کہہ کر پانچ دفعہ لاکھ لاکھ کہا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یقین آیا تو مجلس شوریٰ منعقد کی اور رائے پوچھی کہ اس قدر زر کثیر کیونکر صرف کیا جائے؟ حضرت علی، حضرت عثمان اور دیگر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے مختلف تجویزیں پیش کیں۔ ولید بن ہشام نے کہا کہ میں نے شام کے والیان ملک کو دیکھا ہے کہ ان کے ہاں فوج کا دفتر اور رجسٹر مرتب رہتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ رائے پسند آئی اور فوج کی اسم نویسی اور ترتیب دفتر کا خیال پیدا ہوا۔^(۱)

ایک دوسری روایت میں ہے کہ رائے دہندہ نے سلاطین عجم کا حوالہ دیا اور یہی روایت قرین قیاس ہے کیونکہ جب دفتر مرتب ہوا تو اس کا نام دیوان رکھا گیا۔ اور یہ فارسی لفظ ہے دبستان، دبیر، دفتر، دیوان سب ایک مادہ کے لفظ ہیں جن کا مشترک مادہ ”دب“ ایک پہلوی لفظ ہے جس کے معنی نگاہ رکھنے کے ہیں۔

تمام ملک کا فوج بنانا

بہر حال 15 ہجری میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فوج کا ایک مستقل محکمہ قائم کرنا چاہا۔ اس باب میں ان کی سب سے زیادہ قابل لحاظ جو تجویز تھی وہ تمام ملک کا فوج بنانا تھا، انہوں نے اس مسئلے کو کہ ہر مسلمان فوج اسلام کا ایک سپاہی ہے۔ باقاعدہ طور سے عمل میں لانا چاہا۔ لیکن چونکہ ابتداء میں ایسی تعلیم نہ تھی۔ اول قریش اور انصار سے شروع کیا۔ مدینہ منورہ میں اس وقت تین شخص بہت بڑے نساب اور حساب کتاب کے فن میں استاد تھے۔ مخرمہ بن نوفل، جبیر بن مطعم، عقیل بن ابی طالب علم الانساب عرب کا موروثی فن تھا اور

خاص کر یہ تینوں بزرگ اس فن کے لحاظ سے تمام عرب میں ممتاز تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو بلا کر یہ خدمت سپرد کی کہ تمام قریش اور انصار کا ایک دفتر تیار کریں جس میں ہر ایک کا نام و نسب مفصلاً درج ہو ان لوگوں نے ایک نقشہ بنا کر پیش کیا۔ جس میں سب سے پہلے بنو ہاشم پھر حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خاندان پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قبیلہ تھا۔ یہ ترتیب ان لوگوں نے خلافت و حکومت کے لحاظ سے قرار دی تھی۔ لیکن اگر وہ قائم رہتی تو خلافت خود غرضی کا آلہ کار بن جاتی۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ”یوں نہیں بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت داروں سے شروع کرو۔ اور درجہ بدرجہ لوگ جس قدر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دور ہوتے گئے ہیں۔ اسی ترتیب سے ان کا نام آخر میں لکھتے جاؤ۔ یہاں تک کہ جب میرے قبیلے تک نوبت آئے تو میرا نام بھی لکھو۔“

اس موقع پر یاد رکھنا چاہیے کہ خلفائے اربعہ میں سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نسب سب سے اخیر میں جا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتا ہے، غرض اس ہدایت کے موافق رجسٹر تیار ہوا۔ اور حسب ذیل تنخواہیں مقرر ہوئیں۔^(۱)

جو لوگ جنگ بدر میں شریک تھے۔ 5 ہزار درہم

مہاجرین حبش اور شرکائے جنگ احد۔ 4 ہزار درہم

فتح مکہ سے پہلے جن لوگوں نے ہجرت کی۔ ۳ ہزار درہم

جو لوگ فتح مکہ میں ایمان لائے۔ 2 ہزار درہم

۱۔ (تنخواہوں کی تفصیل میں مختلف روایتیں ہیں۔ میں نے کتاب الخراج صفحہ 24 و مقریزی جلد اول صفحہ 92 و بلاذری صفحہ 248 و یقوتی صفحہ 1175 و طبری صفحہ 2411 کے بیانات کو حتی الامکان مطابق کر کے لکھا ہے)۔

جو لوگ جنگ قادسیہ اور یرموک میں شریک تھے۔ 2 ہزار درہم

اہل یمن 4 سو درہم

قادسیہ اور یرموک کے بعد کے مجاہدین 3 سو درہم

بلا امتیاز مراتب 2 سو درہم

جن لوگوں کے نام درج دفتر ہوئے ان کی بیوی اور بچوں کی تنخواہیں مقرر ہوئیں۔ چنانچہ مہاجرین اور انصار کی بیویوں کی تنخواہ 200 سے 400 درہم تک اور اہل بدر کی اولاد ذکور کی دو ہزار درہم مقرر ہوئی۔ اس موقع پر یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جن لوگوں کی جو تنخواہ مقرر ہوئی ان کے غلاموں کی بھی وہی تنخواہ مقرر ہوئی۔ اور اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اسلام کے نزدیک غلاموں کا کیا درجہ تھا۔

جس قدر آدمی درج رجسٹر ہوئے (اس موقع پر ایک امر نہایت توجہ کے قابل ہے وہ یہ ہے کہ بہت سے ظاہر بینوں کا خیال ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تمام عرب کی جو تنخواہیں مقرر کیں اس کو فوجی صیغے سے چنداں تعلق نہیں بلکہ یہ رفاہ عام کی غرض سے تھا لیکن یہ نہایت غلط خیال ہے۔ اولاً جہاں مؤرخوں نے اس واقعہ کا شان نزول بیان کیا ہے لکھا ہے کہ ولید بن ہشام نے حضرت عمر سے کہا کہ قد ذہبت الشام فرایت ملوکھا تدونوا دیوانا و جندوا جنداً فدون دیوانا و جند جنداً فاخذ بقولہ۔ یعنی میں نے شام کے بادشاہوں کو دیکھا کہ وہ دفتر اور فوج رکھتے ہیں آپ بھی دفتر بنائے اور فوج مرتب کیجئے۔ چنانچہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ولید کے قول پر عمل کیا۔

دوسرے یہ کہ جن لوگوں سے جنگی خدمت نہیں لی جاتی تھی اور قدیم جنگی خدمتوں کا استحقاق بھی نہیں رکھتے تھے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کی تنخواہ نہیں مقرر کرتے تھے اسی بناء

پر مکہ کے لوگوں کو تنخواہ نہیں ملتی تھی۔ فتوح البلدان میں ہے ان عمر کا ن لا یعطی اهل مکة عطاء ولا یضرب علیہم بحث فتوح صفحہ 458۔ یہی وجہ تھی کہ جب صحرائین بدوؤں نے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے تنخواہ کی تقرری کی درخواست کی تو انہوں نے فرمایا کہ جب تک آبادی میں رہنے والوں کی تنخواہیں مقرر نہ ہو جائیں۔ صحرائینوں کا روزیہ نہیں مقرر ہو سکتا۔

البتہ اس میں شک نہیں کہ اول اول فوج کے رجسٹر میں اور بھی بہت سی قسم کے لوگ شامل تھے مثلاً جو لوگ قرآن مجید حفظ کر لیتے تھے یا کسی فن میں صاحب کمال تھے۔ لیکن استقراء سے معلوم ہوتا ہے کہ رفتہ رفتہ یہ غلط بحث جو بضرورت اختیار کیا گیا تھا مٹا گیا چنانچہ اس مضمون میں آگے اس کی بحث آتی ہے۔) اگرچہ سب درحقیقت فوج کی حیثیت رکھتے تھے۔ لیکن ان کی دو قسمیں قرار دی گئیں۔

(1) جو ہر وقت جنگی مہمات میں مصروف رہتے تھے گویا یہ فوج نظام یعنی باقاعدہ فوج تھی۔

(2) جو معمولاً اپنے گھروں میں رہتے تھے۔ لیکن ضرورت کے وقت طلب کئے جاسکتے تھے۔ ان کو عربی میں مطوعہ کہتے ہیں اور آج کل کی اصلاح میں اس قسم کی فوج کو والذیر کہا جاتا ہے۔ البتہ اتنا فرق ہے کہ آج کل والذیر تنخواہ نہیں پاتے۔

فوجی نظم و نسق کا یہ پہلا دیباچہ تھا اور اس وجہ سے اس میں بعض بے ترتیبیاں بھی تھیں۔ سب سے بڑا غلط بحث یہ تھا کہ تنخواہوں کے ساتھ پولیٹیکل تنخواہیں بھی شامل تھیں اور ان دونوں کا ایک ہی رجسٹر تھا۔ لیکن رفتہ رفتہ یعنی 21 ہجری میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس

صیغے کو اس قدر مرتب اور منظم کر دیا کہ غالباً اس عہد تک کہیں اور کبھی نہیں ہوا تھا۔ چنانچہ ہم ایک ایک جزئی انتظام کو اس موقع پر نہایت تفصیل سے لکھتے ہیں جس سے معلوم ہو گا کہ عرب کے ابتدائے تمدن میں انتظامات فوجی کی اس قدر شاخیں قائم کرنی اور ایک ایک شاخ کا اس حد تک مرتب اور باقاعدہ کرنا اسی شخص کا کام تھا جو فاروق اعظم کا لقب رکھتا تھا۔

اس صیغے میں سب سے مقدم اور اصولی انتظام، ملک کا جنگی حیثیت سے مختلف حصوں میں تقسیم کرنا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے 20 ہجری میں ملکی حیثیت سے ملک کی دو تقسیمیں کیں۔ ملکی اور فوجی، ملکی کا حال دیوانی انتظامات کے ذکر میں گزر چکا ہے۔

فوجی صدر مقامات

فوجی حیثیت سے چند بڑے بڑے فوجی مراکز قرار دیئے جن کا نام چند رکھا (جند کی تحقیقات کے لئے دیکھو فتوح البلدان صفحہ 32۔ مؤرخ یعقوبی نے واقعات 20ھ میں لکھا ہے کہ اس سال حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فوجی صدر مقامات قائم کئے۔ لیکن مؤرخ مذکور نے صرف فلسطین، جزیرہ، موصل اور قفسرین کا نام لکھا ہے۔ یہ صریح غلطی ہے)۔ اور یہی اصطلاح آج تک قائم ہے۔ ان کی تفصیل یہ ہے۔ کوفہ، بصرہ، موصل، فسطاط، مصر، دمشق، حمص، اردن، فلسطین۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں فتوحات کی حد اگرچہ بلوچستان کے ڈانڈے سے مل گئی تھی۔

لیکن جو ممالک آئینی ممالک کہے جاسکتے تھے۔ وہ صرف عراق، مصر، جزیرہ اور شام تھے۔ چنانچہ اسی اصول پر فوجی صدر مقامات بھی انہی ممالک میں قائم کئے گئے۔ موصل جزیرہ کا صدر مقام تھا۔ شام کی وسعت کے لحاظ سے وہاں متعدد صدر مقام قائم کرنے ضروری تھے

اس لئے دمشق، فلسطین، حمص، اردن چار صدر مقام قرار دیئے۔ فسطاط کی وجہ سے جواب قاہرہ سے بدل گیا ہے۔ تمام مصر پر اثر پڑتا تھا۔ بصرہ، کوفہ، یہ دو شہر فارس اور خوزستان اور تمام مشرق کی فتوحات کے دروازے تھے۔ ان صدر مقامات میں جو انتظامات فوج کے لئے تھے وہ حسب ذیل تھے۔

فوجی بارکیں

فوجوں کے رہنے کے لیے بارکیں تھیں۔ کوفہ، بصرہ، فسطاط، یہ تینوں شہر تو دراصل فوج کے قیام اور بود و باش کے لئے ہی آباد کئے گئے تھے۔ موصل میں عجمیوں کے زمانے کا ایک قلعہ چند گرجے اور معمولی مکانات تھے۔ ہرثمہ بن عرقبہ ازدی (گورنر موصل) نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہدایت کے بموجب داغ بیل ڈال کر اس کو شہر کی صورت میں آباد کیا۔ اور عرب کے مختلف قبیلوں کے لیے جدا جدا محلے بسائے۔

گھوڑوں کی پرداخت

ہر جگہ بڑے اصطلبل خانے تھے جن میں چار چار ہزار گھوڑے ہر وقت ساز و سامان کے ساتھ رہتے تھے۔ یہ صرف اس غرض سے مہیا رکھتے جاتے تھے کہ دفعۃً ضرورت پیش آ جائے تو 32 ہزار سواروں کا رسالہ تیار ہو جائے۔^(۱)

17 ہجری میں جزیرہ والوں نے دفعتاً بغاوت کر دی تو یہی تدبیر کلید ظفر ٹھہری۔ ان گھوڑوں

۱۔ (تاریخ طبری صفحہ 2504 میں ہے کان لعمرا ربعة الاف فرس عدة لکون ان کان یشتہانی قبلۃ قصر الکوفۃ وبالبحرہ نحو

منصا قیم علیہما جزین معاویہ بنی کل مصر من الامصار الشامیۃ علی قدرہا فاننا نھتم فاقبہ ركب قوم ولقد موالی ان یستعد

کی پرداخت اور ترتیب میں نہایت اہتمام کیا جاتا تھا۔ مدینہ منورہ کا انتظام حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خود اپنے اہتمام میں رکھا تھا۔ شہر سے چار منزل پر ایک چراگاہیں تیار کرائی تھی (حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے گھوڑوں اور اونٹوں کی پرورش اور پرداخت کے لئے عرب میں متعدد چراگاہیں تیار کرائیں تھیں۔ سب سے بڑی چراگاہ ربذہ میں تھی جو مدینہ منورہ سے چار منزل کے فاصلے پر جندے کے ضلع میں واقع ہے۔ یہ چراگاہ دس میل لمبی اور اسی قدر چوڑی تھی اور دوسری مقام ضریہ میں تھی جو مکہ معظمہ سے سات منزل پر ہے۔ اس کی وسعت ہر طرف سے چھ میل تھی۔ اس میں تقریباً چالیس ہزار اونٹ پرورش پاتے۔ ان چراگاہوں کو پوری تفصیل خلاصۃ الوفا باخبار دارالمصطفیٰ مطبوعہ مصر صفحہ 255 تا 256 میں ہے۔) اور خود اپنے غلام کو جس کا نام ہنی تھا اس کی حفاظت اور نگرانی کے لئے مقرر کیا تھا۔ ان گھوڑوں کی رانوں پر داغ کے ذریعے سے یہ الفاظ لکھتے جاتے تھے۔ جیش فی سبیل اللہ۔^(۱)

کوفہ میں اس کا اہتمام سلمان بن ربیعہ الباہلی سے متعلق تھا جو گھوڑوں کی شناخت اور پرداخت میں کمال رکھتے تھے۔ یہاں تک کہ ان کے نام میں یہ خصوصیت داخل ہو گئی تھی اور سلمان الخیل نام سے پکارے جاتے تھے۔ جاڑوں میں یہ گھوڑے اصطبل خانے میں رکھے جاتے تھے۔ چنانچہ چوتھی صدی تک یہ جگہ آری کے نام سے مشہور تھی جس کے معنی اصطبل خانے کے ہیں اور اسی لحاظ سے عجمی اس کو آخور شاہ کہتے تھے۔ بہار میں یہ گھوڑے ساحل فرات پر عاقوں کے قریب شاداب چراگاہوں میں چرائے جاتے۔ سلمان ہمیشہ گھوڑوں کی ترتیب میں نہایت کوشش کرتے تھے اور ہمیشہ سال میں ایک دفعہ گھوڑ دوڑ بھی

کراتے تھے۔

خاص کر عمدہ عمدہ نسل کے گھوڑوں کو انہوں نے نہایت ترقی دی۔ اس سے پہلے اہل عرب، نسل میں ماں کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ سب سے پہلے سلمان نے یہ امتیاز قائم کیا۔ چنانچہ جس گھوڑے کی مان عربی نہیں ہوتی تھی دوغلا قرار دے کر تقسیم غنیمت میں سوار کو حصہ سے محروم کر دیتے تھے۔^(۱)

بصرہ کا اہتمام جزر بن معاویہ سے متعلق تھا جو صوبہ اہواز کے گورنر رہ چکے تھے۔

فوج کا دفتر

فوج کے متعلق ہر قسم کے کاغذات اور دفتری انہی مقامات میں رہتا تھا۔

رسد کا غلہ

رسد کے لئے جو غلہ اور اجناس مہیا کی جاتی تھیں وہ انہی مقامات میں رکھی جاتی تھیں۔ اور یہیں سے اور مقامات کو بھیجی جاتی تھیں۔

فوجی چھاؤنیاں

ان صدر مقامات کے علاوہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بڑے بڑے شہروں اور مناسب مقامات میں نہایت کثرت سے فوجی چھاؤنیاں قائم کیں اور عرب کو تمام ممالک مفتوحہ میں پھیلا دیا۔ اگرچہ یہ ان کا عام اصول تھا کہ جو شہر فتح ہوتا تھا اسی وقت ایک مناسب تعداد کی فوج وہاں متعین کر دی جاتی تھی جو وہاں سے ملتی نہ تھی۔ چنانچہ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب شام فتح کیا تو ہر ضلع میں ایک عامل مقرر کیا جس کے ساتھ ایک

۱۔ (کتب رجال میں سلمان بن ربیعہ کا تذکرہ دیکھو)۔

معتد بہ فوج رہتی تھی لیکن امن وامان قائم ہونے پر بھی کوئی بڑا ضلع یا شہر ایسا نہ تھا جہاں فوجی سلسلہ قائم نہیں کیا گیا۔

17 ہجری میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب شام کا سفر کیا تو ان مقامات میں جہاں ملک کی سرحد دشمن ملک سے ملتی تھی، یعنی دلوک فج، رعیان، قورس، تیزین، انطاکیہ وغیرہ (عربی میں ان کو فروج یا ثغور کہتے ہیں) ایک ایک شہر کا دورہ کیا اور ہر قسم کا فوجی نظم و نسق اور مناسب انتظامات کئے جو مقامات دریا کے کنارے پر واقع تھے وہ بلاد ساحلیہ کہلاتے تھے۔ یعنی عسقلان، یا قاقیساریہ، ارسوف، عکا، صور، بیروت، طرطوس، صعیدا، ایاس لاذقیہ، چونکہ رومیوں کی بحری طاقت کی زد پر تھے اس لئے ان کا مستقل جداگانہ انتظام کیا اور اس کا افسر کل عبداللہ بن قیس کو مقرر کیا۔ بالس چونکہ غربی فرات کے ساحل پر تھا اور عراق سے ہمسرح تھا، وہاں فوجی انتظام کے ساتھ اس قدر اضافہ کیا کہ شامی عرب جو اسلام قبول کر چکے تھے آباد کئے۔^①

19 ہجری میں جب یزید بن ابی سفیان کا انتقال ہوا تو ان کے بھائی معاویہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اطلاع دی کہ سواحل شام پر زیادہ تیاری کی ضرورت ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی وقت حکم بھیجا کہ تمام قلعوں کی نئے سرے سے مرمت کرائی جائے اور ان میں فوجیں مرتب کی جائیں۔ اس کے ساتھ تمام دریائی منظرگاہوں پر پہرہ والے تعینات کئے جائیں اور آگ روشن رہنے کا انتظام کیا جائے۔^②

۱۔ (فتوح البلدان صفحہ 150 میں ہے ورتب ابو عبیدہ بالس جماعة من القسطلیة واسکنھا قوما من العرب الذین کانوا بالشام فاسلموا بعد قدوم المسلمین الشام)۔

۲۔ (فتوح البلدان صفحہ 128 میں ہے۔ ان معاویہ کتب الی عمر بن الخطاب بعد موت اخیه یزید لئلا یحلل السواحل فکتب الیہ فی مرمة حصونها اور ترتیب القسطلیة فیھا واقامة الحرس علی مناظرھا واتخاذ المواقید لھا)۔

اسکندریہ میں یہ انتظام تھا کہ عمرو بن العاص کی افسری میں جس قدر فوجیں تھیں اس کی ایک چوتھائی اسکندریہ کے لئے مخصوص تھی۔ ایک چوتھائی ساحل کے مقامات میں رہتی تھی۔ باقی آدھی فوج خود عمرو بن العاص کے ساتھ فسطاط میں اقامت رکھتی تھی۔ یہ فوجیں بڑے بڑے وسیع ایوانوں میں رہتی تھیں اور ہر ایوان میں ان کے ساتھ ایک عریف رہتا تھا جو ان کے قبیلہ کا سردار ہوتا تھا اور جس کی معرفت ان کو تنخواہیں تقسیم ہوتی تھیں۔ ایوانوں کے آگے صحن کے طور پر وسیع افتادہ زمین ہوتی تھی۔^(۱)

16 ہجری میں جب ہرقل نے دریا کی راہ سے مصر پر حملہ کرنا چاہا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تمام سواحل پر فوجی چھاؤنیاں قائم کر دیں۔ یہاں تک کہ عمرو بن العاص کی ماتحتی میں جس قدر فوج تھی اس کی ایک چوتھائی انہی مقامات کے لیے مخصوص کر دی۔^(۲)

عراق میں بصرہ کو فہ اگرچہ محفوظ مقامات تھے چنانچہ خاص کو فہ میں چالیس ہزار سپاہی ہمیشہ رہتے تھے اور انتظام یہ تھا کہ ان میں سے 10 ہزار بیرونی مہمات میں مصروف رکھے جائیں۔^(۳)

تاہم ان اضلاع میں عجمیوں کی جو فوجی چھاؤنیاں پہلے سے موجود تھیں، از سر نو تعمیر کر کے فوجی قوت سے مضبوط کر دی گئیں۔ خربہ اور زابوقہ میں سات چھوٹی چھوٹی چھاؤنیاں تھیں

۱۔ (مقریزی جلد اول صفحہ 167 میں ہے وکان لکل عریف قصر یزل بمن معہ من اصحابہ اتخذوا فیہ اخایذ)۔

۲۔ (تاریخ طبری صفحہ 2523۔ اصل عبارت یہ ہے۔ قسم عمر الارزاق و می الشواقی والصنواف وسد فوج الشام و سالحا و اخذور بھا و می ذلک فی کل کورۃ واستعمل عبداللہ بن قیس علی السواحل من کل کورۃ)۔

۳۔ (تاریخ طبری صفحہ 2805 میں ہے وکان بالکوفۃ اذ ذاک اربعون الف مقاتل وکان یغزو حدین الثفرین (ای الری واذر بیجان) ہم عشرۃ الاف فی کل سنۃ کان الرجل یصیب فی کل الریح سنین غزوۃ)

وہ سب نئے سرے سے تعمیر کر دی گئیں۔ (فتوح البلدان صفحہ 350)۔ صوبہ خوزستان میں نہایت کثرت سے فوجی چھاؤنیاں قائم کی گئیں۔ چنانچہ نہر تیری، مناذر، سوق الہواز، سرق، ہرمزان، سوس، بنیان، جندی، ساہور، مہر، جاندق یہ تمام فوجوں سے معمور ہو گئے (طبری صفحہ 2650)۔ رے اور آذر بائیجان کی چھاؤنیوں میں ہمیشہ 10 ہزار فوجیں موجود رہتی تھیں۔

اسی طرح اور سینکڑوں چھاؤنیاں جا بجا قائم کی گئیں جن کی تفصیل کی چنداں ضرورت نہیں۔ البتہ اس موقع پر بات لحاظ کے قابل ہے کہ اس سلسلے کو اس قدر وسعت کیوں دی گئی تھی۔ اور فوجی مقامات کے انتخاب میں کیا اصول ملحوظ تھے؟ اصل یہ ہے کہ اس وقت اسلام کی فوجی قوت نے اگرچہ بہت زور اور وسعت حاصل کر لی تھی لیکن بحری طاقت کا کچھ سامان نہ تھا، ادھر یونانی مدت سے اس فن میں مشاق ہوتے آتے تھے۔ اس وجہ سے شام، مصر میں اگرچہ کسی اندرونی بغاوت کا کچھ اندیشہ نہ تھا۔ کیونکہ اہل ملک باوجود اختلاف مذہب کے مسلمانوں کو عیسائیوں سے زیادہ پسند کرتے تھے۔ لیکن رومیوں کے بحری حملوں کا ہمیشہ کھٹکا لگا رہتا تھا۔ اس کے ساتھ ایشیائے کوچک ابھی تک رومیوں کے قبضے میں تھا اور وہاں ان کی قوت کو کوئی صدمہ نہیں پہنچا تھا۔ ان وجوہ سے ضرورتی تھا کہ سرحدی مقامات اور بندرگاہوں کو نہایت مستحکم رکھا جائے۔

فوجی چھاؤنیاں کس اصول پر قائم تھیں؟

یہی وجہ تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جس قدر فوجی چھاؤنیاں قائم کیں انہیں مقامات میں کیں جو ساحل پر واقع تھے یا ایشیائے کوچک کے ناکے پر تھے۔ عراق کی حالت اس سے مختلف تھی کیونکہ وہاں سلطنت کے سوا ملک کے بڑے بڑے رئیس جو

مرزبان کہلاتے تھے اپنی بقائے ریاست کے لئے لڑتے رہتے تھے اور دب کر مطیع بھی ہو جاتے تھے لیکن ان کی اطاعت پر اطمینان نہیں ہو سکتا تھا۔ اس لئے ان ممالک میں ہر جگہ فوجی سلسلہ کا قائم رکھنا ضروری تھا کہ مدعیان ریاست بغاوت کا خواب نہ دیکھنے پائیں۔

فوجی دفتر کی وسعت

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سلسلے کے ساتھ انتظامات کے اور صیغوں پر بھی توجہ کی اور ایک ایک صیغہ کو اس قدر منظم کر دیا کہ اس وقت کے تمدن کے لحاظ سے ایک معجزہ سا معلوم ہوتا ہے۔ فوجوں کی بھرتی کا دفتر جس کی ابتداء مہاجرین اور انصار سے ہوئی تھی وسیع ہوتے ہوتے قریباً تمام عرب کو محیط ہو گیا۔ مدینہ سے عسفان تک جو مکہ معظمہ سے دو منزل ادھر ہے، جس قدر قبائل آباد تھے ایک ایک کی مردم شماری ہو کر رجسٹر بنے۔ بحرین جو عرب کا انتہائی صوبہ ہے بلکہ عرب کے جغرافیہ نویس اس کو عراق کے اضلاع میں شمار کرتے ہیں، وہاں کے تمام قبائل کا دفتر تیار کیا گیا۔ کوفہ، بصرہ، موصل، فسطاط، حیرہ وغیرہ میں جس قدر عرب آباد ہو گئے تھے سب کے رجسٹر مرتب ہوئے۔ اس بے شمار گروہ کی علی قدر مراتب تنخواہیں مقرر کی گئیں۔ اور اگرچہ ان سب کا مجموعی شمار تاریخوں سے معلوم نہیں ہوتا، تاہم قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ کم سے کم آٹھ دس لاکھ ہتھیار بند آدمی تھے۔

ہر سال 30 ہزار نئی فوج تیار ہوتی تھی

ابن سعد کی روایت ہے کہ ہر سال 30 ہزار نئی فوج فتوحات پر بھیجی جاتی تھی۔ کوفہ کی نسبت علامہ طبری نے تصریح کی ہے کہ وہاں ایک لاکھ آدمی لڑنے کے قابل بسائے گئے جن میں سے 40 ہزار باقاعدہ فوجی تھے یعنی ان کو باری باری سے ہمیشہ رے اور آذر بائیجان کی

مہمات میں حاضر رہنا ضروری تھا۔

یہی نظام تھا جس کی بدولت ایک مدت تک تمام دنیا پر عرب کا رعب و داب قائم رہا۔ اور فتوحات کا سیلاب برابر بڑھتا گیا۔ جس قدر اس نظام میں کمی ہوتی گئی عرب کی طاقت میں ضعف آتا گیا۔ سب سے پہلے امیر معاویہ نے اس میں تبدیلی کی یعنی شیر خوار بچوں کی تنخواہ بند کر دی۔ عبدالملک بن مروان نے اور بھی اس کو گھٹایا اور معتمد باللہ نے سرے سے فوجی دفتر میں سے عرب کے نام نکال دیئے اور اسی دن درحقیقت حکومت بھی عرب کے ہاتھ سے نکل گئی۔

یہ ایک اتفاقیہ جملہ بیچ میں آ گیا تھا۔ ہم پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فوجی نظام کی طرف واپس آتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فوجی دفتر کو یہاں تک وسعت دی کہ اہل عجم بھی اس میں داخل کئے گئے۔

فوج میں عجمی رومی ہندوستانی اور یہودی داخل تھے

یزدگرد شاہنشاہ فارس نے ویلم کی قوم سے ایک منتخب دستہ تیار کیا تھا جس کی تعداد چار ہزار تھی اور چند شاہنشاہ یعنی فوج خاصہ کہلاتا تھا۔ یہ فوج قادیسیہ میں کئی معرکوں کے بعد ایرانیوں سے علیحدہ ہو کر اسلام کے حلقے میں آ گئی۔ سعد ابن ابی وقاص گورنر کوفہ نے ان کو فوج میں داخل کر لیا اور کوجہ میں آباد کر کے ان کی تنخواہیں مقرر کر دیں۔ چنانچہ اسلامی فتوحات میں ان کا نام بھی جا بجا تاریخوں میں آتا ہے۔ یزدگرد کی فوج ہراول کا سردار ایک بڑا نامی افسر تھا جو سیاہ کے لقب سے پکارا جاتا تھا۔^①

17 ہجری میں یزدگرد اصفہان کو روانہ ہوا تو سپاہ کو تین سو سواروں کے ساتھ جن میں ستر

بڑے نامی پہلوان تھے، اصطخر کی طرف بھیجا کہ ہر شہر سے چند بہادر منتخب کر کے ایک دستہ تیار کرے۔ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب 20 ہجری میں سوس کا محاصرہ کیا تو یزدگرد نے سپاہ کو حکم دیا کہ اس چیدہ رسالے کے ساتھ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقابلے کو جائے۔ سوس کی فتح کے بعد سپاہ نے مع تمام سرداروں کے ابو موسیٰ سے چند شرائط کے ساتھ امن کی درخواست کی۔ ابو موسیٰ گوان شرائط پر راضی نہ تھے لیکن کیفیت واقعہ سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اطلاع دی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لکھ بھیجا کہ تمام شرائط منظور کر لئے جائیں۔ چنانچہ۔۔۔۔۔ وہ سب کے سب بصرہ میں آباد کئے گئے اور فوجی دفتر میں نام لکھا کر ان کی تنخواہیں مقرر ہو گئیں۔ ان میں سے چھ افسروں کے جن کے نام یہ تھے، سیاہ، خسرو، شہریار، شیرویہ، افرو دین کی ڈھائی ڈھائی ہزار اور سو بہادروں کی دو ہزار تنخواہ مقرر ہوئی۔ تستر کے معرکے میں سیاہ ہی کی تدبیر سے فتح حاصل ہوئی۔^۱

باذان، نوشیروان کی طرف سے یمن کا گورنر تھا۔ اس کی رکاب میں جو ایرانی فوج تھی، ان میں سے اکثر مسلمان ہو گئے۔ ان کا نام بھی دفتر میں لکھا گیا۔ تعجب یہ ہے کہ فاروقی لشکر ہندوستان کے بہادروں سے بھی خالی نہ تھا۔ سندھ کے جاٹ جن کو اہل عرب زط کہتے تھے، یزدگرد کے لشکر میں شامل تھے۔ سوس کے معرکے کے بعد وہ اسلام کے حلقہ بگوش ہوئے اور فوج میں بھرتی ہو کر بصرہ میں آباد کئے گئے۔^۲

یونانی اور رومی بہادر بھی فوج میں شامل تھے چنانچہ فتح مصر میں ان میں سے پانچ سو آدمی

۱۔ (طبری واقعات 17 ہجری ذکر فتح سوس و فتوح البلدان از صفحہ 272 تا 275)۔

۲۔ (فتوح البلدان صفحہ 275)

شریک جنگ تھے اور جب عمرو بن العاص نے فسطاط آباد کیا تو یہ جداگانہ محلے میں آباد کئے گئے۔ یہودیوں سے بھی یہ سلسلہ خالی نہ تھا، چنانچہ مصر کی فتح میں ان میں سے ایک ہزار آدمی اسلامی فوج میں شریک تھے۔^(۱)

غرض حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صیغہ جنگ کو جو وسعت دی تھی اس کے لئے کسی قوم اور کسی ملک کی تخصیص نہ تھی۔ یہاں تک کہ مذہب و ملت کی بھی کچھ قید نہ تھی۔ والٹیر فوج میں تو ہزاروں مجوسی شامل تھے جن کو مسلمانوں کے برابر مشاہرے ملتے تھے۔ فوجی نظام میں بھی مجوسیوں کا پتہ ملتا ہے۔ چنانچہ اس کی تفصیل غیر قوموں کے حقوق کے ذکر میں آئے گی۔ لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ صیغہ جنگ کی یہ وسعت جس میں تمام قوموں کو داخل کیا گیا تھا، صرف اسلام کی ایک فیاضی تھی۔ ورنہ فتوحات ملکی کے لئے عرب کو اپنی تلوار کے سوا اور کسی کا کبھی ممنون ہونا نہیں پڑا۔ البتہ اس سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ جس قوموں سے مقابلہ تھا انہی کے ہم قوموں کو ان سے لڑنا فن جنگ کا بڑا اصول تھا۔

کہ خرگوش ہر مزر را بے شکفت

سگ آں ولایت تو اند گرفت

جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ ابتدائے انتظام میں فوجی صیغہ صاف صاف جداگانہ حیثیت نہیں رکھتا تھا۔ یعنی جو لوگ اور حیثیت سے تنخواہیں پاتے تھے، ان کے نام بھی فوجی رجسٹر میں درج تھے اور اس وقت یہی مصلحت تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اب یہ پردہ بھی اٹھا دینا چاہا۔ شروع شروع میں تنخواہ کی کمی بیشی میں قرآن خوانی کے وصف کا بھی لحاظ ہوتا تھا لیکن چونکہ اس کو فوجی امور سے کچھ تعلق نہ تھا، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو

صیغہ تعلیم کر کے اس دفتر سے الگ کر دیا۔ چنانچہ سعد بن ابی وقاص کو یہ الفاظ لکھ بھیجے "لا لفظ علی القرآن احداً۔"

تنخواہوں میں ترقی

اس کے بعد تنخواہوں کی ترقی کی طرف توجہ کی۔ چونکہ وہ فوج کو زراعت، تجارت اور اس قسم کے تمام اشغال سے بزور بازو رکھتے تھے، اس لئے ضروری تھا کہ ان کی تمام ضروریات کی کفالت کی جائے۔ اس لحاظ سے تنخواہوں میں کافی اضافہ کیا۔ ادنیٰ سے ادنیٰ شرح جو 200 سالانہ تھی 300 کر دی۔ افسروں کی تنخواہ سات ہزار سے لے کر دس ہزار تک بڑھا دی۔ بچوں کی تنخواہ دودھ چھوڑنے کے بعد سے مقرر ہوتی تھی۔ اب حکم دے دیا کہ پیدا ہونے کے دن سے مقرر کر دی جائے۔

رسد کا انتظام

رسد کا بندوبست پہلے صرف اس قدر تھا کہ فوجیں مثلاً قادسیہ میں پہنچیں تو آس پاس کے دیہات پر حملہ کر کے جنس اور غلہ لوٹ لائیں۔ البتہ گوشت کا بندوبست دار الخلافہ سے تھا۔ یعنی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ منورہ سے بھیجا کرتے تھے۔^①

پھر یہ انتظام ہوا کہ مفتوح قوموں سے جزیہ کے ساتھ فی کس 25 اٹار غلہ لیا جاتا تھا۔ مصر میں غلہ کے ساتھ روغن زیتون، شہد اور سرکہ بھی وصول کیا جاتا تھا جو سپاہیوں کے سالن کا کام دیتا تھا۔ جزیہ میں بھی یہی انتظام تھا۔ لیکن اس میں رعایا کو زحمت ہوتی تھی۔ چنانچہ

۱۔ (فتوح البلدان صفحہ 256، اصل عبارت یہ ہے فاذا احتاجوا الى العلف والطعام اخرجوا۔ حلولا في البر فاغارت على اسفل الفرات وكان عمر يبعث اليهم من المدينة النعم والجوز)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آخر اس کے بجائے نقدی مقرر کر دی۔ جس کو رعایا نے نہایت خوشی سے قبول کیا۔^(۱)

رسد کا مستقل محکمہ

رفتہ رفتہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسد کا ایک مستقل محکمہ قائم کیا جس کا نام اہراء تھا چنانچہ شام میں عمر بن عتبہ اس محکمے کے افسر مقرر ہوئے۔ اہراء ہری کی جمع ہے۔ ہری ایک یونانی لفظ ہے۔ جس کے معنی گودام کے ہیں۔ چونکہ رسد کے یکجا جمع ہونے اور وہاں سے تقسیم ہونے کا یہ طریقہ یونانیوں سے لیا گیا تھا اس لئے نام میں بھی وہی یونانی لفظ قائم رہا۔ تمام جس اور غلہ ایک وسیع گودام میں جمع ہوتا تھا۔ اور مہینے کی پہلی تاریخ فی سپاہی 1 من اثار کے حساب سے تقسیم ہوتا تھا۔ اس کے ساتھ فی کس 2 اثار روغن زیتون اور 2 اثار سرکہ بھی ملتا تھا۔ اس کے بعد اور بھی ترقی ہوئی یعنی خشک اجناس کی بجائے پکا پکا یا کھانا ملتا تھا۔^(۲)

خوراک، کپڑا اور بھتہ

چنانچہ مؤرخ یعقوبی نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سفر کے ذکر میں اس کی تصریح کی ہے۔ تنخواہ اور خوراک کے علاوہ کپڑا بھی دربار خلافت سے ملتا تھا۔ جس کی تفصیل وردی کے باب میں آئے گی۔ ان تمام باتوں کے ساتھ بھتہ بھی مقرر تھا جس کو عربی میں مغوتہ کہتے ہیں۔ سواری کا گھوڑا سواروں کو اپنے اہتمام سے تیار کرنا ہوتا تھا۔ لیکن جو شخص کم سرمایہ ہوتا تھا اور اس کی تنخواہ بھی نا کافی ہوتی تھی۔ اس کو حکومت کی طرف سے گھوڑا ملتا تھا۔ چنانچہ

۱۔ (فتوح البلدان صفحہ 216178)

۲۔ (تاریخ طبری صفحہ 265۔ اہرا کے معنی اور مفہوم کے لئے دیکھو لسان العرب اور فتوح البلدان صفحہ 20۔)

خاص اس غرض کے لئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حکم سے خود دار الخلافہ میں چار ہزار گھوڑے ہر وقت موجود رہتے تھے۔^۱

تنخواہ کی تقسیم کا طریقہ

بھتہ و تنخواہ وغیرہ کی تقسیم کے اوقات مختلف تھے۔ شروع محرم میں تنخواہ، فصل بہار میں بھتہ اور فصل کے کٹنے کے وقت خاص خاص جاگیروں کی آمدنی تقسیم ہوتی تھی۔^۲

تنخواہ کی تقسیم کی یہ طریقہ تھا کہ ہر قبیلہ کے ساتھ ایک عریف یعنی مقدم یا رئیس ہوتا تھا۔ فوجی افسر جو کم سے کم 1010 سپاہیوں پر افسر ہوتے تھے اور جو امراء الاعشار کہلاتے تھے، تنخواہ دی جاتی تھی۔ وہ عریف کے حوالے کرتے تھے اور عریف اپنے قبیلہ کے سپاہیوں کے حوالے کرتے تھے۔ ایک ایک عریف سے متعلق ایک ایک لاکھ درہم کی تقسیم تھی۔ چنانچہ کوفہ، بصرہ میں سو عریف تھے۔ جن کے ذریعے سے ایک کروڑ کی رقم تقسیم ہوتی تھی۔ اس انتظام میں نہایت احتیاط اور خبر گیری سے کام لیا جاتا تھا۔ عراق میں امراء اعشار نے تنخواہوں کی تقسیم میں بے اعتدالی کی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرب کے بڑے بڑے نساب اور اہل الرائے مثلاً سعید بن عمران، مشعلہ بن نعیم وغیرہ کو بلا کر اس کی جانچ پر مقرر کیا۔ چنانچہ ان لوگوں نے دوبارہ نہایت تحقیق اور صحت کے ساتھ لوگوں کے عہدے اور روزیے مقرر کئے اور دس دس کے بجائے سات سات سپاہی پر ایک ایک افسر مقرر کیا۔

۱۔ (کتاب الخراج صفحہ 27۔ اصل عبارت ہے کان لعمر بن الخطاب اربعة الاف فرس فاذا کان فی عطاء الرجل خفة او کان محتاجاً اعطاه الفرس)۔

۲۔ (طبری صفحہ 6486۔ اصل عبارت یہ ہے والمرهم بمعاذهم فی الربع من کل سنة و باعطیائهم فی الحرم من کل سنة و بفتحیم عند طلوع اشعری فی کل سنة و ذلک عند ادراک الفلات)۔

عرف کا تقرر بھی فاروقی ایجادات سے تھا جس کی تقلید مدتوں تک کی گئی۔ کنز العمال باب الجہاد میں علامہ بیہقی کی روایت ہے۔^(۱)

تتخواہوں کی ترقی

تتخواہوں میں قدامت اور کارکردگی کے لحاظ سے وقتاً فوقتاً اضافہ ہوتا رہتا تھا۔ قادیسیہ میں زہرہ، عصمتہ، جنتی وغیرہ نے بڑے بڑے مردانہ کام کئے تھے اس لئے ان کی تتخواہیں دو، دو ہزار سے ڈھائی ڈھائی ہزار ہو گئیں۔ مقررہ رقموں سے علاوہ غنیمت سے وقتاً فوقتاً جو ہاتھ آتا تھا اور علی قدر مراتب فوج پر تقسیم ہوتا تھا۔ اس کی کچھ انتہا نہ تھی۔ چنانچہ جلولا میں نو نو ہزار، نہاد چھ چھ ہزار درہم ایک ایک سوار کے حصے میں آئے تھے۔ صحت اور تندرستی قائم رکھنے کے لئے حسب ذیل قاعدے مقرر تھے۔

اختلاف موسم کے لحاظ سے فوج کی تقسیم

جاڑے اور گرمی کے لحاظ سے لڑائی کی جہتیں متعین کر دی تھیں، یعنی جو سرد ملک تھے ان پر گرمیوں میں اور گرم ملکوں پر جاڑوں میں فوجیں بھیجی جاتی تھیں اس تقسیم کا نام شاتیہ اور صافیہ رکھا اور یہی اصطلاح آج تک قائم ہے۔ یہاں تک کہ ہمارے مؤرخین مغربی مہمات اور فتوحات کو صرف صوائف کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہ انتظام حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے 17 ہجری میں کیا تھا۔ علامہ طبری لکھتے ہیں۔ وسی الشبواتی والصوائف وسی ذلک فی کل کورۃ۔

۱۔ (بیوا قعات نہایت تفصیل کے ساتھ طبری صفحہ 2495 تا 2496 و مقریزی صفحہ 93 میں ہیں)

بہار کے زمانے میں فوجوں کا قیام

فصل بہار میں فوجیں ان مقامات پر بھیج دی جاتی تھیں جہاں کی آب و ہوا عمدہ اور سبزہ و مرغزار ہوتا تھا۔ یہ قاعدہ اول اول 17 ہجری میں جاری کیا گیا۔ جبکہ مدائن کی فتح کے بعد وہاں کی خراب آب و ہوا نے فوج کی تندرستی کو نقصان پہنچایا تھا۔ چنانچہ عتبہ بن غزوہ ان کو لکھا کہ ہمیشہ جب بہار کا موسم آئے تو فوجیں شاداب اور سرسبز مقامات میں چلی جائیں۔^(۱) عمرو بن العاص گورنر مصر، موسم بہار کے آنے کے ساتھ ہی فوج کو باہر بھیج دیتے تھے اور حکم دیتے تھے کہ سیر و شکار میں بسر کریں اور گھوڑوں کو چرا کر فربہ بنا کر لائیں۔

آب و ہوا کا لحاظ

بارکوں کی تعمیر اور چھاؤنیوں کے بنانے میں ہمیشہ عمدہ آب و ہوا کا لحاظ کیا جاتا تھا اور مکانات کے آگے کھلے ہوئے خوش فضا صحن چھوڑے جاتے تھے۔ فوجوں کے لئے جو شہر آباد کئے گئے مثلاً کوفہ، بصرہ، فسطاط وغیرہ ان میں صحت کے لحاظ سے سڑکیں اور کوچے اور گلیاں نہایت وسیع ہوتی تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس میں اس قدر اہتمام تھا کہ مساحت اور وسعت کی تعیین بھی خود لکھ کر بھیجی تھی۔ چنانچہ اس کی تفصیل ان شہروں کے ذکر میں گزر چکی۔

کوچ کی حالت میں فوج کے آرام کا دن

فوج جب کوچ پر ہوتی تھی تو حکم تھا کہ ہمیشہ جمعہ کے دن مقام کرے اور ایک شب دروز قیام

۱۔ (تاریخ طبری صفحہ 2486 میں ہے و کتب عمرانی سعد بن مالک والی عتبہ بن غزوہ ان یزید بھالنا س فی کل حین ریح فی اطیب اللحم)۔

رکھے تاکہ لوگ دم لیں اور ہتھیاروں اور کپڑوں کو درست کر لیں۔ یہ بھی تاکید تھی کہ ہر روز اسی قدر مسافت طے جس سے تھکنے نہ پائیں اور پڑاؤ وہیں کیا جائے جہاں ہر قسم کی ضروریات مہیا ہوں۔ چنانچہ سعد بن وقاص کو جو فرمان فوجی ہدایتوں کے متعلق لکھا، اس میں اور اہم باتوں کے ساتھ ان تمام جزئیات کی تفصیل بھی لکھی۔^(۱)

رخصت کے قاعدے

رخصت کا بھی باقاعدہ انتظام تھا۔ جو فوجیں دور دراز مقامات پر مامور تھیں ان کو سال میں ایک دفعہ ورنہ دو دفعہ رخصت ملتی۔ بلکہ ایک موقع پر جب انہوں نے ایک عورت کو اپنے شوہر کی جدائی میں دردناک اشعار پڑھتے سنا تو افسروں کو احکام بھیج دیئے کہ کوئی شخص چار مہینے سے زیادہ باہر رہنے پر مجبور نہ کیا جائے۔ لیکن یہ تمام آسانیاں اسی حد تک تھیں جہاں تک ضرورت کا تقاضا تھا۔ ورنہ آرام طلبی، کابلی، عیش پرستی سے بچنے کے لئے سخت بندشیں تھیں۔ نہایت تاکید تھی کہ اہل فوج رکاب کے سہارے سے سوار نہ ہوں، نرم کپڑے نہ پہنیں، دھوپ کھانا نہ چھوڑیں، حماموں میں نہ نہائیں۔

فوج کا لباس

تاریخوں سے یہ پتہ چلتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فوج کے لئے کوئی خاص لباس جس کو وردی کہتے ہیں قرار دیا تھا۔ فوج کے نام اس کے جو احکام منقول ہیں ان میں صرف اس قدر ہے کہ لوگ عجمی لباس نہ پہنیں لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس حکم کی تعمیل پر چنداں

۱۔ (عقد الفرید جلد اول صفحہ 49 میں یہ فرمان یعنی منقول ہے)۔

زور نہیں دیا گیا کیونکہ 21 ہجری میں جب مصر پر ذمیوں پر جزیہ مقرر ہوا، فوج کے کپڑے بھی اس میں شامل تھے۔ اور وہ یہ تھے اولن کا جبہ، لمبی ٹوپی یا عمامہ، پاجامہ موزہ، حالانکہ اول اول پاجامہ اور موزہ کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بتصریح منع کیا تھا۔^(۱)

فوج میں خزانچی و محاسب و مترجم

فوج کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اور بہت سی ایجاد ہیں جن کا عرب میں کبھی وجود نہ ملا تھا۔ مثلاً ہر فوج کے ساتھ ایک افسر خزانہ، ایک محاسب، ایک قاضی اور متعدد مترجم ہوتے تھے۔ ان کے علاوہ متعدد طبیب اور جراح ہوتے تھے۔ چنانچہ جنگ قادسیہ میں عبد الرحمن بن ربیعہ قاضی، زیاد بن ابی سفیان محاسب، ہلال ہجری مترجم تھے۔ فوج میں محکمہ عدالت سررشتہ حساب و مترجمی اور ڈاکٹری کی ابتداء بھی اسی زمانے سے ہے۔^(۲)

فن جنگ میں ترقی

فوجی قواعد کی نسبت ہم کو صرف اس قدر معلوم ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فوجی افسروں کو جو احکام بھیجتے تھے ان میں چار چیزوں کے سیکھنے کی تاکید ہوتی تھی، تیرنا، گھوڑے دوڑانا، تیر لگانا، ننگے پاؤں چلنا۔ اس کے سوا ہم کو معلوم نہیں کہ فوج کو اور کسی قسم کی قواعد بھی سکھائی جاتی تھی۔ تاہم اس میں شبہ نہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں سابق کی نسبت فن جنگ نے بہت ترقی کی۔

عرب میں جنگ کا پہلا طریقہ یہ تھا کہ دونوں طرف کے غول بے ترتیب کھڑے ہو جاتے

۱۔ فتوح البلدان صفحہ 315

۲۔ (طبری و اقعات 14 ہجری صفحہ 226)

تھے۔ پھر دونوں طرف سے ایک ایک سپاہی نکل کر لڑتا تھا۔ اور باقی تمام فوج چپ کھڑی رہتی تھی۔ اخیر میں عام حملہ ہوتا تھا۔ اسلام کے آغاز میں صف بندی کا طریقہ جاری ہوا تھا۔ اور فوج کے مختلف حصے قرار پائے مثلاً میمنہ، میسرہ، وغیرہ لیکن ہر حصہ بطور خود لڑتا تھا۔ یعنی تمام فوج کسی ایک سپہ سالار کے نیچے رہ کر نہیں لڑتی تھی۔ سب سے پہلے 15 ہجری میں یرموک کے معرکہ میں حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بدولت تعبیه کی طرز پر جنگ ہوئی یعنی کل فوج جس کی تعداد چالیس ہزار کے قریب تھی، 36 صفوں میں تقسیم ہو کر حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ماتحتی میں کام کرتی تھی اور وہ تمام فوج کو تنہا لڑاتے تھے۔^(۱)

فوج کے مختلف حصے

قلب سپہ سالار اسی حصے میں رہتا تھا۔

مقدمہ قلب کے آگے کچھ فاصلے پر ہوتا تھا۔

میمنہ قلب کے دائیں ہاتھ پر رہتا تھا۔

میسرہ بائیں ہاتھ پر۔

ساقہ سب کے پیچھے۔

طلیغہ گشت کی فوج جو دشمن کی فوجوں کی دیکھ بھال رکھتی تھی۔

روء جو ساقہ کے پیچھے رہتی تھی تاکہ دشمن عقب سے حملہ نہ کر سکے۔

رائد جو فوج کے چارہ اور پانی تلاش کرتی تھی۔

رکبان شتر سوار۔

۱۔ (علامہ ابن خلدون نے مقدمہ تاریخ فیصل فی الحروب کے عنوان سے عرب اور فارس و روم کے طریقہ جنگ پر ایک مضمون لکھا ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ تعبیه کا طریقہ اول اول مروان بن الحکم نے قائم کیا۔ لیکن یہ غلط ہے۔ طبری اور دیگر مؤرخین نے بصریح لکھا ہے کہ یرموک کے معرکہ میں اول اول خالد نے تعبیه کی طرز پر صف آرائی کی تھی)۔

فرسان گھوڑا سوار۔

راجل پیادہ۔

رماۃ تیر انداز۔

ہر سپاہی کو جو ضروری چیزیں ساتھ رکھنی پڑتی تھیں

ہر سپاہی کو جنگ کی ضرورت کی تمام چیزیں اپنے ساتھ رکھنی پڑتی تھیں۔ فتوح البلدان میں لکھا ہے کہ کثیر بن شہاب (حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک فوجی افسر تھے) کی فوج کا ہر سپاہی اشیائے ذیل ضرور اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ سوئیاں، سوا، ڈورا، قینچی، سوتالی، تو بڑا، چھلنی (فتوح البلدان صفحہ 18)۔

قلعہ شکن آلات

قلعوں پر حملہ کرنے کے لیے منجیق کا استعمال اگرچہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں شروع ہو چکا تھا، چنانچہ سب سے پہلے 8 ہجری میں طائف کے محاصرے میں اس سے کام لیا گیا۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں اس کو بہت ترقی ہوئی اور بڑے بڑے قلعے اس کے ذریعہ سے فتح ہوئے۔ مثلاً 16 ہجری میں بہرہ شہر کے محاصرے میں 20 منجقیں استعمال کی گئیں۔ محاصرے کے لئے ایک اور آلہ تھا جس کو دبابہ کہتے تھے۔ یہ ایک لکڑی کا برج ہوتا تھا جس میں اوپر تلے کئی درجے ہوتے تھے اور نیچے پیہیے لگے ہوتے تھے۔ سنگ اندازوں اور نقب زنوں اور تیر اندازوں کو اس کے اندر بٹھا دیا جاتا تھا اور اس کو ریلیتے ہوئے آگے بڑھاتے چلتے تھے۔ اس طرح قلعہ کی جڑ میں پہنچ جاتے تھے اور قلعہ کی دیواروں کو آلات کے ذریعے سے توڑ دیتے تھے۔ بہرہ شہر کے

محاصرہ میں یہ آلہ بھی استعمال کیا گیا تھا۔

سفر مینا

راستہ صاف کرنا، سڑک بنانا، پل باندھنا، یعنی جو کام آج کل سفر مینا کی فوج سے لیا جاتا ہے اس کا انتظام بھی نہایت معقول تھا اور یہ کام خاص کر مفتوحہ قوموں سے لیا جاتا تھا۔ عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب فسطاط فتح کیا تو مقوقس والی مصر نے یہ شرط منظور کی کہ فوج اسلام جدھر کا رخ کرتے گی سفر مینا کی خدمت مصری انجام دیں گے۔^(۱)

چنانچہ عمرو بن العاص جب رومیوں کے مقابلہ کے لئے اسکندریہ کی طرف بڑھے تو خود مصری منزل بمنزل پل باندھتے، سڑک بناتے اور بازار لگاتے تھے۔ علامہ مقریزی نے لکھا ہے کہ چونکہ مسلمانوں کے سلوک نے تمام ملک کو گرویدہ کر لیا تھا، اس واسطے قبطی خود بڑی خوشی سے ان خدمتوں کو انجام دیتے تھے۔

خبر رسانی اور جاسوسی

جاسوسی اور خبر رسانی کا انتظام نہایت خوبی سے کیا گیا تھا اور اس کے لئے قدرتی سامان ہاتھ آ گئے تھے۔ شام و عراق میں کثرت سے عرب آباد تھے اور ان میں سے ایک گروہ کثیر نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ یہ لوگ چونکہ مدت سے ان ممالک میں رہتے تھے۔ اس لئے کوئی واقعہ ان سے چھپ نہیں سکتا تھا۔ ان لوگوں کو اجازت دی کہ اپنا اسلام لوگوں پر ظاہر نہ کریں اور چونکہ یہ لوگ ظاہر وضع قطع سے پارسیائی یا عیسائی معلوم ہوتے تھے اس لئے دشمن

۱۔ (مقریزی صفحہ 163 میں ہے۔ فخر عمر بالمسلمین و فخر معہ جماعۃ من رؤساء القبط و قد اصلحو الھم الطريق و اتقا موا الھم
لجسور و الاسواق۔)

کی فوجوں میں جہاں چاہتے تھے چلے جاتے تھے۔ یرموک، قادسیہ، تکریت میں انہی جاسوسوں کی بدولت بڑے بڑے کام نکلے۔^(۱)

شام میں ہر شہر کے رئیسوں نے خود اپنی طرف سے اور اپنی خوشی سے جاسوس لگا رکھے تھے جو قیصر کی فوجی تیاریاں اور نقل و حرکت کی خبریں پہنچاتے تھے۔ قاضی ابو یوسف صاحب کتاب الخراج میں لکھتے ہیں۔ (کتاب مذکور صفحہ 80)۔

خبر رسانی اور جاسوسی

اردن اور فلسطین کے اضلاع میں یہودیوں کا ایک فرقہ رہتا تھا جو سامرہ کہلاتا تھا۔ یہ لوگ جاسوسی اور خبر رسانی کے کام کے لئے مقرر کئے گئے اور اس کے صلے میں ان کی مقبوضہ زمینیں ان کو معافی میں دے گئیں (فتوح البلدان صفحہ 158)۔ اسی طرح جزاجمہ کو قوم اس خدمت پر مامور ہوئی کہ ان کو بھی خراج معاف کر دیا گیا۔ فوجی انتظام کے سلسلے میں جو چیز سب سے بڑھ کر حیرت انگیز ہے یہ ہے کہ باوجودیکہ اس قدر بے شمار فوجیں تھیں اور مختلف ملک، مختلف قبائل، مختلف طبائع کے لوگ اس سلسلے میں داخل تھے۔ اس کے ساتھ وہ نہایت دور دراز مقامات تک پھیلی ہوتی تھیں۔ جہاں سے دار الخلافہ تک سینکڑوں ہزاروں کوس کا فاصلہ تھا۔ تاہم تمام فوج اس طرح حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قبضہ قدرت میں تھیں کہ گویا وہ خود ہر جگہ فوج کے ساتھ موجود ہیں۔

پرچہ نویسوں کا انتظام

۱۔ (تاریخ شام الماؤری صفحہ 154، بطبری 2349، 2475۔ ازی کی عبارت یہ ہے لما نزلت الروم منزم الذی نزلوا بہ و سننا لہم رجلاً من اهل البلد کانوا نصاری حسن اسلام و امرهم ان یدخلوا عسکرهم و یکتبوا اسلامهم و یا گوا بآخبارهم)۔

اس کا عام سبب تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سطور اور ان کا رعب و داب تھا۔ لیکن ایک بڑا سبب یہ تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہر فوج کے ساتھ پرچہ نویس لگا رکھے تھے اور فوج کی ایک ایک بات کی انکو خبر پہنچتی رہتی تھی۔ علامہ طبری ایک ضمنی موقع پر لکھتے ہیں کہ: وکانت تكون لعمر العيون في جيش فلبس الى بما كان في فلك الغزاة وبلغه الذي قال عتبة۔ (طبری صفحہ 2308)۔

اس انتظام سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ کام لیتے تھے کہ جہاں فوج میں کسی شخص سے کسی قسم کی بے اعتدالی ہو جاتی تھی۔ ایران کی فتوحات میں عمر و معدی کرب نے ایک دفعہ اپنے افسر کی شان میں گستاخانہ کلمہ کہہ دیا تھا۔ فوراً حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ کو خبر ہوئی اور اسی وقت انہوں نے عمر و معدی کرب کو تحریر کے ذریعے سے ایسی چشم نمائی کی کہ پھر ان کو کبھی ایسی جرات نہیں ہوئی۔ اس قسم کی سینکڑوں مثالیں ہیں جن جا استقصاء نہیں ہو سکتا۔

صیغہ تعلیم

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اگرچہ تعلیم کو نہایت ترقی دی تھی۔ تمام ممالک مفتوحہ میں ابتدائی مکاتب قائم کئے تھے جن میں قرآن مجید، اخلاقی اشعار اور امثال عرب کی تعلیم ہوتی تھی۔ بڑے بڑے علمائے صحابہ اضلاع میں حدیث و فقہ کی تعلیم کے لئے مامور کئے تھے۔ مدرسین اور معلمین کی تنخواہیں بھی مقرر کی تھیں۔ لیکن چونکہ تعلیم زیادہ تر مذہبی تھی، اس لئے اس کا ذکر تفصیل کے ساتھ صیغہ مذہبی کے بیان میں آئے گا۔

صیغہ مذہبی

خليفة کی حیثیت سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جو اصلی کام تھا وہ مذہب کی تعلیم و تلقین تھی

اور درحقیقت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کارناموں کا طغرا یہی ہے۔ لیکن مذہب کی روحانی تعلیم، یعنی توجہ الی اللہ، استغراق فی العبادۃ صفائے قلب، قطع علائق خضوع و خشوع یہ چیزیں کسی محسوس اور مادی رشتہ انتظام کے تحت میں نہیں آسکتیں۔ اس لئے نظام حکومت کی تفصیل میں ہم اس کا ذکر نہیں کر سکتے۔ اس کا ذکر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذاتی حالات میں آئے گا۔ البتہ اشاعت اسلام، تعلیم قرآن و حدیث، احکام مذہبی کا اجراء اس قسم کے کام انتظام کے تحت میں آسکتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے متعلق جو کچھ کیا اس کی تفصیل ہم اس موقع پر لکھتے ہیں۔

اشاعت اسلام کا طریقہ

اس صیغہ کا سب سے بڑا کام اشاعت اسلام تھا۔ اشاعت اسلام کے یہ معنی نہیں کہ لوگوں کو تلوار کے زور سے مسلمان بنایا جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس طریقے کے بالکل خلاف تھے اور جو شخص قرآن مجید کی اس آیت پر لا اکراہ فی الدین بلا تاویل عمل کرنا چاہتا ہے وہ ضرور اس کے خلاف ہوگا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک موقع پر یعنی جب ان کا غلام باوجود ہدایت و ترغیب کے اسلام نہ لایا تو فرمایا کہ لا اکراہ فی الدین۔^۱

اشاعت اسلام کے یہ معنی ہیں کہ تمام دنیا کو اسلام کی دعوت دی جائے اور لوگوں کو اسلام کے اصول اور مسائل سمجھا کر اسلام کی طرف راغب کیا جائے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جس ملک پر فوجیں بھیجتے تھے تاکید کرتے تھے کہ پہلے ان لوگوں کو اسلام کی ترغیب دلائی جائے اور اسلام کے اصول و عقائد سمجھائے جائیں۔ چنانچہ فاتح

۱۔ (یہ روایت طبقات ابن سعد میں موجود ہے جو نہایت معتبر کتاب ہے۔ دیکھو کنز العمال جلد پنجم صفحہ 49 مطبوعہ حیدرآباد

ایران سعد بن وقاص کو جاکھ لکھا اس میں یہ الفاظ تھے۔ وقد کنت امرتک ان تدعوا من القبیۃ الی الاسلام قبل القتال۔ قاضی ابو یوسف صاحب نے لکھا ہے کہ ”حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا معمول تھا کہ جب ان کے پاس کوئی فوج مہیا ہوتی تو ان پر ایسا افسر مقرر کرتے تھے جو صاحب علم اور صاحب فقہ ہوتا۔“ یہ ظاہر ہے کہ فوجی افسروں کے لئے علم و فقہ کی ضرورت اسی تبلیغ اسلام کی ضرورت سے تھی۔ شام و عراق کی فتوحات میں تم نے پڑھا ہوگا کہ ایرانیوں اور عیسائیوں کے پاس جو اسلامی سفارتیں گئیں انہوں نے کس خوبی اور صفائی سے اسلام کے اصول و عقائد ان کے سامنے بیان کئے۔

اشاعت اسلام کی بڑی تدبیر یہ ہے کہ غیر قوموں کو اسلام کا جو نمونہ دکھلایا جائے وہ ایسا ہو کہ خود بخود لوگوں کے دل اسلام کی طرف کھینچ آئیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں نہایت کثرت سے اسلام پھیلا اور اس کی بڑی وجہ یہی تھی کہ انہوں نے اپنی تربیت اور ارشاد سے تمام مسلمانوں کو اسلام کا اصلی نمونہ بنا دیا تھا۔ اسلامی فوجیں جس ملک میں جاتی تھیں۔ لوگوں کو خواہ مخواہ ان کے دیکھنے کا شوق پیدا ہوتا تھا۔ کیونکہ چند بادیہ نشینوں کا دنیا کی تسخیر کو اٹھنا حیرت اور استعجاب سے خالی نہ تھا۔ اس طرح جب لوگوں کو ان سے ملنے جلنے کا اتفاق ہوتا تھا تو ایک ایک مسلمان سچائی اور سادگی اور پاکیزگی جوش اور خلاص کی تصویر نظر آتا تھا۔ یہ چیزیں خود بخود لوگوں کے دل کو کھینچتی تھیں اور اسلام ان کے دل میں گھر کر جاتا تھا۔ شام کے واقعات میں تم نے پڑھا ہوگا کہ رومیوں کا سفیر جارج ابو عبیدہ کی فوج میں جا کر کس اثر سے متاثر ہوا۔ اور کس طرح دفعۃً قوم اور خاندان سے الگ ہو کر مسلمان ہو گیا۔ شطرا جو مصر کی حکومت کا بہت بڑا رئیس تھا، مسلمانوں کے حالات ہی سن کر اسلام کا گرویدہ ہو

گیا۔ اور آخر دو ہزار آدمیوں کے ساتھ مسلمان ہو گیا۔^① اسلامی فتوحات کی بواجبی نے بھی اس خیال کو قوت دی، یہ واقعہ کہ چند صحرا نشینوں کے آگے بڑی بڑی قدیم اور پر زور قوموں کا قدم اکھڑتا جاتا ہے۔ خوش اعتقاد قوموں کے دل میں خود بخود خیال پیدا کرتا تھا کہ اس گروہ کے ساتھ تائید آسمانی شامل ہے۔ یزدگرد شہنشاہ فارس نے جب خاقان چین کے پاس استمداد کی غرض سے سفارت بھیجی تو خاقان نے اسلامی فوج کے حالات دریافت کئے اور حالات سن کر یہ کہا کہ ”ایسی قوم سے مقابلہ کرنا بے فائدہ ہے۔“

اشاعت اسلام کے اسباب

فارس کے معرکہ میں جب پارسیوں کا ایک مشہور بہادر بھاگ نکلا اور سردار فوج نے اس کو گرفتار کر کے بھاگنے کی سزا دینی چاہی تو اس نے ایک بڑی پتھر کو تیر سے توڑ کر کہا کہ یہ ”تیر بھی جس لوگوں پر اثر نہیں کرتے خدا ان کے ساتھ ہے۔ اور ان سے لڑنا بیکار ہے (طبری واقعات جنگ فارس)۔ اور جہاں فارسی کے دادا کا بیان ہے کہ قادیسیہ کی لڑائی میں میں حاضر تھا اور اس وقت تک میں مجوسی تھا۔ عرب نے جب تیر اندازی شروع کی تو ہم نے تیروں کو دیکھ کر کہا کہ ”ٹکے ہیں۔“ لیکن ان ہی ٹکوں نے ہماری سلطنت برباد کر دی۔“ مصر پر جب حملہ ہوا تو اسکندریہ کے بشپ نے قبطیوں کو لکھا کہ ”رومیوں کی سلطنت ختم ہو چکی ہے۔ اب تم مسلمانوں سے مل جاؤ۔“^②

ان باتوں کے ساتھ کچھ اور اسباب بھی اسلام کے پھیلنے کا سبب ہوئے۔ عرب کے قبائل جو

۱۔ (تاریخ مقریزی صفحہ 226 میں ہے۔ فخر عثمانی الفین من اصحابہ و لحق بالمسلمین و قد کان قبل ذلک محب الخیر و یمل

الی ما یسمعه من سیرۃ اهل الاسلام)۔

۲۔ (مقریزی جلد اول صفحہ 280)۔

عراق اور شام میں آباد تھے اور عیسائی ہو گئے تھے فطرۃً جس قدر ان کا میلان ایک نبی عربی کی طرف ہو سکتا تھا غیر قوم کی طرف نہیں ہو سکتا تھا۔ چنانچہ جس قدر زمانہ گزرتا گیا وہ اسلام کے حلقے میں آتے گئے۔ یہی بات ہے کہ اس عہد کے نو مسلم جس قدر عرب تھے اور قومیں نہ تھیں ایک وجہ یہ بھی تھی کہ بعض بڑے بڑے پیشوائے مذہبی مسلمان ہو گئے تھے۔ مثلاً دمشق جب فتح ہوا تو وہاں کا بشارت جس کا نام اردکون تھا حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر اسلام لایا (مجمع البلدان ذکر قطرة سنان)۔ ایک پیشوائے مذہب کے مسلمان ہونے سے اس کے پیروؤں کو خواہ مخواہ اسلام کی طرف رغبت ہوئی ہوگی۔

ان مختلف اسباب سے نہایت کثرت کے ساتھ لوگ ایمان لائے۔ افسوس ہے کہ ہمارے مؤرخین نے کسی موقع پر اس واقعہ کو مستقل عنوان سے نہیں لکھا۔ اس کی وجہ سے ہم تعداد کا اندازہ نہیں بنا سکتے۔ تاہم ضمنی تذکروں سے کسی قدر پتہ لگ سکتا ہے چنانچہ ہم ان کو اس موقع پر بیان کرتے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں جو لوگ

اسلام لائے

16 ہجری کے اخیر میں جب جلولا فتح ہوا تو بڑے بڑے رؤسا اور نواب اپنی خوشی سے مسلمان ہو گئے۔ ان میں سے جو زیادہ صاحب اختیار اور نامور تھے، ان کے یہ نام ہیں: جمیل بن بصیری، بسطام بن زسی، رفیل، فیروز، ان رئیسوں کے مسلمان ہو جانے سے ان کی رعایا میں خود بخود اسلام کو شیوع ہوا۔^①

قادسیہ کے معرکے کے بعد چار ہزار ولیم کی فوج جو خسرو پرویز کی تربیت یافتہ تھی اور امپیریل گارڈ (شاہی رسالہ) کہلاتی تھی، کل کی کل مسلمان ہو گئی (فتوح البلدان صفحہ 280)۔

یزدگرد کے مقدمۃ الجیش کا افسر ایک مشہور بہادر تھا جس کا نام سیاہ تھا۔ یزدگرد جب اصفہان کو روانہ ہوا تو اس نے سیاہ کو بلا کر تین سو بڑے بڑے رئیس اور پہلوان ساتھ کئے اور اصطر کو روانہ کیا۔ یہ بھی حکم دیا کہ راہ میں ہر شہر سے عمدہ سپاہی انتخاب کر کے ساتھ لیتا جائے۔ اسلامی فوجیں جب تستر پہنچیں تو سیاہ اپنے سرداروں کے ساتھ ان اطراف میں مقیم تھا۔ ایک دن اس نے تمام ہمراہیوں کو جمع کر کے کہا کہ ہم لوگ جو پہلے کہا کرتے تھے کہ یہ لوگ (عرب) ہمارے ملک پر غالب آجائیں گے۔ اس کی روز بروز تصدیق ہوتی جاتی ہے۔ اس لئے بہتر یہ ہے کہ ہم لوگ اسلام قبول کر لیں۔ چنانچہ اسی وقت سب کے سب مسلمان ہو گئے۔ یہ لوگ اسادرۃ کہلاتے تھے۔ کوفہ میں ان کے نام سے نہر اسادرہ مشہور ہے۔ ان کے اسلام لانے پر سیاحہ، زط، اندغار بھی مسلمان ہو گئے۔ تینوں قومیں اصل میں سندھ کی رہنے والی تھیں۔ جو خسرو پرویز کے عہد میں گرفتار ہو کر آئی تھیں۔ اور فوج میں داخل کی گئی تھیں۔

مصر میں اسلام کثرت سے پھیلا۔ عمرو بن العاص نے جب مصر کے بعض قصبات کے لوگوں کو اس بنا پر کہ وہ مسلمانوں سے لڑتے تھے، گرفتار کر کے لونڈی غلام بنایا۔ اور وہ فروخت ہو کر تمام عرب میں پھیل گئے۔ تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بری قدغن کے ساتھ ہر جگہ سے انکو واپس لے کر مصر بھیج دیا اور لکھ بھیجا کہ ان کو اختیار ہے خواہ اسلام لائیں، خواہ

اپنے مذہب پر قائم رہیں۔ چنانچہ ان میں سے قصبہ بلہیب کے رہنے والے کل کے کل اپنی خواہش سے مسلمان ہو گئے۔ دمیاط کی فتح کے بعد جب اسلامی فوجیں آگے بڑھیں تو بقرہ اور وراۃ سے لیکر عسقلان تک جو شام میں داخل ہے، ہر جگہ اسلام پھیل گیا۔^(۱)

شطا مصر کا ایک مشہور شہر ہے جہاں کے کپڑے مشہور ہیں۔ یہاں کارنیکس مسلمانوں کے حالات سن کر پہلے ہی اسلام کی طرف مائل تھا۔ چنانچہ جب اسلامی فوجیں دمیاط میں پہنچیں تو دو ہزار آدمیوں کے ساتھ شطا سے نکل کر مسلمانوں سے آ ملا۔ اور مسلمان ہو گیا۔ (مقریزی جلد اول)۔ فسطاط جس کو عمرو بن العاص نے آباد کیا تھا اور جس کی جگہ اب قاہرہ دارالسلطنت ہے یہاں تین بڑے بڑے محلے تھے جہاں زیادہ تر نو مسلم آباد کرائے گئے۔ ایک محلہ بنوبہ کے نام سے آباد تھا جو ایک یونانی خاندان تھا، مسلمان ہو گیا تھا۔ اور مصر کے معر کے میں اس خاندان کے سو آدمی اسلامی فوج کے ساتھ شامل تھے۔

دوسرا محلہ بنوالارزق کے نام پر تھا یہ بھی ایک یونانی خاندان تھا اور اس قدر کثیر النسل تھا کہ مصر کی جنگ میں اس خاندان کے 400 بہادر شریک تھے۔

تیسرا محلہ ربیل کے نام سے آباد تھا۔ یہ لوگ پہلے یرموک و قیساریہ میں سکونت رکھتے تھے۔ پھر مسلمان ہو کر عمرو بن العاص کے ساتھ مصر چلے آئے تھے۔ یہ ایک بہت بڑا یہودی خاندان تھا۔ مصر کی فتح میں ہزار آدمی اس خاندان کے شامل تھے۔^(۲)

فسطاط میں ایک اور محلہ تھا جہاں صرف نو مسلم مجوسی آباد کرائے گئے تھے۔ چنانچہ یہ محلہ انہی کے نام پر پارسیوں کا محلہ کہلاتا تھا۔ یہ لوگ اصل میں باذان کی فوج کے آدمی تھے جو

۱۔ (مقریزی صفحہ 184 میں ہے) ولما فتح المسلمون الفرس بعد ما افتخروا دمیاط و تثنیس ساروا الی بقرۃ فاسلم من ہما و ساروا منھا الی الوردة فدخل اهلھا فی الاسلام و صا حولھا الی عسقلان)۔

۲۔ (اس کے متعلق پوری تفصیل مقریزی صفحہ 298 جلد اول میں ہے)۔

نوشیرواں کی طرف سے یمن کا عامل تھا جب اسلام کا قدم شام میں پہنچا تو یہ لوگ مسلمان ہو گئے اور عمرو بن العاص کے ساتھ مصر آئے۔ اسی طرح اور جستہ جستہ مقامات سے پتہ چلتا ہے کہ ہر جگہ کثرت سے اسلام پھیل گیا تھا۔ مؤرخ بلاذری نے بلس کے ذکر میں لکھا ہے کہ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہاں وہ عرب آباد کرائے جو شام میں سکونت رکھتے تھے اور مسلمان ہو گئے تھے۔ (بلاذری صفحہ 150)۔ مؤرخ ازدی جنگ یرموک کے حالات میں لکھتا ہے کہ جب رومیوں کی فوجیں یرموک میں اتریں تو وہ لوگ جاسوس بنا کر بھیجے جاتے تھے جو وہیں کے رہنے والے تھے اور مسلمان ہو گئے تھے۔ ان لوگوں کو تاکید تھی کہ اپنا اسلام ظاہر نہ کریں تاکہ رومی ان سے بدگمان نہ ہونے پائیں۔ مؤرخ نے سن 14 ہجری کے واقعات میں لکھا ہے کہ اس لڑائی میں بہت سے اہل عجم نے مسلمانوں کو مدد دی جن میں سے کچھ لڑائی سے پہلے ہی مسلمان ہو گئے تھے اور کچھ لڑائی کے بعد اسلام لائے۔ ان واقعات سے صاف اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مبارک عہد میں اسلام کثرت سے پھیلا اور تلوار سے نہیں بلکہ اپنے فیض و برکت سے پھیلا۔ اشاعت اسلام کے بعد اصول مذہب، اعمال مذہبی کی ترویج یعنی جن چیزوں پر اسلام کا دار و مدار ہے ان کا محفوظ رکھنا اور ان کی اشاعت اور ترویج کرنا۔ اس سلسلے میں سب سے مقدم قرآن مجید کی حفاظت اور اس کی تعلیم و ترویج تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے متعلق جو کوششیں کیں ان کی نسبت شاہ ولی اللہ صاحب نے نہایت صحیح لکھا کہ ”امروز ہر کہ قرآن میخواند از طوائف مسلمین، منت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ در گردن اوست۔“

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قرآن مجید کی جمع و ترتیب میں جو کوششیں کیں

یہ مسلم ہے کہ اسلام کی اصل قرآن مجید ہے اور اس سے انکار بھی نہیں ہو سکتا کہ قرآن مجید کا جمع کرنا، ترتیب دینا، صحیح نسخہ لکھوا کر محفوظ کرنا، تمام ممالک میں اس کا رواج دینا، جو کچھ ہوا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اہتمام اور توجہ سے ہوا۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد تک قرآن مجید مرتب نہیں ہوا تھا۔ متفرق اجزاء متعدد صحابہ کے پاس تھے وہ بھی کچھ ہڈیوں پر، کچھ کھجور کے پتوں پر، کچھ پتھر کی تختیوں پر لکھا ہوا اور لوگوں کو پورا حفظ یاد بھی نہ تھا۔ کسی کو کوئی سورت یاد تھی کسی کو کوئی۔ ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں جب مسلمہ کذاب سے لڑائی ہوئی تو سینکڑوں صحابہ شہید ہوئے جن میں بہت سے حفاظ قرآن بھی تھے۔ لڑائی کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس جا کر کہا کہ اگر اسی طرح حفاظ قرآن اٹھتے گئے تو قرآن جاتا رہے گا۔ اس لئے ابھی سے اس کی جمع و ترتیب کی فکر کرنی چاہیے۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا جو کام رسول اللہ نے نہیں کیا تو میں کیوں کروں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بار بار اس کی مصلحت اور ضرورت بیان کی۔ یہاں تک کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کی رائے سے متفق ہو گئے۔ صحابہ میں سے وحی لکھنے کا کام سب سے زیادہ زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا تھا۔ چنانچہ وہ طلب کئے گئے اور اس خدمت پر مامور ہوئے کہ جہاں جہاں سے قرآن کی سورتیں یا آیتیں ہاتھ آئیں یکجا کی جائیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجمع عام میں اعلان کیا کہ جس نے قرآن کا کوئی

حصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھا ہو میرے پاس لے کر آئے۔ اس بات کا التزام کیا گیا کہ جو شخص کوئی آیت پیش کرتا تھا اس پر دو شخصوں کی شہادت لی جاتی تھی کہ ہم نے اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں قلمبند کرتے دیکھا تھا۔ غرض اس طرح جب تمام سورتیں جمع ہو گئیں تو چند آدمی مامور ہوئے کہ ان کی نگرانی میں پورا قرآن ایک مجموعہ کی صورت میں لکھا جائے۔

سعید بن العاص بتاتے جاتے تھے اور زید بن ثابت لکھتے جاتے تھے مگر ان لوگوں کو حکم تھا کہ کسی لفظ کے تلفظ و لہجہ میں اختلاف پیدا ہو تو قبیلہ مضر کے لہجہ کے مطابق لکھا جائے کیونکہ قرآن مجید، مضر ہی کی خاص زبان میں اتر ہے۔^(۱)

قرآن مجید کی حفاظت اور صحت الفاظ و اعراب کی

تدبیریں

اس وقت قرآن مجید کی حفاظت اور صحت کے لیے چند امور نہایت ضروری تھے۔ اول یہ کہ نہایت وسعت کے ساتھ اس کی تعلیم شروع کی جائے اور سینکڑوں ہزاروں آدمی حافظ قرآن بنادیئے جائیں تاکہ تحریف و تغیر کا احتمال نہ رہے۔ دوسرے یہ کہ اعراب اور الفاظ کی صحت نہایت اہتمام کیساتھ محفوظ رکھی جائے۔ تیسرے یہ کہ قرآن مجید کی بہت سی نقلیں ہو کر ملک میں شائع کی جائیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان تینوں امور کو اس کمال کے ساتھ انجام دیا کہ اس سے بڑھ کر ممکن نہ تھا۔

قرآن مجید کی تعلیم کا انتظام

تمام ممالک مفتوحہ میں ہر جگہ قرآن مجید کا درس جاری کیا۔ اور معلم وقاری مقرر کر کے ان کی تنخواہیں مقرر کیں۔ چنانچہ یہ امر بھی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اولیات میں شمار کیا جاتا ہے کہ انہوں نے معلموں کی تنخواہیں مقرر کیں۔^(۱)

مکاتب قرآن

مثلاً خاص مدینہ منورہ میں چھوٹے چھوٹے بچوں کی تعلیم کے لئے جو مکتب تھے ان کے معلموں کی تنخواہیں پندرہ پندرہ درہم ماہوار تھیں۔

بدوؤں کو جبری تعلیم

خانہ بدوش بدوؤں کے لیے قرآن مجید کی تعلیم جبری طور پر لازم کی۔ چنانچہ ایک شخص کو جس کا نام ابوسفیان تھا، چند آدمیوں کے ساتھ مامور کیا کہ قبائل میں پھر پھر کر ہر شخص کا امتحان لے اور جس کو قرآن مجید کا کوئی حصہ یاد نہ ہو اس کو سزا دے۔^(۲)

کتاب کی تعلیم

مکاتب میں لکھنا بھی سکھایا جاتا تھا۔ عام طور پر تمام اضلاع میں احکام بھیج دیئے تھے کہ بچوں کو شہسواری اور کتابت کی تعلیم دی جائے۔ ابو عامر جو رواۃ حدیث میں ہیں، ان کی

۱۔ (سیرۃ العمر لابن الجوزی میں ہے ان عمر بن الخطاب و عثمان بن عفان کان یزقان المودین والائمه والمعلمین)۔

تنخواہیں اس وقت کے حالات کے لحاظ سے کم نہ تھیں۔

۲۔ (آغا قی جلد 16 صفحہ 58۔ اصابتی احوال الصحابہ میں بھی یہ واقعہ منقول ہے)۔

زبان روایت ہے کہ میں بچپن میں گرفتار ہو کر مدینہ میں آیا۔ یہاں مجھ کو مکتب میں بٹھایا گیا۔ معلم مجھ سے جب میم لکھواتا تھا اور میں اچھی طرح نہیں لکھ سکتا تھا تو کہتا تھا گول لکھو جس طرح گائے کی آنکھیں ہوتی ہیں۔^①

قراء صحابہ کا تعلیم قرآن کے لئے دور دراز مقامات پر

بھیجنا

صحابہ میں سے 5 بزرگ تھے جنہوں نے قرآن مجید کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے زمانے میں پورا حفظ کر لیا تھا۔ معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عبادہ بن الصامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ابویوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ ان میں خاص کر ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سید القراء تھے اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس باب میں ان کی مدح کی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سب کو بلا کر کہا کہ شام کے مسلمانوں کو ضرورت ہے کہ آپ لوگ جا کر قرآن کی تعلیم دیجیے۔ ابویوب ضعیف اور ابی بن کعب بیمار تھے اس لئے نہ جاسکے۔ باقی تین صاحبوں نے خوشی سے منظور کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہدایت کی کہ حمص کو جائیں۔ وہاں کچھ دنوں قیام کر کے جب تعلیم پھیل جائے تو ایک شخص کو وہیں چھوڑ دیں، باقی دو صحابیوں میں سے ایک دمشق اور ایک صاحب فلسطین جائیں۔ چنانچہ یہ سب لوگ پہلے حمص گئے۔ وہاں جب اچھی طرح بندوبست ہو گیا تو عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہیں قیام کیا۔ اور ابودرداء

۱۔ (مجمع البلدان لغت حاضر، مجم میں اس روایت کو حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد کی نسبت لکھا لیکن خود صاحب مجمع نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ اس وقت تک یہ مقامات فتح نہیں ہوئے تھے)۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ دمشق اور معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فلسطین کو روانہ ہوئے۔ معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے طاعون عمواس میں وفات پائی۔^۱

تعلیم قرآن کا طریقہ

ابودرداء کی تعلیم کا طریقہ جیسا کہ علامہ ذہبی نے طبقات القراء میں لکھا ہے، یہ تھا کہ صبح کی نماز پڑھ کر جامع مسجد میں بیٹھ جاتے تھے۔ گرد قرآن پڑھنے والوں کا ہجوم ہوتا تھا۔ ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ دس آدمیوں کی الگ الگ جماعت کر دیتے تھے اور ہر جماعت پر ایک قاری کو مقرر کرتے تھے۔ کہ ان کو قرآن پڑھائے۔ خود ٹہلتے جاتے تھے اور پڑھنے والوں پر کان لگائے رہتے تھے۔ جب کوئی طالب علم پورا قرآن یاد کر لیتا تھا تو ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود اس کو اپنی شاگردی میں لے لیتے تھے۔

دمشق کی مسجد میں طلبہ قرآن کی تعداد

ایک دن ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شمار کرایا تو سولہ سو طالب علم ان کے حلقہ درس میں موجود تھے۔

اشاعت قرآن کے وسائل

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قرآن مجید کی زیادہ اشاعت کے لئے ان تدبیروں کے ساتھ اور بہت سے وسائل اختیار کئے۔ ضروری سورتوں یعنی بقرہ، نساء، مائدہ اور نور کی نسبت یہ حکم دیا کہ سب لوگ اس قدر قرآن ضرور سیکھیں کیونکہ ان میں احکام و فرائض مذکور

۱۔ (یہ تمام تفصیل کنز العمال جلد اول صفحہ 281 میں ہے اور اصل روایت طبقات ابن سعد کی ہے)۔ لیکن ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت تک زندہ اور دمشق میں مقیم رہے۔

ہیں (کنز العمال جلد اول صفحہ 224)۔ عمال کو لکھ بھیجا کہ جو لوگ قرآن سیکھیں ان کی تنخواہیں مقرر کر دی جائیں۔ (کنز العمال جلد اول صفحہ 217)۔ (بعد میں جب ضرورت نہ رہی تھی تو یہ حکم منسوخ کر دیا)۔ اہل فوج کو جو ضروری ہدایتیں لکھ کر بھیجا کرتے تھے ان میں یہ بھی ہوتا تھا کہ قرآن مجید پڑھنا سیکھیں۔ وقتاً فوقتاً قرآن خوانوں کا رجسٹر منگواتے رہتے تھے۔ ان تدبیروں کا یہ نتیجہ ہوا کہ بیشمار آدمی پڑھ گئے۔

حافظوں کی تعداد

ناظرہ خوانوں کا شمار تو نہ تھا۔ لیکن حافظوں کی تعداد سینکڑوں ہزاروں تک پہنچ گئی۔ فوجی افسروں کو جب اس مضمون کا خط لکھا کہ حفاظان قرآن کو میرے پاس بھیج دو تا کہ میں ان کو قرآن کی تعلیم کے لیے جا بجا بھیجو، تو سعد وقاص نے جواب میں لکھا کہ صرف میری فوج میں تین سو حفاظ موجود ہیں۔^(۱)

صحت اعراب کی تدبیریں

تیسرا امر یعنی صحت اعراب و صحت تلفظ، اس کے لیے بھی نہایت اہتمام کیا۔ اور درحقیقت یہ سب سے مقدم تھا۔ قرآن مجید جب مرتب و مدون ہوا تھا تو اعراب کے ساتھ نہیں ہوا تھا۔ اس لئے قرآن مجید کا شائع ہونا کچھ زیادہ مفید نہ تھا۔ اگر صحت اعراب و تلفظ کا اہتمام نہ کیا جاتا تو اسلام کو ناقابل تلافی نقصان پہنچتا۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے لئے مختلف تدبیریں اختیار کیں۔ سب سے اول یہ کہ ہر جگہ تاکید احکام بھیجے کہ قرآن مجید کے ساتھ صحت الفاظ و صحت اعراب کی بھی تعلیم دی جائے۔ ان کے خاص الفاظ حسب

روایت ابن ابی بناری یہ ہیں ”تعلّموا اعراب القرآن کما تعلّمون حفظہ“ اور مسند داری میں یہ الفاظ ہیں ”تعلّمون الفرائض والحدّ والسنن کما تعلّمون القرآن“۔

ادب اور عربیت کی تعلیم

دوسرے یہ کہ قرآن کی تعلیم کے ساتھ ادب اور عربیت کی تعلیم بھی لازمی کر دی تاکہ خود لوگ اعراب کی صحت و غلطی کی تمیز کر سکیں۔ تیسرے یہ حکم دیا کہ کوئی شخص جو لغت کا عالم نہ ہو قرآن نہ پڑھانے پائے۔ (کنز العمال جلد اول صفحہ 28۔ قرآن مجید کے بعد حدیث کا درجہ آتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اگرچہ حدیث کی ترویج میں نہایت کوشش کی۔ لیکن احتیاط کو ملحوظ رکھا اور یہ ان کی دقیقہ سنجی کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ وہ بجز مخصوص صحابہ کے عام لوگوں کو روایت حدیث کی اجازت نہیں دیتے تھے۔

حدیث کی تعلیم

شاہ ولی اللہ صاحب تحریر فرماتے ہیں، ”چنانچہ فاروق اعظم رحمۃ اللہ علیہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ را با جمعہ بکوفہ فرستاد و معتقل بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ و عبد اللہ بن مغفل و عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ، رلبہ بصرہ و عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ و ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ را بشام و بہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہ امیر شام بود قدغن بلیغ نوشت کہ از حدیث ایشان تجاوز نہ کند“ (ازالۃ الخفاء صفحہ 6 موطا امام محمد صفحہ 227)۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت حدیث کے متعلق جو اصول قائم کئے تھے وہ ان کی نکتہ سنجی کا بہت بڑا کارنامہ ہے۔ لیکن اس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔ ان کے ذاتی حالات میں ان کے فضل و کمال کا جہاں ذکر آئے گا ہم اس کے متعلق نہایت

تفصیل سے کام لیں گے۔

فقہ

حدیث کے بعد فقہ کا رتبہ ہے اور چونکہ مسائل فقہیہ سے ہر شخص کو ہر روز کام پڑتا ہے، اس لئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو اس قدر اشاعت دی کہ آج باوجود بہت سے نئے وسائل پیدا ہو جانے کے یہ نشر و اشاعت ممکن نہیں۔ مسائل فقہیہ کی ترویج کے لیے یہ تدبیریں اختیار کیں۔

مسائل فقہ کی اشاعت

جہاں تک وقت و فرصت مساعدت کر سکتی تھی خود بالمشافہ احکام مذہبی کی تعلیم کرتے تھے۔ جمعہ کے دن جو خطبہ پڑھتے تھے اس میں تمام ضروری احکام اور مسائل بیان کرتے تھے۔ حج کے خطبے میں حج کے مناسک اور احکام بیان فرماتے تھے۔ موطاء امام محمد میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرفات میں خطبہ پڑھا اور حج کے تمام مسائل تعلیم کئے۔ اسی طرح شام و بیت المقدس وغیرہ کے سفر میں وقتاً فوقتاً جو مشہور اور پر اثر خطبے پڑھے ان میں اسلام کے تمام مہمات اصول اور ارکان بیان کئے اور چونکہ ان موقعوں پر بے انتہا مجمع ہوتا تھا اس لئے ان مسائل کا اس قدر اعلان ہو جاتا تھا کہ کسی اور تدبیر سے ممکن نہ تھا۔ دمشق میں بمقام جلیبیہ جو مشہور خطبہ پڑھا، فقہانے اس کو بہت سے مسائل فقہیہ کے حوالے سے جا بجا نقل کیا ہے۔

وقتاً فوقتاً عمال اور افسروں کو مذہبی احکام اور مسائل لکھ کر بھیجا کرتے تھے۔ مثلاً نماز پنجگانہ کے اوقات کے متعلق جس کے تعین میں مجتہدین آج تک مختلف ہیں۔ تمام عمال کو ایک

مفصل ہدایت نامہ بھیجا۔ امام مالک رحمہ اللہ علیہ نے اپنی کتاب مؤطا میں بعینہ اس کی عبارت نقل کی ہے۔ اسی مسئلہ کے متعلق ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو تحریر بھیجی اس کو بھی امام مالک نے بالفاظہا نقل کیا ہے۔ وہ نمازوں کے جمع کرنے کی نسبت تمام ممالک مفتوحہ میں تحریری اطلاع بھیجی کہ جائز ہے۔^(۱)

سن 14 ہجری میں جب نماز تراویح جماعت کے ساتھ قائم کی، تمام اضلاع کے افسروں کو لکھا کہ ہر جگہ اس کے مطابق عمل کیا جائے۔ زکوٰۃ کے متعلق تمام احکام مفصل لکھ کر ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دیگر افسران ملک کے پاس بھیجے۔ اس تحریر کا عنوان جیسا شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے نقل کیا ہے یہ تھا۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ ہذا کتاب الصدقۃ الخ قضا اور شہادت کے متعلق ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو تحریر بھیجی تھی اس کو ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔ مہمات مسائل کے علاوہ فقہ کے مسائل جزئیہ بھی عمال کو لکھ کر بھیجا کرتے تھے۔

حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک دفعہ ایک خط لکھا کہ میں نے سنا ہے کہ مسلمان عورتیں حماموں میں جا کر عیسائی عورتوں کے سامنے بے پردہ نہاتی ہیں۔ لیکن مسلمان عورت کو کسی غیر مذہب والی عورت کے سامنے بے پردہ ہونا جائز نہیں۔ روزہ کے متعلق تمام عمال کو تحریری حکم بھیجا کہ لاکونوا من المسرین لفطرم۔ زید و ہب کا بیان ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان ہم لوگوں کے پاس آیا کہ ان المرأة لا تقوم تطوعا الا باذن زوجھا۔ ابو وائل کی روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہم لوگوں کو لکھا کہ ان لاهلۃ بعضھا اکبر من بعض۔ اسی طرح کی اور بہت سے بے شمار مثالیں ہیں۔

مسائل فقہیہ میں اجماع

یہ بات بھی لحاظ کے قابل ہے کہ جو فقہی احکام حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرامین کے ذریعہ شائع کرتے تھے، چونکہ شاہی دستور العمل کی حیثیت رکھتے تھے، اس لئے یہ احتیاط ہمیشہ ملحوظ رہتی تھی کہ وہ مسائل اجماعی اور متفق علیہ ہوں۔ چنانچہ بہت سے مسائل جن میں صحابہ کا اختلاف تھا ان کو مجمع صحابہ میں پیش کر کے پہلے طے کر لیا۔ مثلاً چور کی سزا جس کی نسبت قاضی ابو یوسف کتاب الخراج میں لکھتے ہیں۔ ان عمر استشار فی السارق فاجمعوا الخ (کتاب مذکور صفحہ 106)، غسل جنابت کی نسبت جب اختلاف ہوا تو تمام مہاجرین اور انصار کو جمع کیا اور یہ مسئلہ پیش کر کے سب سے رائے طلب کی۔ لوگوں نے مختلف رائے دیں۔ اس وقت فرمایا اتم اصحاب بدرو قد خلفتم فن بعد کم اشد اختلافاً۔ یعنی جب آپ لوگ اصحاب بدر میں ہو کر آپس میں مختلف الرائے ہیں تو آئندہ آنے والی نسلوں میں اور سخت اختلاف ہوگا۔ چنانچہ ازواج مطہرات سے یہ مسئلہ دریافت کیا گیا۔ اور ان کی رائے قطعی پاکر شائع کی گئی۔ (ازالہ الخفاء صفحہ 88)۔

جنازہ کی تکبیر میں نہایت اختلاف تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحابہ کو جمع کیا اور متفق بات طے ہوگئی یعنی چار تکبیر پر اتفاق ہو گیا۔

مسائل فقہیہ میں اجماع

اصلاح کے عمال اور افسر جو مقرر کرتے تھے ان کی یہ حیثیت بھی ملحوظ رکھتے تھے کہ عالم اور فقہیہ ہوں، چنانچہ بہت سے مختلف موقعوں پر اس کا اعلان کر دیا گیا تھا۔

ایک دفعہ مجمع عام میں خطبہ دیا، جس میں یہ الفاظ تھے۔ الی اشھد کم علی امر الامصار الی لم اعظم الیفقھوا الناس فی دھنم یعنی تم لوگوں کو گواہ کرتا ہوں کہ میں نے افسروں کو اس لیے بھیجا

ہے کہ لوگوں کو مسائل اور احکام بتائیں، یہ التزام ملکی افسروں تک محدود نہ تھا بلکہ فوجی افسروں میں بھی اس کا لحاظ کیا جاتا تھا۔ قاضی ابو یوسف لکھتے ہیں ان عمر بن الخطاب کان اذا جمع الیہ جیش من اهل الایمان بعث علیہم رجلاً من اهل الفقه والعلم۔ (کتاب الخراج صفحہ 67)۔ یہی نکتہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد کے فوجی اور ملکی افسروں میں ہم حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ، معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ کا نام پاتے ہیں جو ملکی اور فوجی قابلیت کے ساتھ علم و فضل میں بھی ممتاز تھے۔ اور حدیث و فقہ میں اکثر ان کا نام آتا ہے۔ تمام ممالک محروسہ میں فقہاء اور معلم متعین کئے کہ لوگوں کو مذہبی احکام کی تعلیم دیں، مؤرخین نے اگرچہ اس امر کو کسی خاص عنوان کے تحت نہیں لکھا اور اس وجہ سے ان معلموں کی صحیح تعداد معلوم نہیں ہو سکتی۔

فقہ کی تعلیم کا انتظام

تاہم جتنے جتنے تصریحات سے اندازہ ہو سکتا ہے ہر شہر میں متعدد فقہاء اس کام پر مامور تھے۔ مثلاً عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حالات میں صاحب اسد الغابہ نے لکھا ہے کہ ”یہ منجملہ ان دس بزرگوں کے ہیں جن کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بصرہ بھیجا تھا کہ فقہ کی تعلیم دیں۔ (اصل عبارت یہ ہے کان احد العشرة الذین بعثهم عمر الی البصرة یتفقہون الناس 14)۔ عمران بن الحصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو بہت بڑے رتبہ کے صحابی تھے، ان کی نسبت علامہ ذہبی طبقات الحفاظ میں لکھتے ہیں۔

وکان ممن بعثهم عمر بن الخطاب الی اهل البصرة یتفقہون یعنی ان لوگوں میں ہیں جن کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بصرہ میں فقہ کی تعلیم کے لیے شام بھیجا تھا۔ عبد الرحمن بن غنم رضی

اللہ تعالیٰ کے حال میں ”طبقات الحفاظ“ میں لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو تعلیم فقہ کے لیے شام بھیجا تھا اور صاحب اسد الغابہ نے انہی کے حالات میں لکھا ہے ”یہی وہ شخص ہیں کہ جنہوں نے شام میں تابعین کو فقہ سکھائی۔ عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حال میں لکھا ہے کہ جب شام فتح ہوا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو اور معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابودرداء کو شام میں بھیجا تا کہ لوگوں کو قرآن پڑھائیں اور فقہ سکھائیں۔ جلال الدین سیوطی نے حسن الحاضرہ فی اخبار المصر والقاهرہ میں حسان بن ابی جبلة کی نسبت لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو مصر میں فقہ کی تعلیم پر مامور کیا تھا۔ ان فقہاء کے درس کا طریقہ یہ تھا کہ مساجد کے صحن میں ایک طرف بیٹھ جاتے تھے۔ اور شائقین نہایت کثرت سے ان کے گرد حلقے کی صورت میں جمع ہو کر فقہی مسائل پوچھتے جاتے تھے۔ اور وہ جواب دیتے جاتے تھے۔ ابو مسلم خولانی کا بیان ہے کہ میں حمص کی مسجد میں داخل ہوا تو دیکھا کہ 30 بڑے بڑے صحابہ وہاں تشریف رکھتے تھے۔ اور مسائل پر گفتگو کرتے تھے۔ لیکن جب ان کو کسی مسئلہ میں شک پڑتا تو ایک نوجوان شخص کی طرف رجوع کرتے تھے۔ میں نے لوگوں سے اس نوجوان کا نام پوچھا تو پتہ چلا معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ لیث بن سعد کا بیان ہے کہ ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب مسجد میں آتے تھے تو ان کے ساتھ لوگوں کا اس قدر ہجوم ہوتا تھا جیسے بادشاہ کے ساتھ ہوتا ہے اور یہ سب لوگ ان سے مسائل دریافت کرتے تھے۔^(۱)

فقہاء کی تنخواہیں

ابن جوزی کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان فقہاء کی

۱۔ (تذکرہ الحفاظ ترجمہ معاذ بن جبل 12)۔

تنخواہیں بھی مقرر کی تھیں۔ اور درحقیقت تعلیم کا مرتب اور منظم سلسلہ بغیر اس کے قائم نہیں ہو سکتا تھا۔

معلمین فقہ کی رفعت شان

یہ بات خاص طور پر ذکر کے قابل ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جن لوگوں کو تعلیم فقہ کے لیے انتخاب کیا تھا، مثلاً معاذ بن جبل، ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عبادہ بن الصامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عبد الرحمن بن غنم، عمران بن حصین اور عبد اللہ بن مغفل تمام جماعت اسلام میں منتخب تھے۔ اس کی تصدیق کے لئے اسد الغابہ اور اصابہ وغیرہ میں ان لوگوں کے حالات دیکھنے چاہئیں۔^①

ہر شخص فقہ کی تعلیم کا مجاز نہ تھا

ایک بات اور بھی لحاظ کے قابل ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس بات کی بڑی احتیاط کی کہ ہر شخص فقہ کے مسائل بیان کرنے کا مجاز نہ ہو۔ مسائل بھی خاص کر وہ تعلیم دیئے جاتے تھے جن پر صحابہ کا اتفاق رائے ہو چکا تھا۔ یا جو مجمع صحابہ میں پیش ہو کر طے کر لئے جاتے تھے۔ چنانچہ اس کی پوری تفصیل شاہ ولی اللہ صاحب نے نہایت خوبی سے لکھی ہے۔ ہم اس کے جستہ جستہ فقرے جو ہمارے بحث سے متعلق ہیں، اس مقام پر نقل کرتے ہیں۔

معہذ البدع مزمخ خلفہ بر چیزے مجال مخالفت نبود، در جمیع ایں امور شذردن زرنیر قند و بدون استطلاع رائے خلیفہ کارے را مصمم نمی ساختند لہذا دریں عصر اختلاف مذہب و تشت آر واقع نشد، ہمہ بر یک مذہب متفق، بر یک راہ مجتمع۔ چوں ایام خلافت خاصہ بالکلیہ متفرض

شد و خلافت عامہ ظہور نمود علماء و در ہر بلدے مشغول با فادہ شدند۔ ابن عباس در مکہ فتویٰ می و ہدو عاکشہ صدیقہ و عبد اللہ بن عمر در مدینہ حدیث را روایت می نمائند و ابو ہریرہ اوقات خود را بر اکثار، روایت حدیث مصروف مے سازو۔ بالجملہ دریں ایام اختلاف فتاویٰ پیدا شد یکے را بر رائے دیگر اطلاع نہ اگر اطلاع شدہ مذاکرہ واقع نہ و اگر مذاکرہ بمیان آمد از املت شبہ و خروج از مضیق اختلاف بفضائے اتفاق میسر نہ، اگر تنبیہ کئی روایت علمائے صحابہ کہ پیش از انقضای خلافت خاصہ از عالم گزشتہ اند بغایت کم یابی۔ و جمعے کہ اور ایام خلافت زندہ اند ہرچہ روایت کردہ اند۔ بعد ایام خلافت خاصہ رویت کردہ اند ہر چند جمیع صحابہ عدول اند و روایت ایشان مقبول و عمل بموجب آنچہ بروایت صدق ایشان ثابت شود لازم اما در میان آنچہ حدیث و فقہ و در زمن فاروق اعظم بود آنچہ بعد وے حادث شدہ فرق مابین السموت والارض ست۔^(۱)

عملی انتظام

یہ تمام امور جن کا او پر ذکر ہوا علمی سلسلے سے تعلق رکھتے تھے۔ عملی صیغے پر بھی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نہایت توجہ کی۔ اور ہر قسم کے ضروری انتظامات قائم کئے۔

اماموں اور مؤذنوں کا تقرر

ہر شہر و قصبہ میں امام و مؤذن مقرر کئے اور بیت المال سے ان کی تنخواہیں مقرر کیں۔ علامہ ابن الجوزی سیرۃ العمر میں لکھتے ہیں۔ ان عمر بن الخطاب و عثمان بن عفان کان یرزقان المؤمنین والائمة۔ موطا امام محمد سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجد نبوی میں صفوں کے درست کرنے

کے لیے خاص اشخاص مقرر تھے۔۔ حج کے زمانے میں اس کام پر لوگ مامور ہوتے تھے کہ حاجیوں کو مقام منیٰ میں پہنچا کر آئیں۔ یہ اس غرض سے کہ اکثر لوگ ناواقفیت سے عقبہ کے اسی طرف ٹھہر جاتے تھے حالانکہ وہاں ٹھہرنا مناسک حج میں محسوب نہ تھا۔^(۱)

حاجیوں کی قافلہ سالاری

چونکہ عہد خلافت میں متصل 10 حج کئے اس لئے امیر حجاج ہمیشہ خود ہوتے تھے اور حجاج کی خبر گیری کی خدمت خود انجام دیتے تھے۔

مساجد کی تعمیر

تمام ممالک مفتوحہ میں نہایت کثرت سے مسجدیں تعمیر کرائیں۔ (موطا امام محمد صفحہ 229)۔ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو کوفہ کے حاکم تھے، لکھا کہ بصرہ میں ایک جامع مسجد اور ہر قبیلہ کے لیے الگ الگ مسجدیں تعمیر کی جائیں۔ سعد وقاص اور عمر بن العاص کو بھی اسی قسم کے احکام بھیجے۔ شام کے تمام عمال کو لکھا کہ ہر شہر میں ایک ایک مسجد تعمیر کی جائے۔ چنانچہ یہ مسجدیں آج بھی جامع عمری کے نام سے مشہور ہیں۔ گوان کی اصلی عمارت اب باقی نہیں رہی۔ ایک جامع عمری میں، جو بیروت میں واقع ہے، راقم کو بھی نماز ادا کرنے کا شرف حاصل ہوا ہے۔ محدث جمال الدین نے روضۃ الاحباب میں لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں چار ہزار مسجدیں تعمیر ہوئیں۔ یہ خاص تعداد گو قطعی نہ ہو لیکن کچھ شبہ نہیں کہ مساجد فاروقی کا شمار ہزاروں سے کم نہ تھا۔

حرم محترم کی وسعت

حرم محترم کی عمارت کو وسعت دی اور اس کی زیب و زینت پر توجہ کی۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ اسلام کو جو روز افزوں وسعت ہوتی جاتی تھی۔ اس کے لحاظ سے حرم محترم کی عمارت کافی نہ تھی۔ اس لئے سنہ 17 ہجری میں گرد و پیش کے مکانات مول لے کر ڈھادیئے اور ان کی زمین حرم کے صحن میں شامل کر دی۔ اس زمانے تک حرم کے گرد کوئی دیوار نہ تھی اور اس لئے اس کی حد عام مکانات سے ممتاز نہ تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے احاطہ کی دیوار کھنچوائی اور اس سے یہ کام بھی لیا کہ اس پر رات کو چراغ جلائے جاتے تھے۔ (موطا امام محمد صفحہ 229)۔ کعبہ پر غلاف اگرچہ ہمیشہ سے چڑھایا جاتا تھا۔ چنانچہ جاہلیت میں بھی قطع کا غلاف چڑھاتے تھے۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قبلی کا بنوایا جو نہایت عمدہ قسم کا کپڑا ہوتا ہے۔^①

اور مصر میں بنایا جاتا ہے، حرم کی حدود سے (جو کسی طرف سے تین میں اور کسی طرف سے 7 میل اور 9 میل ہیں) چونکہ بہت سے شرعی احکام متعلق ہیں چنانچہ اسی غرض سے ہر طرف پتھر کھڑے کر دیئے گئے تھے جو انصاف حرم کہلاتے تھے۔ اس لئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سن 17 ہجری میں نہایت اہتمام اور احتیاط سے اس کی تجدید کی۔ صحابہ میں جو لوگ حدود حرم کے پورے واقف کار تھے یعنی مخزومہ بن نوفل، ازہر بن عبدعوف، جو یطیب بن عبد العزی، سعید بن یربوع کو اس کام پر مامور کیا اور نہایت جانچ کے ساتھ پتھر نصب کئے گئے۔

۱۔ (الاحکام السلطانیۃ للامام وردی 154 فتوح البلدان صفحہ 26)۔

مسجد نبوی کی وسعت اور مرمت

مسجد نبوی کو بھی نہایت وسعت اور رونق دی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں جو عمارت تیار ہوئی تھی وہ اس عہد کے لئے کافی تھی۔ لیکن مدینہ کی آبادی روز بروز ترقی کرتی جاتی تھی۔ اور اس وجہ سے نمازیوں کی تعداد بڑھتی جاتی تھی۔ سنہ 17 ہجری میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو وسیع کرنا چاہا۔ گرد و پیش کے تمام مکانات قیمت دے کر خرید لئے۔ لیکن حضرت عباس نے اپنے مکان کے بیچنے سے انکار کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کافی معاوضہ دیتے تھے۔ اور حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کسی طرح راضی نہ ہوتے تھے۔ آخر مقدمہ ابی بن کعب کے پاس گیا۔ انہوں نے فیصلہ کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جبراً خریدنے کا کوئی حق نہیں۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اب میں بلا قیمت عامہ مسلمین کے لئے دے دیتا ہوں۔ غرض ازواج مطہرات کے مکانات کو چھوڑ کر باقی جس قدر عمارتیں تھیں گرا کر مسجد کو وسعت دی گئی۔ پہلے طول 100 گز تھا، انہوں نے 140 گز کر دیا۔ اسی طرح عرض میں جس قدر ستون وغیرہ لکڑی کے تھے اسی طرح رہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسجد کی تجدید کے ساتھ ایک گوشہ میں ایک چوترا بھی بنوایا۔ اور لوگوں سے کہا کہ جس کو بات چیت کرنی ہو یا شعر پڑھنا ہو اس کے لیے یہ جگہ ہے۔^(۱)

مسجد میں فرش اور روشنی کا انتظام

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پہلے مسجد میں روشنی کا کچھ سامان نہیں تھا۔ اس کی ابتداء بھی

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں ہوئی۔ یعنی ان کی اجازت سے تمیم داری نے مسجد میں چراغ جلائے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسجد میں خوشبو اور بخور کا انتظام بھی کیا جس کی ابتداء یوں ہوئی کہ ایک دفعہ مال غنیمت میں عود کا ایک بٹل آیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسلمانوں کو تقسیم کرنا چاہا۔ لیکن وہ کافی نہ تھا۔ حکم دیا کہ مسجد میں صرف کیا جائے کہ تمام مسلمانوں کے کام آئے۔ چنانچہ مؤذن کے حوالہ کیا۔ وہ ہمیشہ جمعہ کے دن انگلیٹھی میں جلا کر نمازیوں کے سامنے پھرتا تھا۔ اور ان کے کپڑے بساتا تھا۔ (خلاصۃ الوفا صفحہ 174)۔ فرش کا انتظام بھی اول حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہی کیا۔ لیکن یہ کوئی پر تکلف قالین اور شطرنجی دری کا فرش نہ تھا بلکہ اسلام کی سادگی یہاں بھی قائم تھی یعنی چٹائی کا فرش تھا جس سے مقصود یہ تھا کہ نمازیوں کے کپڑے گرد و خاک میں آلودہ نہ ہوں۔

متفرق انتظامات

حکومت کے متعلق بڑے بڑے انتظامی صیغوں کا حال اوپر گزر چکا ہے لیکن ان کے علاوہ اور بہت سے جزئیات ہیں جن کے لئے جدا جدا عنوان قائم نہیں کئے جاسکتے تھے۔ اس لئے ان کو یکجا لکھنا زیادہ موزوں ہوگا۔ ان میں سے ایک دفتر اور کاغذات کی ترتیب اور اس کی ضرورت سے سن اور سال قائم کرنا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پہلے ان چیزوں کا وجود نہ تھا۔ عام واقعات کے یاد رکھنے کے لئے جاہلیت میں بعض واقعات سے سنہ کا حساب کرتے تھے۔ مثلاً ایک زمانے تک کعب بن لوی کی وفات سے سال کا شمار ہوتا تھا۔ پھر عام الفیل قائم ہوا۔ یعنی سال ابراہیمۃ الاثرم نے کعبہ پر حملہ کیا تھا پھر عام الفجار اور اس کے بعد اور مختلف سنہ قائم ہوئے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مستقل سنہ (سنہ ہجری) قائم کیا جو آج تک جاری ہے۔

سنہ ہجری مقرر کرنا

اس کی ابتداء یوں ہوئی کہ سنہ 21 ہجری میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے ایک چمک پیش ہوئی، صرف شعبان کا لفظ لکھا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ یہ کیونکر معلوم ہو گزشتہ شعبان کا مہینہ مراد ہے یا موجودہ۔ اسی وقت مجلس شوریٰ منعقد کی۔ تمام بڑے بڑے صحابہ جمع ہوئے اور یہ مسئلہ پیش کیا گیا، اکثر نے رائے دی کہ فارسیوں کی تقلید کی جائے۔ چنانچہ ہرمزان جو خورستان کا بادشاہ تھا اور اسلام لا کر مدینہ منورہ میں مقیم تھا طلب کیا گیا۔ اس نے کہا کہ ہمارے ہاں جو حساب ہے وہ اس کو ماہ روز کہتے ہیں۔ اور اس میں تاریخ اور مہینہ دونوں کا ذکر ہوتا ہے۔ اس کے بعد یہ بحث پیدا ہوئی کہ سنہ کی ابتداء کب سے قرار دی جائے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہجرت نبوی کی رائے دی اور اسی پر سب کا اتفاق ہو گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ربیع الاول میں ہجرت فرمائی تھی۔ یعنی سال میں دو مہینے آٹھ دن گزر چکے تھے اس لحاظ سے ربیع الاول سے آغاز ہونا چاہیے تھا۔ لیکن چونکہ عرب میں سال محرم سے شروع ہوتا ہے اس لیے دو مہینے آٹھ دن پیچھے ہٹ کر سال شروع سے سنہ قائم کیا۔^۱

عرب میں اگرچہ قدیم سے لکھنے پڑھنے کا فی الجملہ رواج تھا۔ چنانچہ جب اسلام کا زمانہ آیا تو صرف ایک قریش قبیلہ میں 17 شخص لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ لیکن حساب کتاب سے عموماً لوگ بے بہرہ تھے۔ یہاں تک کہ جب سنہ 14 ہجری میں ابلہ فتح ہوا تو تمام فوج میں ایک شخص نہ تھا جسے حساب کتاب آتا ہو اور جو مال غنیمت کو قاعدے سے تقسیم کر سکتا۔ مجبوراً لوگوں نے ایک چودہ سالہ لڑکے یعنی زیاد بن ابی سفیان کی طرف رجوع کیا۔ اور اس صلے

میں اس کی تنخواہ دو درہم یومیہ مقرر کی۔ یا تو یہ حالت تھی یا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بدولت نہایت خوبی سے ہر قسم کے مفصل کاغذات اور نقشے تیار ہوئے۔

مختلف قسم کے رجسٹر

سب سے مشکل اور پر پیچ روزینہ داروں کا حساب تھا۔ جو اہل عطا کہلاتے تھے اور جن میں ہر قسم کی فوجیں بھی شامل تھیں۔ ان کی تعداد لاکھوں سے متجاوز تھی۔ اور مختلف گروہوں کو مختلف حیثیتوں سے تنخواہ ملتی تھی۔ مثلاً بہادری کے لحاظ سے، شرافت کے لحاظ سے، پچھلی کار گزاریوں کے لحاظ سے، اس کے ساتھ قبائل کی تفریق بھی ملحوظ تھی۔ یعنی ہر ہر قبیلہ کا جدا جدا رجسٹر تھا۔ اور ان میں بھی مختلف وجوہ کے لحاظ سے ترتیب قائم رکھی جاتی تھی۔ اس صیغے کے حساب و کتاب کی درستی کے لئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بڑے بڑے قابل لوگوں کو مامور کیا۔ مثلاً دار الخلافہ میں عقیل بن ابی طالب، مخزومہ بن نوفل، جبیر بن مطعم کو، بصرہ میں مغیرہ بن شعبہ کو، کوفہ میں عبداللہ بن خلف کو۔

دفتر خراج

تمام دفتر جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں، فارسی، شامی اور قبطی، زبان میں رہا کیونکہ عرب میں اس فن کو اس قدر ترقی نہیں ہوئی تھی کہ یہ دفتر عربی زبان میں منتقل ہو سکتا۔

بیت المال کے کاغذات کا حساب

بیت المال کا حساب نہایت صحت سے مرتب رہتا تھا۔ زکوٰۃ اور صدقہ میں جو مولیٰ آتے تھے بیت المال سے متعلق تھے۔ چنانچہ ان کے رجسٹر تک نہایت تفصیل سے مرتب ہوتے

تھے۔ جانوروں کا حلیہ رنگ اور عمر تک لکھی جاتی تھی۔ اور بعض وقت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے۔^(۱)

مصارف جنگ کے کاغذات

مصارف جنگ اور مال غنیمت کا حساب ہمیشہ افسروں سے طلب کیا جاتا تھا۔ چنانچہ حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی معزولی اسی بناء پر ہوئی تھی کہ وہ کاغذات حساب کے بھیجنے کی ذمہ داری نہیں قبول کرتے تھے۔^(۲)

جلولہ کی فتح جو سنہ 16 ہجری میں واقع ہوئی تھی۔ زیاد بن ابی سفیان حساب کے کاغذات لے کر مدینہ آئے تھے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ملاحظہ کرایا تھا۔

مردم شماری کے کاغذات

زکوٰۃ اور جزیہ کی تشخیص کی ضرورت سے ہر مقام کی مردم شماری کرائی گئی تھی۔ اور اس کے کاغذات نہایت اہتمام سے محفوظ رکھے گئے تھے۔ چنانچہ مصر و عراق کی مردم شماری کا حال مقریزی اور طبری نے تفصیل سے لکھا ہے۔ خاص خاص صفتوں کے لحاظ سے بھی نقشے تیار کرائے گئے تھے۔ مثلاً سعد و قاص کو حکم بھیجا کہ جس قدر آدمی قرآن پڑھ سکتے ہیں ان کی فہرست تیار کی جائے۔ شاعروں کی فہرست بھی طلب کی گئی تھی۔ چنانچہ اس کا ذکر کسی اور موقع پر آئے گا۔

مفتوح ممالک کی قوموں یا اور لوگوں سے جس قدر تحریری معاہدے ہوتے تھے وہ نہایت

۱۔ (طبری صفحہ 2736)۔

۲۔ (الاصابہ فی احوال الصحابہؓ ذکرہ خالد بن ولید)

حفاظت سے ایک صندوق میں رکھے جاتے تھے۔ جو خاص حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اہتمام میں رہتا تھا۔^①

کاغذات حساب لکھنے کا طریقہ

اس موقع پر یہ بتادینا بھی ضروری ہے کہ اس وقت تک حساب کتاب کے لکھنے کا طریقہ یہ تھا کہ مستطیل کاغذ پر لکھتے اور اس کو لپیٹ کر رکھتے تھے۔ بعینہ اس طرح جس طرح ہمارے ملک میں مہاجنوں کی بہیاں ہوتی ہیں۔ کتاب اور رجسٹر کا طریقہ خلفہ سفاح کے زمانے میں اس کے وزیر خالد برکی نے ایجاد کیا۔

سکہ

سکہ کی نسبت اگرچہ عام مؤرخوں نے لکھا ہے کہ عرب میں سب سے پہلے جس نے سکہ جاری کیا وہ عبد الملک بن مروان ہے۔ لیکن علامہ مقریزی کی تحریر سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کے موجد بھی عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی ہیں۔ چنانچہ اس موقع پر ہم علامہ موصوف کی عبارت کا لفظی ترجمہ کرتے ہیں۔

جب امیر المومنین خلیفہ ہوئے اور خدا نے ان کے ہاتھ پر مصر و شام و عراق فتح کیا تو انہوں نے سکہ کے معاملہ میں کچھ دخل نہ دیا۔ بلکہ پرانے سکہ کو جو جاری تھا بحال رہنے دیا۔ سنہ 18 ہجری میں جب مختلف مقامات سے سفارتیں آئیں تو بصرہ سے بھی سفراء آئے جن میں اختف بن قیس بھی شامل تھے۔ اختف نے باشندگان بصرہ کی ضروریات اور حاجتیں بیان کیں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی درخواست پر معقل بن یسار کو بھیجا۔ جنہوں نے بصرہ میں ایک نہر تیار کرائی جس کا نام نہر معقل ہے اور جس کی نسبت یہ فقرہ مشہور ہے۔

اذا جاء نهر الله بطل نهر معقل۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی زمانے میں یہ انتظام کیا کہ ہر شخص کے لئے ایک جریب غلہ اور دو درہم ماہوار مقرر کئے۔ اسی زمانے میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے سکے کے درہم جاری کئے۔ جو نو شیروانی سکہ کے مشابہ تھے۔ البتہ اتنا فرق تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سکوں پر الحمد للہ اور بعض سکوں پر محمد رسول اللہ اور بعض پر لا الہ الا اللہ وحدہ لکھا ہوتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اخیر زمانے میں دس درہم مجموعی رقم کا وزن چھ مثقال کے برابر ہوتا تھا۔^(۱)

یہ مقرری کی خاص روایت ہے لیکن اس قدر عموماً مسلم ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سکہ میں ترمیم و اصلاح کی۔ علامہ ماوردی نے الاحکام السلطانیہ میں لکھا ہے کہ ایران میں تین قسم کے درہم تھے۔ بغلی آٹھ دانگ کا، طبری چار دانگ کا، مغربی تین دانگ کا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکم دیا کہ بغلی چونکہ زیادہ چلتے ہیں اس لئے دونوں کو ملا کر ان کا نصف اسلامی درہم قرار دیا جائے۔ چنانچہ اسلامی درہم چھ دانگ کا قرار پایا۔^(۲)

ذمی رعایا کے حقوق

(ذمی سے وہ قومیں مراد ہیں جو مسلمان نہ تھیں لیکن ممالک اسلام میں سکونت رکھتی تھیں)

پارسیوں اور عیسائیوں کا برتاؤ غیر قوموں کے ساتھ

۱۔ (دیکھو کتاب الفقو والاسلامیہ المقرری مطبوعہ مطبع جواب سنہ 1298 ہجری صفحہ 574)۔

۲۔ (الاحکام السلطانیہ للماوردی صفحہ 167)۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ذی رعایا کو جو حقوق دیئے تھے اس کا مقابلہ اگر اس زمانے کی دوسرے سلطنتوں سے کیا جائے تو کسی طرح کا تناسب نہ ہوگا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہمسایہ میں جو سلطنتیں تھیں وہ روم و فارس تھیں۔ ان دونوں سلطنتوں میں غیر قوموں کے حقوق غلاموں سے بھی بدتر تھے۔ شام کے عیسائی باوجود یکہ رومیوں کے ہم مذہب تھے۔ تاہم ان کو اپنی مقبوضہ زمینوں پر کسی قسم کا مالکانہ حق حاصل نہیں تھا بلکہ وہ خود بھی ایک قسم کی جائیداد خیال کئے جاتے تھے۔ چنانچہ زمین کے انتقال کے ساتھ وہ بھی منتقل ہو جاتے تھے۔ اور مالک سابق کو ان پر جو مالکانہ اختیارات حاصل تھے وہی قابض حال کو حاصل ہو جاتے تھے۔ یہودیوں کا حال اور بھی بدتر تھا بلکہ اس قابل نہ تھا کہ کسی حیثیت سے ان پر رعایا کا اطلاق ہو سکتا۔ کیونکہ رعایا آخر کار کچھ نہ کچھ حق رکھتی ہے۔ اور وہ حق کے نام سے بھی محروم تھے۔ فارو میں جو عیسائی تھے انکی حالت اور بھی زیادہ رحم کے قابل تھی۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب ان ممالک کو زیر نگین کیا تو دفعۃً وہ حالت بدل گئی۔ جو حقوق ان کو دیئے گئے، ان کے لحاظ سے گویا وہ رعایا نہیں رہے بلکہ اس قسم کا تعلق رہ گیا جیسا کہ دو برابر کے معاہدہ کرنے والوں میں ہوتا ہے۔ مختلف ممالک کی فتح کے وقت جو معاہدے لکھے گئے ہم ان کو اس مقام پر بعینہ نقل کرتے ہیں جس سے اس دعویٰ کی تصدیق ہوگی۔ اور ساتھ ہی اس بات کے موازنہ کا موقع ملے گا کہ یورپ نے اس قسم کے حقوق کبھی غیر قوم کو نہیں دیئے ہیں۔

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ تاریخوں میں جو معاہدے منقول ہیں ان میں بعض مفصل باقی مجمل ہیں۔ کیونکہ مفصل شرائط کا بار بار اعادہ کرنا تطویل عمل کا باعث تھا۔ اس لیے اکثر معاہدوں

میں کسی مفصل معاہدے کا حوالہ دیا گیا ہے۔ بیت المقدس کا معاہدہ جو خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی موجودگی میں اور ان کے الفاظ میں لکھا گیا حسب ذیل ہے۔

بیت المقدس کا معاہدہ

هذا ما اعطى عبد الله عمر امير المؤمنين اهل ايليا من الامان اعطاهم امانا لا نفهم واموالهم ولكنا نفهم وصلبا نفهم وسقيها بريها وسائر ملتها انه لا يسكن كناسهم ولا تهدم ولا ينقض منها ولا من حيزها ولا من صلبيهم ولا كن شئ من اموالهم ولا يكرهون على دينهم ولا يضار احد من اليهود وعلى اهل ايلياء ان يعطوا الجزية كما يعطى اهل المدائن عليهم ان يخرجوا منها الروم واللصوص فمن خرج منهم فهو امن على نفسه وماله حتى يبلغوا ما منهم ومن اقام منهم فهو امن وعليه مثل اهلا ايلياء من الجزية ومن احب من اهل ايلياء ان يسير بنفسه وماله مع الروم ويخلى بينهم وصلبيهم فانهم آمنون على انفسهم وعلى دينهم وصلبيهم حتى يبلغوا ما منهم وعلى ما في هذا الكتاب عده الله وذمة رسوله وذمة الخلفاء وذمة الكومنين اذا اعطوا الذي عليهم من الجزية شهد على ذلك خالد بن الوليد وعمر بن العاص وعبد الرحمن بن عوف ومعاوية ابى سفيان وكتب وحضر سنة 15 هجرى۔^(۱)

یہ

وہ امان ہے جو خدا کے غلام امیر المؤمنین عمر نے ایلیا کے لوگوں کو دی۔ یہ امان ان کی جان، مال، گرجا، صلیب، تندرست، بیمار اور ان کے تمام مذہب والوں کے لیے ہے اس طرح پر کہ ان کے گرجاؤں میں نہ سکونت کا جائے گی۔ نہ وہ ڈھائے جائیں گے نہ ان کو اور نہ ان کے احاطہ کو کچھ نقصان پہنچایا جائے گا۔ نہ ان کی صلیبوں اور ان کے مال میں کچھ کمی کی جائے گی۔ مذہب کے بارے میں ان پر جبر نہ کیا جائے گا۔ نہ ان میں سے کسی کو نقصان

۱۔ (دیکھو تاریخ ابو جعفر جریر طبری فتح بیت المقدس ۱۲)۔

پہنچایا جائے گا۔ ایلیاء میں ان کے ساتھ یہودی نہ رہنے پائیں گے۔ ایلیاء والوں پر یہ فرض ہے کہ اور شہروں کی طرح جزیہ دیں گے اور یونانیوں اور چوروں کو نکال دیں۔ ان یونانیوں میں سے جو شہر سے نکلے گا اس کی جان اور مال کو امن ہے تا آ کہ وہ اپنی جائے پناہ میں پہنچ جائے اور جو ایلیاء ہی میں رہنا اختیار کرے اس کو بھی امن ہے اور اس کو جزیہ دینا ہوگا اور ایلیاء والوں میں سے جو شخص اپنی جان اور مال لے کر یونانیوں کے ساتھ چلا جانا چاہے تو ان کو اور ان کے گرجاؤں کو اور صلیبوں کو امن ہے یہاں تک کہ وہ اپنی جائے پناہ تک پہنچ جائیں اور جو کچھ اس تحریر میں ہے اس پر خدا کا رسول خدا کے خلیفہ کا اور مسلمانوں کا ذمہ ہے۔ بشرطیکہ یہ لوگ جزیہ مقررہ ادا کرتے رہیں۔ اس تحریر پر گواہ ہیں خالد بن الولید اور عمرو العاص اور عبدالرحمن بن عوف اور معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور یہ 15 ہجری میں لکھا گیا۔

اس فرمان میں صاف تصریح ہے کہ عیسائیوں کے جان، مال اور مذہب ہر طرح سے محفوظ رہے گا اور یہ ظاہر ہے کہ کسی قوم کو جس قدر حقوق حاصل ہو سکتے ہیں انہی تین چیزوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ گرجے اور چرچ کی نسبت یہ تفصیل ہے کہ نہ تو وہ توڑے جائیں گے نہ ان کی عمارت کو کسی قسم کا نقصان پہنچایا جائے گا نہ ان کے احاطوں میں دست اندازی کی جائے گی۔

مذہبی آزادی کی نسبت دوبارہ تصریح ہے کہ لائیکرہون علی دتھم عیسائیوں کے خیال میں چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہودیوں نے صلیب دے کر قتل کیا تھا اور یہ واقعہ خاص بیت المقدس میں پیش آیا تھا۔ اس لیے ان کی خاطر سے یہ شرط منظور کی کہ یہودی بیت المقدس میں نہ رہیں گے۔ یونانی باوجود اس کے کہ مسلمانوں سے لڑتے تھے اور درحقیقت وہی

مسلمانوں کے اصلی عدو تھے۔ تاہم ان کے لیے یہ رعایتیں ملحوظ رکھیں کہ بیت المقدس میں رہنا چاہیں تو رہ سکتے ہیں۔ اور نکل جانا چاہیں تو نکل کر جا سکتے ہیں۔ دونوں حالتوں میں ان کو امن حاصل ہوگا۔ اور ان کے گرجاؤں اور معبدوں سے کچھ تعرض نہ کیا جائے گا۔ سب سے بڑھ کر بیت المقدس کے عیسائی اگر یہ چاہیں گے کہ وطن سے نکل کر رومیوں سے جا ملیں تو اس پھر بھی کچھ تعرض نہ کیا جائے گا۔ بلکہ ان کے گرجے وغیرہ جو بیت المقدس میں ہیں محفوظ رہیں گے۔ کیا کوئی قوم مفتوحہ ملک کے ساتھ اس سے بڑھ کر منصفانہ برتاؤ کر سکتی ہے؟ سب سے مقدم امر یہ ہے کہ ذمیوں کی جان و مال کو مسلمانوں کی جان و مال کے برابر قرار دیا گیا۔ کوئی مسلمان اگر کسی ذمی کو قتل کر ڈالتا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فوراً اس کے بدلے مسلمان کو قتل کر دیتے تھے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ نے ایک روایت نقل کی ہے کہ قبیلہ بکر بن وائل کے ایک شخص نے حیرۃ کے ایک عیسائی کو مار ڈالا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لکھ بھجھا کہ قاتل، مقتول کے وارثوں کو دیا جائے۔ چنانچہ وہ شخص مقتول کے وارث کو جس کا نام حنین تھا، حوالہ کیا گیا۔ اور اس نے اس کو قتل کر ڈالا۔^(۱)

مال اور جائیداد کے متعلق کی حفاظت اس سے بڑھ کر کیا ہو سکتی ہے کہ جس قدر زمینیں ان کے قبضے میں تھیں اسی حیثیت سے بحال رکھیں۔ جس حیثیت سے فتح سے پہلے ان کے قبضے میں تھیں۔ یہاں تک کہ مسلمانوں کو ان زمینوں کا خریدنا بھی ناجائز قرار دیا گیا۔ چنانچہ اس بحث کو ہم تفصیل کے ساتھ حاصل ملکی کے بیان میں لکھ آئے ہیں۔

بند و بست مال گزاری میں ذمیوں کا خیال

مال گزاری میں جو شخص کی گئی وہ نہایت نرم اور ہلکی پھلکی تھی۔ اس پر بھی حضرت عمر رضی اللہ

تعالیٰ عنہ کو یہ خیال ہوا کہ کہیں ان پر سختی تو نہیں کی گئی۔ چنانچہ مرتے مرتے بھی یہ خیال نہ گیا۔ ہر سال یہ معمول تھا کہ جب عراق کا خراج آتا تو دس شخص کوفہ اور دس شخص بصرہ سے طلب کئے جاتے تھے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان سے چار دفعہ بتا کید قسم لیتے تھے کہ مال گزاری کے وصول کرنے کچھ سختی تو نہیں کی گئی ہے (کتاب الخراج)۔ وفات سے دو تین دن پہلے کا واقعہ ہے کہ افسران بندوبست کو بلایا اور تشخیص جمع کے متعلق ان سے گفتگو کی۔ اور بار بار پوچھتے رہے کہ جمع سخت تو نہیں مقرر کی گئی۔^①

ذمیوں سے ملکی انتظامات میں مشورہ

ایک بڑا حق جو رعایا کو حاصل ہو سکتا ہے یہ ہے کہ انتظامات ملکی میں ان کو حصہ دیا جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہمیشہ ان انتظامات میں جن کا تعلق ذمیوں سے ہوتا ذمیوں کے مشورے کے بغیر کام نہیں کرتے تھے، عراق کا بندوبست جب پیش آیا تو عجمی رئیسوں کو مدینہ میں بلا کر مال گزاری کے حالات دریافت کئے۔ مصر میں جو انتظام کیا اس میں مقتوس سے اکثر رائے لی۔^②

جان و مال و جائیداد کے متعلق جو حقوق ذمیوں کو دیئے گئے تھے وہ صرف زبانی نہ تھے بلکہ نہایت مضبوطی کے ساتھ ان کی پابندی کی جاتی تھی۔ شام کے ایک کاشتکار نے شکایت کی کہ اہل فوج نے اس کی زراعت کو پامال کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیت المال سے 10 ہزار درہم اس کو معاوضہ دلویا۔ (کتاب الرأج صفحہ 68)۔ اضلاع کے

①۔ (کتاب الخراج صفحہ 21 میں ہے قال شہدت عمر بن الخطاب قبل ان یصاب بثلاث اربع واقفاً علی حدیفة بن الیمان عثمان بن حنیف وهو یقول لهما العکما حملتما الارض ما تطیق)۔

②۔ (مقریزی جلد اول صفحہ 74)۔

حکام کو تاکید فرماں بھیجتے تھے کہ ذمیوں پر کسی طرح کی زیادتی نہ ہونے پائے۔ خود بالمشافہ لوگوں کو اس کی تاکید کرتے رہتے تھے۔ قاضی ابو یوسف نے کتاب الخراج باب الجزیہ میں ایک روایت نقل کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب شام سے واپس آ رہے تھے تو چند آدمیوں کو دیکھا کہ دھوپ میں کھڑے ہیں اور ان کے سر پر تیل ڈالا جا رہا ہے۔ لوگوں سے پوچھا کہ کیا ماجرا ہے؟ معلوم ہوا کہ ان لوگوں نے جزیہ نہیں ادا کیا اس لیے ان کو سزا دی جاتی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہ دریافت کیا کہ آخر ان کا کیا عذر ہے؟ لوگوں نے کہا کہ ”نا داری“ فرمایا کہ چھوڑ دو، اور ان کو تکلیف نہ دو۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے لا تعذبوا الناس فان الذین یعذبون الناس فی الدین یعذبهم اللہ یوم القیامۃ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ”لوگوں کو تکلیف نہ دو، جو لوگ دنیا میں لوگوں کو عذاب پہنچاتے ہیں خدا قیامت میں ان کو عذاب پہنچائے گا۔“

ذمیوں کی شرائط کا ایفاء

حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شام کی فتح کے بعد جو فرمان لکھا اس میں یہ الفاظ تھے۔
وامنع الکسلین من ظلمهم ولا ضرار بهم واکل اموالهم بحلھا ووف لهم بشرطهم الذی شرط لهم فی جمیع ما اعطیتهم (کتاب الخراج صفحہ 82)۔

مسلمانوں کو منع کرنا کہ ذمیوں پر ظلم نہ کرنے پائیں، نہ ان کا مال بے وجہ کھانے پائیں اور جس قدر شرطیں تم نے ان سے کی ہیں سب وفا کرو۔“

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وفات سے قبل خلیفہ ہونے والے خلیفہ کے لیے ایک مفصل وصیت فرمائی تھی۔ اس وصیت نامہ کو امام بخاری، ابوغر، بیہقی، جاحظ اور بہت سے مؤرخین

نے نقل کیا ہے۔ اس کا اخیر فقرہ یہ ہے۔

واوصیہ بدمۃ اللہ وذمۃ رسولہ ان یوفی لہم بعہدہم وان یقاتل من ورائہم وان لا یکفو فوق طاقتہم۔^(۱)

”یعنی

میں ان لوگوں کے حق میں وصیت کرتا ہوں جن کو خدا اور رسول کا ذمہ دیا گیا ہے (یعنی ذمی) کہ ان سے جو عہد ہے وہ پورا کیا جائے اور ان کی حمایت میں لڑا جائے اور ان کو ان کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہ دی جائے۔“

اس سے زیادہ کیا ہو سکتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرتے وقت بھی ذمیوں کو نہ بھولے۔

غرفہ ایک صحابی تھے، ان کے سامنے ایک عیسائی نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دی۔ غرفہ نے اس کے منہ تھپڑ کھینچ مارا۔ عیسائی نے عمرو بن العاص کے پاس جا کر شکایت کی۔ انہوں نے غرفہ کو بلا بھیجا اور باز پرس کی۔ غرفہ نے واقعہ بیان کیا۔ عمرو بن العاص نے کہ ذمیوں سے امن کا معاہدہ ہو چکا ہے۔ غرفہ نے کہا، نعوذ باللہ ان کو یہ اجازت ہرگز نہیں دی گئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اعلانیہ گالیاں دیں۔ ان سے یہ معاہدہ ہوا ہے کہ اپنے گرجاؤں میں جو کچھ چاہیں کریں اور اگر ان پر کوئی دشمن چڑھ آئے تو ہم ان کی طرف سے سینہ سپر ہو کر لڑیں اور ان کوئی ایسا بار نہ ڈالا جائے جس کے وہ متحمل نہ ہوں۔ عمرو بن العاص نے کہا ہاں یہ سچ ہے۔^(۲)

۱۔ (صحیح بخاری صفحہ 187 مطبوعہ میرٹھ)۔

۲۔ (اسد الغابۃ تذکرہ غرفہ)

۔ اس واقعہ سے معلوم ہو سکتا ہے کہ ذمیوں کے حفظ حقوق کا کس قدر خیال رکھا جاتا ہے۔

مذہبی امور میں آزادی

مذہبی امور میں ذمیوں کو پوری آزادی تھی۔ وہ ہر قسم کی رسوم مذہبی ادا کرتے تھے۔ علانیہ ناقوس بجاتے تھے۔ صلیب نکالتے تھے۔ ہر قسم کے میلے ٹھیلے کرتے تھے۔ ان کے پیش وایان مذہبی کو جو مذہبی اختیارات حاصل تھے بالکل برقرار رکھے گئے تھے۔ مصر میں اسکندریہ کا پیٹریارک بنیامین تیرہ برس تک رو میوں کے ڈر سے ادھر ادھر مارا مارا پھرا۔ عمرو بن العاص نے جب مصر فتح کیا، تو سنہ 20 ہجری میں اس کو تحریری امان لکھ کر بھیجی۔ وہ نہایت ممنون ہو کر آیا۔ اور پیٹریارک کی کرسی دوبارہ اس کو نصیب ہوئی۔ چنانچہ علامہ مقریزی نے اپنی کتاب (جلد اول صفحہ 492) میں واقعہ کی پوری تفصیل لکھی ہے۔ معاہدات میں اور امور کے ساتھ مذہبی آزادی کا بھی حق التزام کے ساتھ درج کیا جاتا تھا۔ چنانچہ بعض معاہدات کے اصلی الفاظ ہم اس موقع پر نقل کرتے ہیں۔ حذیفہ بن الیمان نے ماہ دینار والوں کو جو تحریر لکھی تھی اس میں یہ الفاظ تھے۔

لایغیرون عن ملتہ ولا یحال بینہم و بین شرائعہم۔^(۱)

ان کا مذہب نہ بدلا جائے گا اور ان کے مذہبی امور میں کچھ دست اندازی نہ کی جائے گی۔

جر جان کی فتح کے وقت یہ معاہدہ لکھا گیا۔

لھم الامان علی انفسھم و اموالھم و ملکھم و شرائعھم ولا تغیر شی من ذلک۔^(۲)

ان کے جان و مال اور مذہب و شریعت کو امن ہے اور اس میں سے کسی شے میں تغیر نہ کیا

۱۔ (طبری صفحہ 2633)۔

۲۔ (طبری صفحہ 2658)۔

جائے گا۔"

آذربائیجان کے معاہدہ میں یہ تصریح تھی۔
الامان علی انفسہم واموالہم وشرائعہم۔^(۱)

جان مال، مذہب اور شریعت کو امان ہے۔"

موقان کے معاہدہ میں یہ الفاظ تھے۔
الامان علی اموالہم و انفسہم و ملتہم و شرائعہم۔
جان، مال، مذہب اور شریعت کو امان ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلام کے اشاعت کی اگرچہ نہایت کوشش کرتے تھے اور منصب خلافت کے لحاظ سے ان کا یہ فرض بھی تھا لیکن وہیں تک جہاں تک وعظ اور پند کے ذریعے سے ممکن تھا اور نہ یہ خیال وہ ہمیشہ ظاہر کر دیا کرتے تھے کہ مذہب کے قبول کرنے پر کوئی شخص مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ استق ان کا ایک عیسائی غلام تھا، اس کو ہمیشہ اسلام قبول کرنے کی ترغیب دلاتے تھے۔ لیکن جب اس نے انکار کیا تو فرمایا لا اکراہ فی الدین یعنی مذہب میں زبردستی نہیں ہے۔^(۲)

مسلمانوں اور ذمیوں کی ہمسری

حقیقت یہ ہے کہ واقعات سے جو نتیجہ استنباط کیا جاسکتا ہے وہ یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ملکی حقوق کے لحاظ سے ذمیوں اور مسلمانوں میں کوئی تمیز نہیں رکھی تھی۔ کوئی مسلمان اگر ذمی کو قتل کرتا تو بے دریغ اس کے قصاص میں قتل کر دیا جاتا تھا۔

۱۔ (طبری صفحہ 2662)۔

۲۔ (کنز العمال بحوالہ طبقات ابن سعد جلد پنجم صفحہ 249)۔

مسلمان اگر کسی ذمی سے سخت کلامی کرتے تھے تو پاداش کے مستحق ہوتے تھے۔ ذمیوں سے جزیہ اور عشور کے سوا کسی قسم کا محصول نہیں لیا جاتا تھا۔ اس کے مقابلے میں مسلمانوں سے زکوٰۃ وصول کی جاتی تھی۔ جس کی مقدار دونوں سے زیادہ تھی۔ اس کے سوا عشور مسلمانوں سے بھی وصول کیا جاتا۔ البتہ اس کی شرح بمقابلہ ذمیوں کے کم تھی۔ بیت المال سے والینیروں کو گھر بیٹھے جو تنخواہ ملتی تھی ذمی اس میں بھی برابر کے شریک تھے۔ سب سے بڑھ کر یہ (اور درحقیقت صرف اسی ایک مثال سے اس بحث کا فیصلہ ہو سکتا ہے) کہ یہ جو قاعدہ تھا کہ جو مسلمان اپانچ اور ضعیف ہو جاتا تھا اور محنت و مزدوری سے معاش پیدا نہیں کر سکتا تھا، بیت المال سے اس کا وظیفہ مقرر ہو جاتا تھا۔ اسی قسم کی بلکہ اس سے زیادہ فیاضانہ رعایت ذمیوں کے ساتھ بھی تھی۔ اول اول یہ قاعدہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں مقرر ہوا۔ چنانچہ خالد بن الولید نے جبرہ کی فتح میں جو معاہدہ لکھا، اس میں یہ الفاظ تھے۔

وجعلت لہم ایما شیخ ضعف عن العمل او اصابہ افۃ من الافات او کان غنیافا فقر و صار اہل دینہ یتصدقون علیہ و طرحت جزیئہ و عیل من بیت مال المسلمین و عیالہ ما اقاموا بدارا امجرة و دار الاسلام ولوزھبوا فلیس علی المسلمین النفقة علی عیالہم۔^(۱)

”اور

میں نے ان کو یہ حق دیا کہ اگر کوئی بوڑھا شخص کام کرنے سے معذور ہو جائے یا اس پر کوئی آفت آئے یا پہلے دولت مند تھا پھر غریب ہو گیا اور اس وجہ سے اس کے ہم مذہب اس کو خیرات دینے لگیں تو اس کا جزیہ موقوف کر دیا جائے گا۔ اور اس کو اور اس کی اولاد کو

مسلمانوں کے بیت المال سے نفقہ دیا جائے گا جب تک وہ مسلمانوں کے ملک میں رہے لیکن اگر وہ غیر ملک میں چلا جائے تو مسلمانوں پر اس کا نفقہ واجب نہ ہوگا۔"

یہ قاعدہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں بھی قائم رہا بلکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس قرآن مجید کی آیت سے مستند کر دیا یعنی بیت المال کے داروغہ کو لکھ بھیجا کہ قرآن مجید کی آیت "انما الصدقات للفقراء والمسکین" (صدقہ اور خیرات فقیروں اور مسکینوں کے لیے ہے) اس میں فقراء کے لفظ سے مسلمان اور مسکین کے لفظ سے اہل کتاب یہودی اور عیسائی مراد ہیں۔ اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک پیر کہن سال کو بھیک مانگتے دیکھا۔ پوچھا کہ کیوں بھیک مانگتا ہے؟ اس نے کہا "مجھ پر جزیہ لگایا گیا ہے اور مجھ کو ادا کرنے کا مقدمہ نہیں۔"

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کو گھر پر لائے اور کچھ دے کر بیت المال کے داروغہ کو کہلا بھیجا کہ اس قسم کے معذوروں کے لیے بیت المال سے وظیفہ مقرر کر دیا جائے۔ اسی واقعہ میں آیت مذکورہ بالا کا حوالہ دیا۔ اور یہ بھی فرمایا کہ "واللہ یہ انصاف کی بات نہیں کہ ان لوگوں کی جوانی سے ہم متمتع ہوں اور بڑھاپے میں ان کو نکال دیں۔" ^(۱)

ذمیوں کی عزت کا خیال

ذمیوں کی عزت و آبرو کا اسی قدر استغفاظ تھا جس قدر مسلمان کی عزت و ناموس کی، ان کی نسبت کسی قسم کی تحقیر کا لفظ استعمال کرنا نہایت ناپسندیدہ خیال کیا جاتا تھا۔ عمیر بن سعد جو حمص کے حاکم تھے اور زہد و تقدس و ترک دنیا میں تمام عہدہ داران خلافت میں کوئی ان کا ہمسرہ نہ تھا۔ ایک دفعہ ان کے منہ سے ایک ذمی کی شان میں یہ لفظ نکل گیا۔ انحراک اللہ یعنی

خدا تجھ کو رسوا کرے۔ اس پر ان کو اس قدر ندامت اور تاسف ہو کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر نوکری سے استعفیٰ دے دیا اور کہا کہ اس نوکری کی بدولت مجھ سے یہ حرکت صادر ہوئی۔^(۱)

سازش اور بغاوت کی حالت میں ذمیوں کے ساتھ سلوک

ایک خاص بات جو سب سے بڑھ کر لحاظ کے قابل ہے یہ ہے کہ ذمیوں نے اگر کبھی سازش یا بغاوت کی تب بھی ان کے ساتھ مراعات کو ملحوظ رکھا گیا۔ آج کل حکومتوں کو تہذیب و ترقی کا دعویٰ ہے۔ رعایا کے ساتھ ان کی تمام عنایت اسی وقت تک ہے جب تک ان کی طرف سے کوئی پولیٹیکل شبہ پیدا نہ ہو۔ ورنہ دفعتاً وہ تمام مہربانی غضب اور قہر میں بدل جاتی ہے اور ایسا خونخوار اور پُر غیظ انتقام لیا جاتا ہے کہ وحشی قومیں بھی اس سے کچھ زیادہ نہیں کر سکتیں۔ برخلاف اس کے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قدم کسی حالت میں جادہ انصاف سے ذرا نہیں ہٹا۔ شام کی آخری سرحد پر ایک شہر تھا جس کا نام عربسوس تھا اور جس کی سرحد ایشیائے کوچک سے ملی ہوئی تھی۔ شام جب فتح ہوا تو یہ شہر بھی فتح ہوا اور صلح کا معاہدہ ہو گیا۔ لیکن یہاں کے لوگ درپردہ رومیوں سے سازش رکھتے تھے اور ادھر کی خبریں ان کو پہنچاتے رہتے تھے۔ عمیر بن سعد وہاں کے حاکم نے حضرت عمر کو اس کی اطلاع دی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی اس کمینہ حرکت کا جو انتقام لیا وہ یہ تھا کہ عمیر بن سعد کو لکھا کہ جس قدر ان کی جائیداد، زمین، مویشی اور اسباب ہے سب شمار کر کے ایک ایک چیز کی دو چند قیمت

۱۔ (دیکھو ازالہ الخفا صفحہ 203)۔

دے دو۔ اور ان سے کہو اور کہیں چلے جاؤ۔ اگر اس پر راضی نہ ہوں تو ان کو ایک برس کی مہلت دو۔ اور اس کے بعد جلا وطن کر دو۔ چنانچہ جب وہ اپنی شرارت سے باز نہ آنے تو اس حکم کی تعمیل کی گئی۔^(۱)

کیا آج کل کوئی قوم اس درگزر اور غنومساحت کی کوئی نظیر دکھلا سکتی ہے؟ ذمیوں کے ساتھ جو لطف و مراعات کی گئی تھی اس کا ایک بڑا ثبوت یہ ہے کہ ذمیوں نے ہر موقع پر اپنی ہم مذہب سلطنتوں کے مقابلہ میں مسلمانوں کا ساتھ دیا۔ ذمی ہی تھے جو مسلمانوں کے لیے رسد بہم پہنچاتے تھے۔ لشکر گاہ میں مینا بازار لگاتے تھے۔ اپنے اہتمام اور صرف سے سڑک اور پل تیار کراتے تھے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ مسلمانوں کے لئے جاسوسی اور خبر رسانی کرتے تھے یعنی دشمنوں کے ہر قسم کے راز مسلمانوں سے آکر کہتے تھے۔ حالانکہ یہ دشمن انہی کے ہم مذہب عیسائی یا پارسی تھے۔ ذمیوں کو مسلمانوں کے حسن سلوک کے وجہ سے جو اخلاص پیدا ہو گیا تھا اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ جنگ یرموک کے پیش آنے کے وقت جب مسلمان شہر حمص سے نکلے تو یہودیوں نے توریت ہاتھ میں لے کر کہا، کہ جب تک ہم زندہ ہیں کبھی رومی یہاں نہ آنے پائیں گے۔ عیسائیوں نے نہایت حسرت سے کہا کہ ”خدا کی قسم تم رومیوں کی نسبت کہیں بڑھ کر ہم کو محبوب ہو۔“

اخیر میں ہم کو ان واقعات کی حقیقت بھی بتانا ضروری ہے جن کی وجہ سے لوگوں کو یہ غلط خیال پیدا ہوا ہے یا ہو سکتا ہے کہ حضرت عمر نے یا خود اسلام نے ذمیوں کے ساتھ غیر منصفانہ سلوک کئے۔

مخالف کی طرف سے اعتراض کی تقریر

اس مسئلے کو مخالف اس طرح بیان کر سکتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ذمیوں کے حق میں یہ حکم دیا کہ وضع اور لباس وغیرہ میں کسی طرح مسلمانوں کی تشبہ نہ کرنے پائیں۔ کمر میں زنار باندھیں۔ لمبی لمبی ٹوپیاں پہنیں۔ گھوڑوں پر کاٹھی نہ کسیں۔ نئی عبادت گاہیں نہ بنائیں، شراب اور سورہ پیچیں، ناقوس نہ بجائیں۔ صلیب نہ نکالیں۔ بنو تغلب کو یہ بھی حکم تھا کہ اپنی اولاد کو اصطباغ نہ دینے پائیں۔ اس سب باتوں پر یہ مستزاد کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرب کی وسیع آبادی میں ایک یہودی یا عیسائی کو نہ رہنے دیا اور بڑے بڑے قدیم خاندان جو سینکڑوں برس سے عرب میں آباد تھے، جلا وطن کر دیئے۔ بے شبہ یہ اعتراضات نہایت توجہ کے حامل ہیں اور ہم ان کے جواب دینے میں کسی قدر تفصیل سے کام لیں گے۔ کیونکہ ایک زمانہ دراز کے تعصب اور تقلید نے واقعیت کے چہرے پر بہت سے پردے ڈال دیئے ہیں۔ یہ سچ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسلمانوں کو غیر قوموں کی مشابہت اور غیر قوموں کو مسلمانوں کی مشابہت سے روکتے تھے۔ لیکن اس سے فقط قومی خصوصیتوں کو قائم رکھنا مقصود تھا۔ لباس کی بحث میں تحقیق طلب امر یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ذمیوں کو جس لباس کی پابندی کی تاکید کی تھی وہی لباس ذمیوں کا قدیم لباس تھا یا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کوئی نیا لباس بطور علامت تحقیر کے تجویز کیا تھا۔ جس شخص نے عجم کی تاریخ پڑھی ہے وہ یقیناً جان سکتا ہے کہ جس لباس کا یہاں ذکر ہے وہ عجم کا قدیم لباس تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا معاہدہ کنز العمال وغیرہ میں نقل کیا گیا ہے۔ اگرچہ راویوں نے اس کو بہت کچھ کم و بیش کر دیا ہے۔ تاہم جہاں ذمیوں کی طرف سے یہ اقرار مذکور ہے کہ ہم فلاں فلاں لباس نہ پہنیں گے، وہاں یہ الفاظ بھی ہیں ”وان نلزم زینا حیث ما کننا یعنی ہم وہی لباس پہنیں گے جو ہمیشہ سے پہنتے آئے

ہیں۔ اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ جس لباس کا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکم دیا وہ عجم کا قدیم لباس تھا۔^(۱)

زنار جس کا ذکر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرمان میں ہے اس کی نسبت ہمارے فقہاء نے اکثر غلطیاں کی ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ وہ انگلی برابر موٹا ایک قسم کا جنیو ہوتا تھا اور اس سے ذمیوں کی تحقیر مقصود تھی لیکن یہ سخت غلطی ہے۔ زنار کے معنی پٹی کے ہیں۔ اور عرب میں یہ لفظ آج کل بھی اس معنی میں مستعمل ہے۔ پٹی کو عربی میں منطقہ بھی کہتے ہیں۔ اور اس لحاظ سے زنار اور منطقہ مترادف الفاظ ہیں۔ ان دونوں الفاظ کا مترادف ہونا کتب حدیث سے ثابت ہے۔

کنز العمال میں بیہقی وغیرہ سے روایت منقول ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سردار ن فوج کو یہ تحریر حکم بھیجا وتلموہم المناطق یعنی الزنا نیز اسی زنار کو کسج بھی کہتے ہیں۔ چنانچہ جامع صغیرہ وغیرہ میں بجائے زنار کے کسج ہی لکھا ہے اور غالب خیال یہ ہے کہ یہ لفظ عجمی ہے۔ بہر حال اہل عجم قدیم سے کمر پر پٹی لگاتے تھے۔ علامہ مسعودی نے کتاب التنبیہ والاشراف میں لکھا ہے کہ عجم کی اس قدیم عادت کی وجہ میں نے کتاب مروج الذهب میں لکھی ہے۔ ایک قطعی دلیل اس بات کی ہے کہ یہ لباس ذمیوں کا قدیم لباس تھا۔ خلفہ منصور نے اپنے دربار کے لیے جو لباس قرار دیا تھا وہ قریب قریب یہی لباس تھا۔ لمبی ٹوپیاں جو زسل کی ہوتی تھیں۔ وہی عجم کی ٹوپیاں تھیں۔ جس کا نمونہ پارسیوں کے سروں پر آج بھی موجود ہے۔ اس درباری لباس میں پٹی بھی داخل تھی۔ اور یہ وہی زنار یا منطقہ یا کسج ہے جو عجم کی قدیم وضع تھی۔ منصور کے اس مجوزہ لباس کی نسبت تمام مؤرخین عرب نے

تصریح کی ہے کہ یہ عجم کی تقلید تھی۔ اب ہر شخص یہ بات سمجھ سکتا ہے کہ جس لباس کی نسبت تمام مؤرخین نے تصریح کی ہے وہ اگر کوئی جدید لباس تھا، اور ان کی تحقیر کے لیے ایجاد کیا گیا تھا تو خلیفہ منصور اس کو اپنا اور اپنے درباریوں کا لباس کیونکر قرار دے سکتا تھا۔

صلیب اور ناقوس کی بحث

ذمیوں کو نئی عبادت گاہیں بنانے اور شراب بیچنے، صلیب نکالنے، ناقوس پھونکنے، اصطبارغ دینے سے روکنا بے شبہ مذہبی دست اندازی ہے لیکن میں پتیا کا نہ اس راز کی پردہ دری کرتا ہوں کہ یہ احکام جن قیدوں کے ساتھ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جاری کئے تھے وہ بالکل مناسب تھے لیکن زمانہ مابعد کے مؤرخوں نے اس قیدوں کا ذکر چھوڑ دیا۔ اس وجہ سے تمام دنیا میں ایک عالمگیر غلط فہمی پھیل گئی۔

صلیب کی نسبت معاہدے میں جو الفاظ تھے اس میں یہ قید تھی۔

ولایر فوائی نادای اهل الاسلام صلیباً۔^①

یعنی مسلمانوں کی مجلس میں صلیب نہ نکالیں۔

ناقوس کی نسبت یہ تصریح تھی یضربوا نواقیسہم فی ایۃ ساعۃ شأؤا من الیل او نهار الا فی اوقات الصلوۃ (کتاب الخراج صفحہ 84)۔

یعنی ذمی رات دن میں جس وقت چاہیں ناقوس بجائے، بجز نماز کے اوقات کے۔ سور کی نسبت یہ الفاظ تھے۔

ولایخر جو انخریرا من منازہم الدافنیۃ المسلمین یعنی ذمی سور کو مسلمان کے احاطے میں نہ لے جائیں۔

ان تصریحات کے بعد کس کو شبہ رہ سکتا ہے کہ صلیب نکالنا یا ناقوس بجانا عموماً منع نہ تھا۔ بلکہ خاص حالات میں ممانعت تھی اور ان خاص حالات میں آج بھی ایسی ممانعت خلاف انصاف نہیں کہی جاسکتی۔ سب سے زیادہ قابل لحاظ امر بنی تغلب کے عیسائیوں کی اولاد کا اصطباغ دینا تھا اور یہ گویا اس بات کی حفاظت ہے کہ آئندہ وہ کوئی اور مذہب قبول نہ کرنے پائے بے شبہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عام طور پر اس رسم کو روکنے کا کچھ حق نہ تھا۔ لیکن اس زمانے میں ایک نیا سوال پیدا ہوتا تھا۔ یعنی یہ کہ اگر عیسائی خاندان میں سے کوئی شخص مسلمان ہو جائے اور نابالغ اولاد چھوڑ کر مرے تو اس کی اولاد کس مذہب پر پرورش پائے گی؟ یعنی وہ مسلمان سمجھی جائے گی یا ان کے خاندان والوں کو جو عیسائی مذہب رکھتے ہیں یہ حق حاصل ہوگا۔ کہ اس کو اصطباغ دے کر عیسائی بنالیں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس صورت خاص کے لیے یہ قرار دیا کہ خاندان والے اس کو اصطباغ نہ دیں اور عیسائی نہ بنائیں اور یہ حکم بالکل قرین انصاف ہے۔ کیونکہ جب اس کا باپ مسلمان ہو گیا تو اس کی نابالغ اولاد بھی بظاہر مسلمان قرار پائے گی۔ علامہ طبری نے جہاں بنو تغلب کے واقعہ کا ذکر کیا ہے، شرائط صلح میں یہ الفاظ نقل کئے ہیں۔ علی ان لاینصر واولیداً ممن اسلم آباءہم (طبری صفحہ 2423) یعنی بنو تغلب کو اختیار نہ ہوگا کہ جن کے باپ مسلمان ہو چکے ہیں اس کو عیسائی بناسکیں۔ ایک اور موقع پر یہ الفاظ ہیں۔ ان لاینصر واولادہم اذا اسلم آباءہم (طبری صفحہ 35)۔ یہاں شاید یہ اعتراض ہو کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک فرضی صورت قائم کر کے معاہدہ کو سخت کیوں کیا۔ لیکن جواب یہ ہے یہ فرضی صورت نہ تھی بلکہ بنو تغلب میں بہت سے لوگ اسلام قبول کر چکے تھے، اس لیے ان کی خاص حالت کے لحاظ سے اس صورت کا ذکر ضروری تھا۔ بلکہ علامہ طبری نے

صاف تصریح کی ہے کہ تغلب میں سے جو لوگ اسلام لا چکے تھے خود انہوں نے معاہدہ کے لیے یہ شرائط پیش کی تھیں۔

اب ہر شخص انصاف کر سکتا ہے کہ امن عام میں خلل نہ واقع ہونے کے لیے عیسائیوں کو اگرچہ یہ حکم دیا جائے کہ وہ مسلمانوں کی مجلس میں صلیب اور سور نہ لائیں۔ خاص نماز کے وقت ناقوس نہ بجائیں، نو مسلم کی اولاد کو اصطباغ نہ دیں تو کیا کوئی شخص اس کو تعصب مذہبی سے تعبیر کر سکتا ہے۔ لیکن افسوس اور سخت افسوس یہ ہے کہ ہمارے پچھلے مورخوں نے ان احکام کی قیدوں اور خصوصیتوں کو اڑا دیا۔ بلکہ قدام میں بھی یہ لوگ تعصب آمیز طبیعت رکھتے تھے۔ روایت میں ان خصوصیتوں کو چھوڑ جاتے تھے، یہ غلطیاں اگرچہ نہایت سخت نتائج پیدا کرتی تھیں، لیکن چونکہ ظاہر میں خفیف تھیں۔ ابن الاثیر وغیرہ نے اس کو کچھ خیال نہیں کیا۔ رفتہ رفتہ یہ غلطیاں اس قدر پھیل گئیں کہ عربی زبان میں لکھی گئی تاریخ سر تا پا اس سے معمور ہو گئی۔ فقہاء چونکہ تاریخ سے بہت کم واقفیت رکھتے تھے، انہوں نے بے تکلف انہی روایتوں کو قبول کر لیا اور ان پر فرقہ کے مسائل تفریع کر لیے۔

عیسائیوں کے جلا وطن کرنے کا معاملہ

عیسائیوں اور یہودیوں کے جلا وطن کرنے کے معاملے میں حقیقت یہ ہے کہ یہودی کسی زمانہ میں مسلمانوں کی طرف سے صاف نہیں ہوئے۔ خیبر جب فتح ہوا، ان سے کہہ دیا گیا کہ جس وقت مناسب ہو گا تم کو یہاں سے نکال دیا جائے گا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں ان کی شرارتیں زیادہ ظاہر ہوئیں۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک دفعہ بالا خانہ سے دھکیل دیا۔ جس سے ان کے ہاتھ میں زخم آیا۔ مجبوراً حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عام مجمع میں کھڑے ہو کر ان کی شرارتیں بیان کیں۔ اور پھر ان کو عرب سے

نکال دیا۔ چنانچہ صحیح بخاری، کتاب الشروط میں یہ واقعہ کسی قدر تفصیل کے ساتھ مذکور ہے۔
 نجران کے عیسائی یمن اور اس کے اطراف میں رہتے تھے۔ اور ان سے کچھ تعرض نہیں کیا
 گیا تھا۔ لیکن انہوں نے چپکے چپکے جنگی تیاریاں شروع کیں۔ اور بہت سے گھوڑے اور
 ہتھیار مہیا کئے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صرف اس وقت ان کو حکم دیا کہ یمن چھوڑ
 کر عراق چلے جائیں۔^(۱)

غرض یہ امر تمام شہادتوں سے قطعاً ثابت ہے کہ عیسائی اور یہودی پولیٹیکل ضرورتوں کی وجہ
 سے جلاوطن کئے گئے اور اس وجہ سے یہ امر کسی طرح اعتراض کے قابل نہیں ہو سکتا۔ البتہ
 لحاظ کے قابل یہ بات ہے کہ اس حالت میں بھی کس قسم کی رعایت ان کے ساتھ ملحوظ رکھی
 گئی۔ فدک کے یہودی جب نکالے گئے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک واقف کار
 شخص کو بھیجا کہ ان کی زمین اور باغوں کے قیمت کا تخمینہ کرے۔ چنانچہ متعینہ قیمت حضرت
 عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیت المال سے ان کو دلوادی۔ اسی طرح حجاز کے یہودیوں کو بھی
 ان کی زمین کی قیمت دلا دی۔^(۲)

نجران کے عیسائیوں کو جب عرب کی آبادی سے نکال کر شام و عراق میں آباد کیا تو ان کے
 ساتھ نہایت فیاضانہ رعایتیں کیں۔ ان کو امن کا جو پروانہ دی اس میں یہ شرطیں لکھیں۔
 1 عراق یا شام جہاں بھی یہ لوگ جائیں وہاں کے افسران کی آبادی اور زراعت کے لیے
 ان کو زمین دیں۔

۱۔ (کتاب الخراج صفحہ 42)۔

۲۔ (فتوح البلدان صفحہ 29)۔

2 جس مسلمان کے پاس یہ کوئی فریاد لے کر جائیں وہ ان کی مدد کرے۔ 24 مہینے تک ان سے مطلقاً جزیہ نہ لیا جائے۔

اس معاہدے پر احتیاط اور تاکید کے لحاظ سے بڑے بڑے صحابہ کے دستخط ثبت کرائے۔ چنانچہ قاضی ابو یوسف صاحب نے کتاب الخراج میں اس معاہدے کو بالفاظہ نقل کیا ہے۔

①

ایک ایسی قوم جس کی نسبت بغاوت اور سازش کے ثبوت موجود ہوں، اس کے ساتھ اس سے بڑھ کر اور کیا رعایت کی جاسکتی ہے۔ اب صرف جزیہ کا معاملہ رہ جاتا ہے۔ ہن نے اس بحث پر اگرچہ ایک مستقل رسالہ لکھا ہے اور وہ تینوں زبانوں (اردو، عربی، انگریزی) میں چھپ کر شائع ہو چکا ہے تاہم مختصر طور پر یہاں بھی لکھنا ضروری ہے۔

جزیہ کی بحث

جزیہ کا موضوع اور مقصد، اگرچہ شروع اسلام ہی میں ظاہر کر دیا گیا تھا کہ وہ حفاظت کا معاوضہ ہے لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں یہ مسئلہ ایسا صاف ہو گیا ہے کہ احتمال کی بھی گنجائش نہیں رہی۔ اولاً تو انہوں نے نو شیروان کی طرح جزیہ کی مختلف شرحیں قائم کیں اور اس طریقہ سے گویا صاف بتا دیا کہ یہ کوئی نئی چیز نہیں بلکہ وہی نو شیروانی محصول ہے۔ اس کے علاوہ موقع بہ موقع عملی طور پر اس بات کو ظاہر کیا کہ وہ صرف حفاظت کا معاوضہ ہے۔ اس کتاب کے پہلے حصے میں تم پڑھ آئے ہو کہ جب یرموک کے پرخطر معرکہ کے پیش آنے کی وجہ سے اسلامی فوجیں شام کے مغربی حصوں سے ہٹ آئیں۔ اور

ان کو یقین ہو گیا کہ جن شہروں سے وہ جزیہ وصول کر چکے تھے یعنی حمص و دمشق وغیرہ، وہاں کے باشندوں کی حفاظت کا اب وہ ذمہ نہیں اٹھا سکتے تو جزیہ سے جس قدر رقم وصول ہوئی تھی سب واپس کر دی اور صاف کہہ دیا کہ اس وقت ہم تمہارے جان و مال کی حفاظت کے ذمہ دار نہیں ہو سکتے۔ اس لیے جزیہ لینے کا بھی ہم کو کوئی حق نہیں ہے۔ اس سے بھی زیادہ قطعی شہادت یہ ہے کہ جن لوگوں سے کبھی کسی قسم کی فوجی خدمت لی گئی ان کو باوجود ان کے مذہب پر قائم رہنے کے جزیہ معاف کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خود سنہ 17 ہجری میں عراق کے افسروں کو لکھ بھیجا کہ۔

يَسْتَعِينُوا بِنَاحِيَةِ جَوَالِيَةِ مِنَ الْإِسَارَةِ وَيَرْفَعُوا عَنْهُمْ الْجَزَاءَ ①۔

یعنی فوجی سواروں میں سے جس سے مدد لینے کی ضرورت ہو اس سے مدد لے لو اور ان کا جزیہ چھوڑ دو۔

یہاں تک کہ اگر کسی قوم نے صرف ایک دفعہ مسلمانوں کے ساتھ جنگ میں شرکت کی تو اس سال کا جزیہ اس کے لیے معاف کر دیا گیا۔ 22 ہجری میں جب آذربائیجان فتح ہوا تو اہل شہر کو یہ فرمان لکھ دیا گیا۔

وَمِنْ حَشَرِ نَحْمُ فِي سَنَةِ وَضِعَ عَنْهُ جَزَاءُ تِلْكَ السَّنَةِ

یعنی جو لوگ کسی سال فوج کے ساتھ کام دیں گے، اس سال کا جزیہ ان سے نہیں لیا جائے گا۔

اسی سال آرمینیا کے رئیس شہزباز سے جو معاہدہ ہوا اس میں یہ الفاظ تھے:

وَعَلَى أَهْلِ أَرْمِينِيَةِ أَنْ يَنْفَرُوا كُلُّ غَارَةٍ وَيَنْفِذُوا كُلَّ أَمْرٍ نَابِ أُولَى صِلَا حَالِي

ان توضیح الجزاء۔^۱

اسی سنہ میں جرجان فتح ہوا اور فرمان میں یہ عبارت لکھی گئی:
ان لکم الذمۃ وعلینا المنعۃ علی ان علیکم من الجزاء فی کل سنۃ علی قدر طاقتکم ومن استعنا بہ منکم
فلہ جزاءہ فی معونۃ عوضا عن جزاءہ (ایضاً)۔

یعنی ہم پر تمہاری حفاظت ہے اس شرط پر کہ ہر سال بقدر طاقت جزیہ ادا کرنا ہوگا۔ اور اگر تم
سے اعانت لیں گے تو اس اعانت کے بدلہ جزیہ معاف ہو جائے گا۔

غرض حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اقوال سے معاہدوں سے، طرز عمل سے روز روشن کی
طرح ظاہر ہو گیا ہے کہ جزیہ کا موضوع کیا تھا اور وہ کسی غرض سے مقرر کیا تھا۔

جزیہ کا صرف فوجی مصارف پر محدود تھا۔ یعنی اس رقم سے صرف اہل فوج کے لیے خوراک
لباس اور دیگر ضروریات مہیا کی جاتی تھیں۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جہاں
جہاں جزیہ مقرر کیا اس کے ساتھ جنس اور غلبہ بھی شامل کیا۔ مصر میں فی کس جزیہ کی تعداد
در اصل چار دینار تھی۔ لیکن دو نقد اور باقی کے عوض گیہوں، روغن، زیتون، شہد، سرکہ لیا جاتا
تھا۔ اور یہی اہل فوج کی خوراک تھی۔ البتہ آگے چل کر جب رسد کا انتظام مستقل طور پر ہو
گیا تو کل جزیہ کی مقدار نقد کر دی گئی اور جنس کی بجائے چار دینار لیے جانے لگے۔^۲

غلامی کا رواج کم کرنا

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اگرچہ غلامی کو معدوم نہیں کیا اور شاید اگر کرنا بھی چاہتے تو
نہیں کر سکتے تھے۔ لیکن اس میں شبہ نہیں کہ انہوں نے مختلف طریقوں سے اس کے رواج کو

۱۔ (طبری صفحہ 265)

۲۔ (فتوح البلدان صفحہ 216)۔

کم کر دیا۔ اور جس قدر قائم رکھا اس خوبی سے رکھا کہ غلامی غلامی نہیں بلکہ برادری اور ہمسری رہ گئی۔ عرب میں تو انہوں نے سرے سے اس کا استیصال کر دیا۔ اور اس میں ان کو اس قدر اہتمام تھا کہ عنان حکومت ہاتھ میں لینے کے ساتھ ہی پہلا کام جو کیا وہ یہ تھا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں قبائل مرتدہ میں جو لوگ لونڈی اور غلام بنائے گئے تھے سب آزاد کر دیئے۔ اس کے ساتھ ہی یہ اصول قائم کر دیا کہ اہل عرب کبھی کسی کے غلام نہیں ہو سکتے۔ ان کا یہ قول منقول ہے: لا یشترق عربی۔

عرب کا غلام نہ ہو سکتا

یعنی عرب کا کوئی آدمی غلام نہیں ہو سکتا (کنز العمال میں امام شافعی کی روایت سے یہ قول منقول ہے۔ دیکھو کتاب مذکور صفحہ 312، جلد دوم)۔ اگرچہ بہت سے مجتہدین اور ائمہ فن نے ان کے اس اصول کو تسلیم نہیں کیا۔ امام احمد حنبل کا قول ہے لا اذہب الی قول عمر لیس علی عربی ملک یعنی میں عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ رائے نہیں مانتا کہ اہل عرب غلام نہیں ہو سکتے لیکن یہ موقع اس مسئلہ پر بحث کرنے کا نہیں۔ یہاں صرف یہ بیان کرنا ہے کہ عرب کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فیصلہ یہ تھا (منتقى الاخبار لابن تیمیہ)۔

غیر قوموں کی نسبت وہ کوئی قاعدہ عام نہیں قائم کر سکے۔ جب کوئی ملک فتح ہوتا تھا تو اہل فوج ہمیشہ اصرار کرتے تھے کہ ملک کے ساتھ تمام رعایا ان کی غلامی میں دے دی جائے۔ ملک کی تقسیم میں تو جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قرآن مجید کے استدلال سے لوگوں کی زبان بندی کی لیکن غلامی کے لیے کوئی ایسا استدلال موجود نہ تھا۔ اس لیے وہ تمام اہل فوج کے خلاف نہیں کر سکتے تھے۔ تاہم اتنا کیا کہ عملاً غلامی کو نہایت کم کر دیا۔ جس قدر ممالک ان کے زمانے میں فتح ہوئے ان کی وسعت کئی ہزار میل

تھی جس میں کروڑوں آدمی بستے تھے، لیکن غلامی کا جہاں جہاں پتہ چلتا تھا وہ نہایت محدود اور گنتی کے ہیں جو بجائے خود مستقل ملکیتیں ہیں۔ باوجود فوج کے اصرار کے ایک شخص بھی غلام نہیں بنایا گیا۔ یہاں تک کہ جب مصر کے بعض دیہات کے آدمی جو مسلمانوں سے لڑے تھے غلام بنا کر عرب میں بھیج دیئے گئے، تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سب کو جا بجا سے جمع کر کے مصر واپس بھیج دیا کہ ان کو غلام بنانا جائز نہ تھا۔ چنانچہ مورخ مقریزی نے ان دیہات کے نام اور اس واقعہ کو تفصیل سے لکھا ہے۔ شام کے شہروں میں بصری، محل، طبریہ، دمشق، حمص، حمدان، عسقلان، انطاکیہ وغیرہ جہاں عیسائی بڑے زور و شور سے لڑے، غلامی کا بہت کم پتہ چلتا ہے۔ شاید شام میں صرف قیساریہ ایک جگہ ہے جہاں اسیران جنگ غلام بنائے گئے۔ فارس، خورستان، کرمان، جزیرہ وغیرہ میں کوہ معاہدہ صلح میں یہ الفاظ لکھ دیئے گئے تھے کہ لوگوں کے جان و مال سے تعرض نہ ہوگا۔ صامغان، جندی، سابور، شیراز وغیرہ میں اس سے زیادہ صاف الفاظ تھے کہ لائیں بوالعینی وہ لوگ گرفتار ہو کر لونڈی غلام نہ بنائے جائیں گے۔

مناذری میں باوجود اس کے کہ فوج نے اسیران جنگ کو غلام بنا کر ان پر قبضہ کر لیا تھا۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حکم پہنچا کہ ان کو چھوڑ دو۔ اور خراج و جزئیہ مقرر کر دو۔ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ حکم بھیجا کہ کوئی کاشتکار یا پیشہ ور غلام نہ بنایا جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک اور طریقہ سے بھی اس رواج کو گھٹایا۔ یعنی یہ قاعدہ بنا دیا کہ جس لونڈی سے اولاد ہو جائے وہ خریدی اور بیچی نہیں جاسکتی جس کا حاصل یہ ہے کہ وہ لونڈی نہیں رہتی۔ یہ قاعدہ خاص حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایجاد ہے۔ ان سے پہلے اس قسم کی لونڈیوں کی برابر خرید و فروخت ہوتی تھی۔ چنانچہ مؤرخین نے محدثین نے جہاں حضرت

عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اولیات لکھے ہیں، اس قاعدے کو بھی لکھا ہے۔ غلاموں کی آزادی کا ایک اور طریقہ تھا۔ جس کو مکاتبہ کہتے ہیں یعنی غلام ایک معاہدہ لکھ دے کہ میں اتنی مدت میں اس قدر رقم ادا کروں گا۔ جب وہ زرمعینہ ادا کر دیتا ہے تو وہ بالکل آزاد ہو جاتا ہے۔ یہ قاعدہ خود قرآن میں موجود ہے۔ فکا تبوہم ان علمتم فیہم خیراً لیکن فقہاء اس حکم کو وجوبی نہیں قرار دیتے۔ یعنی آقا کو اختیار ہے کہ معاہدے کو قبول کرے یا نہ کرے۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو وجوبی قرار دی۔ صحیح بخاری کتاب المکاتب میں ہے کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے غلام سیرین نے مکاتبہ کی درخواست کی۔ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انکار کیا۔ سیرین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس حاضر ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو درے لگائے۔ اور مذکورہ بالا آیت سند میں پیش کی۔ آخر انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مجبوراً مانا پڑا۔

عام طور پر یہ مشہور ہے کہ جب فارس فتح ہوا تو یزدگرد شہنشاہ فارس کی بیٹیاں گرفتار ہو کر مدینہ میں آئیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عام لونڈیوں کی طرح بازار میں ان کے بیچنے کا حکم دیا لیکن حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منع کیا کہ خاندان شاہی کے ساتھ ایسا سلوک جائز نہیں۔ ان لڑکیوں کی قیمت کا اندازہ کرایا جائے۔ پھر یہ لڑکیاں کسی کے اہتمام اور سپردگی میں دی جائیں، اور اس سے ان کی قیمت اعلیٰ سے اعلیٰ شرح پر لی جائے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خود ان کو اپنے اہتمام میں لیا اور ایک امین کو، ایک محمد بن ابی بکر کو، ایک عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عنایت کی۔ ربیع الا برار میں اس کو لکھا اور ابن خلقان نے امام زین العابدین کے حال میں یہ روایت اس کے حوالہ سے نقل کر دی لیکن یہ محض غلط ہے۔ اولاً تو زنجشری کے سوا طبری ابن الاثیر، یعقوبی، بلاذری، ابن قتیبہ وغیرہ کسی

نے اس واقعہ کو نہیں لکھا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں یزید گر اور خاندان شاہی پر مسلمانوں کو مطلق قابو نہیں ہوا۔ مدائن کے معر کے میں یزید گرد مع تمام اہل و عیال کے دار السلطنت سے نکلا اور حلوان پہنچا۔ جب مسلمان حلوان پر بڑھے تو اصفہان بھاگ گیا اور پھر کرمان وغیرہ میں پھرتا رہا۔ مرو میں پہنچ کر سنہ 30 ہجری میں جو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کا زمانہ ہے مارا گیا۔ اس کی آل اولاد اگر گرفتار ہوئے ہوں گے تو اسی وقت گرفتار ہوئے ہوں گے۔ مجھ کو شبہ ہے کہ زرخشری کو یہ بھی معلوم تھا یا نہیں کہ یزید گرد کا قتل کس عہد میں ہوا۔

اس کے علاوہ جس وقت کا یہ واقعہ بیان کیا جاتا ہے اس وقت حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر 12 برس تھی۔ کیونکہ جناب ممدوح ہجرت کے پانچویں سال کے بعد پیدا ہوئے اور فارس سنہ 17 ہجری میں فتح ہوا۔ اس لیے یہ امر بھی کسی قدر مستبعد ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی نابالغی میں ان پر اس قسم کی عنایت کی ہوگی۔

اس کے علاوہ ایک شہنشاہ کی اولاد کی قیمت نہایت گراں قرار پائی ہوگی اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہایت زاہدانہ اور فقیرانہ زندگی بسر کرتے تھے، غرضیکہ کسی حیثیت سے اس واقعہ کی صحت کا گمان تک نہیں ہو سکتا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تاریخ میں اس قسم کا واقعہ جو مسلم طور پر ثابت ہے اس میں وہی برتاؤ کیا گیا۔ جو تہذیب و انسانیت کا مقتضا تھا اور جو آج بھی تمام مہذب ملکوں میں جا رہے۔ عمرو بن العاص نے جب مصر پر چڑھائی کی تو اول بلیس پر حملہ ہوا۔ سخت لڑائی کے بعد مسلمانوں کو فتح ہوئی اور تین ہزار عیسائی گرفتار ہوئے۔ اتفاق سے مقوقس بادشاہ مصر کی بیٹی جس کا نام ارمانوسہ تھا یہیں مقیم تھی، وہ بھی گرفتار ہوئی۔

شاہی خاندان کے اسیران جنگ کے ساتھ برتاؤ

عمر بن العاص نے اس کو نہایت عزت و احترام سے مقوس کے پاس بھیج دیا اور مزید احتیاط کے لیے اپنے ایک سردار کو جس کا نام قیس بن ابی تھا ساتھ کر دیا کہ حفاظت کے ساتھ پہنچائے۔^(۱)

عام غلاموں کے ساتھ مراعات

یہ تو وہ کارنامے تھے جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے غلامی کو روکنے کے لیے کئے لیکن جو لوگ غلام بنائے گئے تھے ان کے حق میں وہ مراعاتیں قائم کیں کہ غلامی ہمسری کے درجے تک پہنچ گئی۔ فوجی انتظامات کے بیان میں تم نے پڑھا ہوگا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بدر وغیرہ کے مجاہدین کی جب تنخواہیں مقرر کیں تو ان کے غلاموں کی بھی انہی کے برابر تنخواہ مقرر کی۔ بعد کی تمام کاروائیوں میں بھی انہوں نے یہ اصول ملحوظ رکھا۔ اضلاع کے جو عمال تھے ان کی نسبت وہ اور باتوں کے ساتھ ہمیشہ یہ بھی دریافت کرتے رہتے تھے کہ غلاموں کے ساتھ ان کا برتاؤ کیسا ہے۔ چنانچہ اگر یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ غلاموں کی عیادت کو نہیں جاتے تو صرف اسی جرم پر ان کو معزول و موقوف کر دیتے تھے۔^(۲) اکثر غلاموں کو بلا کر ساتھ کھانا کھلایا کرتے تھے اور حاضرین کو سنا کر کہتے تھے کہ خدا ان لوگوں پر لعنت کرے جن کو غلاموں کے ساتھ کھانے سے عار ہے۔ سرداران فوج کو لکھ بھیجا کہ تمہارا کوئی غلام کسی قوم کو امان دے تو وہ امان تمام مسلمانوں کی طرف سے سمجھی جائے

۱۔ (مقریزی جلد اول صفحہ ۱۸۴)۔

۲۔ (طبری صفحہ ۲۷۷۵)۔

گی۔ اور فوج کو اس کا پابند ہونا ہوگا۔ چنانچہ ایک سردار کو یہ الفاظ لکھے۔ ان عبدالمسلمین من المسلمین و ذمتہ من ذمتہم بجز امانہ۔^(۱)

غلاموں کو اپنے عزیز و اقارب سے جدا نہ کیا جانا

غلاموں کے لیے بڑی تکلیف کی بات یہ تھی کہ وہ اپنے عزیز و اقارب سے جدا کر دیئے جاتے تھے۔ بیٹا باپ سے چھٹ جاتا تھا۔ بیٹی ماں سے بچھڑ جاتی تھی۔ آج جو لوگ غلامی کی برائیوں پر مضامین لکھتے ہیں وہ اسی واقعہ کو درد انگیز صورت میں دکھاتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ قاعدہ مقرر کیا کہ کوئی غلام اپنے عزیز و اقارب سے جدا نہ کیا جائے، یعنی یہ نہیں ہو سکتا تھا کہ بیٹا کسی کے ہاتھ آئے اور باپ کسی اور کی غلامی میں رہے۔ باپ، بیٹے، بھائی، بہن، ماں، بیٹیاں بکتی تھیں تو ساتھ بکتی تھیں اور جن کی غلامی میں رہتی تھیں ساتھ رہتی تھیں۔ اس باب میں ان کے جو احکام ہیں ان کو کنز العمال میں مستدرک حاکم بھی نقلی مصنف بن ابی شیبہ وغیرہ کے حوالے سے نقل کیا گیا ہے اور وہ یہ ہے:

لا یفوق بین الاخوان اذ یباع الا یفرق ابین الام و ولدہ الا یفرق بین السبا یا و اولادہن۔
یعنی جب دو بھائی بیچے جائیں تو ایک دوسرے سے جدا نہ بیچا جائے یعنی بچہ ماں سے الگ نہ کیا جائے یعنی لونڈی غلام جو گرفتار ہو کر آئیں تو بچے ماں سے علیحدہ نہ کئے جائیں۔
حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس باب میں تمام مہاجرین اور انصار کو جمع کر کے قرآن مجید کی اس آیت سے استدلال کیا ”و تقطعو ارحامکم“ اور کہا کہ اس سے بڑھ کر قطع رحم کیا ہو سکتا ہے۔ چنانچہ اس واقعہ کو تفصیل کے ساتھ حاکم اور بیہقی نے نقل کیا ہے۔^(۲)

۱۔ (کتاب الخراج صفحہ 126)۔

۲۔ (کنز العمال جلد 2 صفحہ 622)۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسقط ابن اسود ایک افسر کو شام کی مہمات پر بھیجا اور ان کے بیٹے شرجیل کو کوفہ میں کسی کام پر مامور کیا تو انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے شکایت کی کہ آپ جب غلام کو اپنے عزیزوں سے جدا نہیں ہونے دیتے تو مجھ کو کیوں بیٹے سے دور پھینک دیا؟^(۱)

غلاموں میں اہل کمال

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے غلاموں کا جو رتبہ قائم کیا اور عرب کو جو نمونے دکھائے اس کا یہ اثر ہوا کہ غلاموں کے گروہ میں بڑے بڑے صاحب کمال لوگ پیدا ہوئے جن کی تمام ملک عزت و توقیر کرتا تھا۔ عکرمہ جو ائمہ حدیث میں شمار کئے جاتے تھے اور جن کو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فتویٰ کی اجازت دی تھی۔ نافع جو امام مالک کے استاد تھے اور جن کی روایت کے سلسلے کو محدثین سلسلۃ الذہب یعنی سونے کی زنجیر سے تعبیر کرتے ہیں، یہ دونوں بزرگ غلام تھے اور اسی عہد کی تربیت یافتہ تھے۔

علامہ ابن خلکان نے حضرت امام زین العابدین کے حال میں لکھا ہے کہ مدینہ منورہ میں لوگ کینیزوں اور کینیز زادیوں کو حقیر سمجھتے تھے لیکن جب قاسم (حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پوتے) اور سالم (حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پوتے) اور امام زین العابدین سن رشد کو پہنچے اور علم و فضل میں تمام مدینہ والوں سے بڑھ گئے تو خیالات بدل گئے اور لونڈی غلاموں کی قدر بڑھ گئی، لیکن ہمارے نزدیک اس قبول اور عزت کا اصل سبب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ کا طریق عمل تھا۔ بے شبہ قاسم و سالم (امام زین العابدین کا نام اس سلسلے میں لینا بے ادبی خیال کرتا ہوں) کے فضل و کمال نے اس مسئلے پر اثر کیا۔ لیکن

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امہات اولاد کا وہ رتبہ قائم نہ کیا ہوتا تو ان بزرگوں کو فضل و کمال حاصل کرنے کا موقع کیونکر ہاتھ آتا۔

ان سب باتوں کے ساتھ اس موقع پر یہ بتادینا ضروری ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ کوئی نیا مسئلہ ایجاد کیا تھا اور نہ خدا نخواستہ ان کو یہ حق تھا۔ غلامی کا گھٹانا اور غلاموں کے ساتھ مساویانہ برتاؤ کرنا خود پیغمبر اسلام کا مقصد تھا اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو کچھ کیا وہ اسی مقصد کی تعمیل تھی۔ امام بخاری نے کتاب المنفرد میں غلاموں کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جو افعال اور اقوال لکھے ہیں ان سے اس دعویٰ کی کافی تصدیق ہوتی ہے۔

سیاست و تدبیر، عدل و انصاف

عام سلاطین اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے طریق

سیاست میں فرق

خلافت فاروقی بسیط عالم میں کہاں سے کہاں تک پھیلی ہے اور کس قدر مختلف ملک، مختلف مذاہب، مختلف قومیں، اس کے دائرے میں داخل ہیں۔ لیکن اس سرے سے اس سرے تک ہر طرف امن و امان اور سکون و اطمینان چھایا ہوا ہے۔ دنیا میں اور بھی ایسے صاحب جاہ جلال سربراہان حکومت گزرے ہیں جن کی حکومت میں کوئی شخص سرنہیں اٹھا سکتا تھا۔ لیکن ان کو یہ بات اس سیاست کی بدولت حاصل ہوتی تھی جس کے اصول یہ تھے کہ بغاوت کے ذرا سے احتمال پر دفعتاً انصاف کا قانون بالکل الٹ دیا جائے۔ ایک شخص کے جرم میں تمام خاندان پکڑا جائے۔ واقعات کے ثبوت میں یقین کے بجائے صرف قیاس

سے کام لیا جائے وحشیانہ سزائیں دی جائیں، آبادیاں جلا کر برباد کر دی جائیں۔ یہ اصول قدیم زمانے تک محدود نہ تھے۔ اب بھی یورپ کو باوجود اس تمدن و تہذیب کے انہی قاعدوں سے کام لینا پڑتا ہے۔

لیکن خلافت فاروقی میں کبھی بال برابر انصاف سے تجاوز نہیں ہو سکتا تھا۔ عربوں والوں نے بار بار عہد شکنی کی، تو ان کو جلا وطن کیا۔ لیکن اس طرح کہ ان کے جائیداد، مال و اسباب کے مفصل فہرست تیار کر کے ایک ایک چیز کی دو گنی قیمت ادا کر دی۔ نجران کے عیسائیوں نے خود مختاری اور سرکشی کی تیاریاں کیں اور 40 ہزار آدمی بہم پہنچائے تو ان کو عرب سے نکال کر دوسرے ممالک میں آباد کرایا۔ مگر اس رعایت کے ساتھ کہ ان کی جائیداد وغیرہ کی قیمت دے دی۔

اور عاملوں کو لکھ بھیجا کہ راہ میں جدھر سے ان کا گزر ہو ان کے آرام کے سامان بہم پہنچائے جائیں اور جب یہ کہیں مستقل قیام کر لیں تو چوبیس مہینے تک ان سے جزیہ نہ لیا جائے۔ (ان تمام واقعات کو ہم ذمیوں کے حقوق میں اوپر لکھ آئے ہیں اور وہاں کتابوں کا حوالہ بھی دیا ہے)۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مشکلات

شاید تم کو یہ خیال ہو کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایسی رعایا ہاتھ آئی تھی جس میں زیادہ تر اطاعت و انقیاد کا مادہ تھا اور لئے ان کو جابرانہ سیاست کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی لیکن یہ خیال صحیح نہیں ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سچ پوچھو تو درحقیقت دونوں طرح کی مشکلات کا سامنا تھا۔ غیر قومیں جو حلقہ اطاعت میں آئی تھیں، پارسی یا عیسائی تھیں جو مدت تک شاہنشاہی کے لقب سے ممتاز رہی تھیں۔ اس لئے ان کو رعیت بننا مشکل سے گوارہ ہو

سکتا تھا۔ اندرونی حالت یہ تھی کہ عرب میں بہت سے صاحب ادعا موجود تھے۔ جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کو رشک کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ مثلاً ایک مؤلفہ القلوب کا گروہ تھا۔ جن کا قول تھا کہ خلافت بنو ہاشم یا بنو امیہ کا حق ہے اور عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کسی میں سے نہیں۔ عمرو بن العاص جو مصر کے گورنر تھے ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو خراج کے معاملے میں تنگ پکڑا تو انہوں نے نہایت حسرت سے کہا کہ خدا کی قدرت ہے! جاہلیت میں میرا باپ جب کنو اب کی قبایز بن کرتا تھا تو خطاب (حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد) سر پر لکڑی کا گٹھالادے پھرتے تھے۔ آج اسی خطاب کا بیٹا مجھ پر حکومت جتا رہا ہے۔ بنو ہاشم ہمیشہ استعجاب کی نگاہ سے دیکھتے تھے کہ ان کے ہوتے ہوئے تیمی اور عدوی خلافت پر کیونکر قبضہ کر بیٹھے ہیں اور حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے کا علانیہ نقض خلافت کے مشورے ہوتے رہے۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب ازالۃ الخفاء میں لکھتے ہیں کہ ”زیر و جمعے از بنو ہاشم در خانہ حضرت فاطمہ جمع شدہ در باب نقض خلافت مشورہا بیکاری بروند“^(۱)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سطوت نے بنو ہاشم کے ادعا کو اگرچہ دبا دیا لیکن بالکل مٹ کیونکر سکتا تھا، اس کے علاوہ عرب کا فطری مذاق آزادی اور خود سری تھا اور یہی وجہ ہے کہ کبھی کسی فرمانروا کی حکومت کے نیچے نہیں آئے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اگر امر معاویہ کی طرح اس آزادی اور خود سری کو مٹا کر حکومت کا رعب و داب قائم رکھتے تو چنداں قابل تعجب نہ تھا لیکن وہ عرب کے اس جوہر کو کسی طرح مٹانا نہیں چاہتے تھے بلکہ اور چمکاتے تھے۔ بارہا مجامع عام میں لوگ ان پر نہایت آزادانہ بلکہ گستاخانہ نکتہ تنقید کرتے تھے اور وہ

گوارا کرتے تھے۔ شام کے سفر میں جب انہوں نے مجمع عام میں حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی معزولی کی وجہ اور اپنی برات بیان کی تو ایک شخص نے وہیں اٹھ کر کہا۔^(۱)

واللہ ما عدلت یا عمر! لقد نزعنا عما لا نستعملہ رسول اللہ و غمدت سیفا سلہ رسول اللہ و لقد قطعت الرحم و حسدت ابن العم۔

یعنی ”اے عمر! خدا کی قسم تو نے انصاف نہیں کیا۔ تو نے رسول اللہ کے عامل کو موقوف کر دیا۔ تو نے رسول کی کھینچی ہوئی تلوار کو نیام میں ڈال دیا۔ تو نے قطع رحم کیا، تو نے اپنے چچیرے بھائی سے حسد کیا۔“

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ سب سن کر کہا کہ تم کو اپنے بھائی کی حمایت میں غصہ آ گیا۔ ان حالات کے ساتھ یہ رعب و دات کہ حضرت خالد کو عین اس وقت جب تمام عراق و شام میں لوگ ان کا کلمہ پڑھنے لگے تھے، معزول کر دیا تو کسی نے دم نہ مارا اور خود حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کسی قسم کا خیال دل میں نہ لاسکے۔ امیر معاویہ اور عمرو بن العاص کی شان و شوکت محتاج بیان نہیں۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام سے ان کو لرزہ آتا تھا۔ عمرو بن العاص کے بیٹھے عبداللہ نے ایک شخص کو بے وجہ مارا پٹایا تھا۔ عمرو بن العاص کے سامنے ان کو اسی مضروب کے ہاتھ سے کوڑے لگوائے اور باپ بیٹے دونوں عبرت کا تماشا دیکھا کئے۔ سعد و قاص فاتح ایران کو معمولی شکایت پر جواب دہی میں طلب کیا تو ان کے بے عذر حاضر ہونا پڑا۔

ان واقعات سے ہر شخص اندازہ کر سکتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سیاست و تدبیر کے فن میں جو کمال حاصل تھا۔ کسی مدبر اور فرمانروا کے حالات میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔

ان کی حکومت کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی۔ آئین حکومت میں شاہ و گدا، شریف و رذیل، عزیز و یرگاہ سب کا ایک رتبہ تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حکومت کی خصوصیتیں

جبلہ بن الایہم غسانی، شام کا مشہور رئیس بلکہ بادشاہ تھا اور مسلمان ہو گیا۔ کعبہ کے طواف میں اس کی چادر کا گوشہ ایک شخص کے پاؤں کے نیچے آ گیا۔ جبلہ نے اس کے منہ پر تھپڑ کھینچ مارا۔ اس نے بھی برابر جواب دیا۔ جبلہ غصے سے بے تاب ہو گیا اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی شکایت سن کر کہا ”تم نے جو کچھ کیا اس کی سزا پائی“ اس کو سخت حیرت ہوئی اور کہا کہ ”ہم اس رتبہ کے لوگ ہیں کہ کوئی ہمارے آگے گستاخی سے پیش ہو تو قتل کا مستحق ہوتا ہے۔“

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا ”جاہلیت میں ایسا ہی تھا لیکن اسلام نے پست و بلند کو ایک کر دیا“ اگر اسلام ایسا مذہب ہے جس میں شریف و رذیل کی کچھ تمیز نہیں، تو میں اسلام سے باز آتا ہوں۔ غرض وہ چھپ کر قسطنطنیہ چلا گیا۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی خاطر سے قانون انصاف کو بدلنا گوارا نہیں کیا۔

ایک دفعہ ملک کے عہدیداروں کو حج کے زمانے میں طلب کیا، اور مجمع عام میں کھڑے ہو کر کہا کہ جس کو ان لوگوں سے شکایت ہو پیش کرے۔ اس مجمع میں عمرو بن العاص گور زمرصر اور بڑے بڑے مرتبہ کے حکام اور عمال موجود تھے۔ ایک شخص نے اٹھ کر کہا کہ فلاں عامل نے بے وجہ مجھ کو سودرے مارے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اٹھ اور اپنا بدلہ لے۔ عمرو بن العاص نے کہا امیر المومنین اس طریق عمل سے تمام عمال بے دل ہو جائیں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ”تاہم ایسا ضرور ہوگا“ یہ کہہ کر پھر

مستغیث کی طرف متوجہ ہوئے کہ ”اپنا کام کر“۔ آخر عمرو بن العاص نے مستغیث کو اس بات پر راضی کیا کہ وہ دوسو دینار لے لے اور اپنے دعویٰ سے باز آ جائے۔

ایک دفعہ سرداران قریش ان سے ملاقات کو آئے۔ اتفاق سے ان لوگوں سے پہلے صہیب، بلال، عمار وغیرہ بھی ملاقات کے منتظر تھے۔ جن میں اکثر آزاد شدہ غلام تھے اور دنیاوی حیثیت سے معمولی درجہ کے لوگ سمجھے جاتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اول انہی لوگوں کو بلایا اور سرداران قریش باہر بیٹھے رہے۔ ابوسفیان جو زمانہ جاہلیت میں تمام قریش کے سردار تھے۔ ان کو یہ امر سخت ناگوار گزرا اور ساتھیوں سے خطاب کر کے کہا کہ ”کیا خدا کی قدرت ہے۔ غلاموں کو دربار میں جانے کی اجازت ملتی ہے اور ہم لوگ باہر بیٹھے انتظار کر رہے ہیں۔ ابوسفیان کی یہ حسرت اگرچہ ان کے اقران کے مذاق کے مناسب تھی تاہم ان میں کچھ حق شناس بھی تھے۔ ایک نے کہا ”بھائیو سچ یہ ہے کہ ہم کو عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نہیں بلکہ اپنی شکایت کرنی چاہیے۔ اسلام نے سب کو ایک آواز سے بلایا۔ لیکن جو اپنی شامت سے پیچھے پہنچے وہ آج بھی پیچھے رہنے کے مستحق ہیں۔“^(۱)

قادسیہ کے بعد جب تمام قبائل عرب اور صحابہ کی تنخواہیں مقرر کیں تو بڑے رشک و منافرت کا موقع پیش آیا۔ سرداران قریش اور معزز قبائل کے لوگ جو ہر موقع پر امتیاز کے خوگر تھے بڑے دعوے کے ساتھ منتظر رہے کہ تنخواہ کے تقرر میں حفظ مراتب کا خیال کیا جائے گا اور فہرست میں ان کے نام سب سے پہلے نظر آئیں گے۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے تمام خیالات غلط کر دیئے۔ انہوں نے دولت و جاہ، زور قوت، ناموری و شہرت، اعزاز و امتیاز کی تمام خصوصیتوں کو مٹا کر صرف اسلامی خصوصیت قائم کی اور اسی اعتبار سے

تتخواہ کم و بیش مقرر کریں۔ جو لوگ اول اسلام لائے تھے یا جہاد میں کارہائے نمایاں کئے تھے یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خصوصیت رکھتے تھے ان کو غیروں پر ترجیح دی جو ان خصوصیتوں میں برابر درجے پر تھے۔ ان کی تتخواہیں برابر مقرر کریں۔ یہاں تک کہ غلام اور آقا میں کچھ فرق نہ رکھا۔ حالانکہ عرب میں غلام سے بڑھ کر کوئی گروہ خوار و ذلیل نہ تھا۔ اسی موقع پر اسامہ بن زید کی تتخواہ جب اپنے بیٹے سے زیادہ مقرر کی تو انہوں نے عذر کیا کہ واللہ کسی موقع پر مجھ آگے نہیں رہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، ہاں! لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسامہ کو تجھ سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔

اہل عرب کا شعار تھا کہ لڑائیوں میں فخر یہ اپنے اپنے قبیلہ کی جے پکارا کرتے تھے۔ اس فخر کو مٹانے کے لئے تمام فوجی افسروں کو لکھ بھیجا کہ جو لوگ ایسا کریں ان کو سخت سزا دی جائے۔ ایک دفعہ ایک شخص نے جو ضہ کے قبیلہ سے تھا لڑائی میں یا آل ضہ کا نعرہ لگایا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خبر ہوئی تو سال بھر کے لئے اس کی تتخواہ بند کر دی۔ اس قسم کے اور بہت سے واقعات تاریخوں میں ملتے ہیں۔^(۱)

اصول مساوات

اسی اصول مساوات کی بنا پر وہ کسی شخص کے لئے کسی قسم کا امتیاز پسند نہیں کرتے تھے۔ عمرو بن العاص نے مصر کی جامع مسجد میں منبر بنایا تو لکھ بھیجا کہ کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ اور مسلمان نیچے بیٹھے ہوں اور تم اوپر بیٹھو۔ ”عمال کو ہمیشہ تاکید احکام بھیجتے رہتے تھے کہ کسی طرح کا امتیاز اور نمود اختیار نہ کریں۔

ایک دفعہ ابی بن کعب سے کچھ نزاع ہوئی۔ زید بن ثابت کے ہاں مقدمہ پیش ہوا۔ حضرت

عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے پاس گئے تو انہوں نے تعظیم کے لئے جگہ خالی کر دی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ یہ پہلی نا انصافی ہے جو تم نے اس مقدمہ میں کی۔ ”یہ کہہ کر اپنے فریق کے برابر بیٹھ گئے۔ یہی بھید تھا کہ طرز معاشرت نہایت سادہ اور غریبانہ رکھی تھی۔ سفر و حضر میں جلوت و خلوت میں مکان اور بازار میں کوئی شخص ان کو کسی علامت شے پہچان نہیں سکتا تھا کہ یہ خلیفہ وقت ہیں۔ قیصر و کسریٰ کے اپنی مسجد نبوی میں آ کر ڈھونڈتے رہے کہ شاہنشاہ اسلام کہاں ہیں۔ حالانکہ شاہنشاہ وہیں پیوند لگے کپڑے پہنے کسی ایک گوشہ میں بیٹھا ہوا تھا۔ ان کے عمال ان کو اسی برابر کے القاب سے خط لکھتے جس طرح وہ عمال کو لکھا کرتے تھے۔

اس اصول انصاف سے اگرچہ کچھ خاص آدمی جن کے ادعائے شان کو صدمہ پہنچتا تھا۔ دل میں مکدر ہوتے تھے۔ لیکن چونکہ یہ عرب کا اصلی مذاق تھا۔ اس لئے عام ملک پر اس کا نہایت عمدہ اثر ہوا اور تھوڑے ہی دنوں میں تمام عرب گرویدہ ہو گیا۔ خواص میں بھی جو حق شناس تھے وہ روز بروز معترف ہوتے گئے اور جو بالکل خود پرست تھے وہ بھی میلان عام کے مقابلے میں اپنی خود رائی کے اظہار کی جرات نہ کر سکے۔

اس اصول کے عمل میں لانے سے بہت بڑا فائدہ یہ ہوا کہ قبائل عرب میں جو انہی بے ہودہ مفاخر کی بناء پر آپس میں لڑتے رہتے تھے اور جس کی وجہ سے عرب کا سارا خطہ ایک میدان کارزار بن گیا تھا، ان کی باہمی رقابت اور مفاخرت کا زور بالکل گھٹ گیا۔

امیر المومنین کا لقب کیوں اختیار کیا

اس موقع پر یہ بتادینا ضروری ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اصول مساوات کے ساتھ اپنے لئے امیر المومنین کا پر فخر لقب کیوں ایجاد کیا۔ اصل یہ ہے کہ اس زمانے تک یہ

لقب کوئی فخر کی بات نہیں سمجھی جاتی تھی۔ بلکہ اس سے صرف عہدہ اور خدمت کا اظہار ہوتا تھا۔ افسران فوج عموماً امیر کے نام سے پکارے جاتے تھے۔ کفار عرب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو امیر مکہ کہا کرتے تھے۔ سعد بن وقاص کو عراق میں لوگوں نے امیر المومنین کہنا شروع کر دیا تھا۔^(۱)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس لقب کا خیال تک نہ تھا۔ اس کی ابتدا یوں ہوئی کہ ایک دفعہ لبید بن ربیعہ اور عدی بن حاتم مدینہ میں آئے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہا۔ قاعدہ کے موافق اطلاع کرائی اور چونکہ کوفہ میں رہ کر امیر المومنین کا لفظ ان کی زبان پر چڑھا ہوا تھا، اطلاع کرتے وقت یہ کہا کہ امیر المومنین کو ہمارے آنے کی اطلاع کر دو۔ عمرو بن العاص نے اطلاع کی اور یہی خطاب استعمال کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس خطاب کی وجہ پوچھی۔ انہوں نے کیفیت واقعہ بیان کی۔ اس لقب کو پسند کیا اور اسی تاریخ سے اس کو شہرت عام ہو گئی۔^(۲)

اس موقع پر ممکن ہے کہ ایک کوتاہ نظر کو یہ خیال ہو کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلافت سے اگر کسی قسم کا جاہ و اعزاز مقصود نہ تھا تو انہوں نے خلافت اختیار کیوں کی؟ بے غرضی کا یہ اقتضا تھا کہ وہ اس خوانِ نعمت کو ہاتھ ہی نہ لگاتے لیکن یہ خیال محض عامیانہ ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بے شبہ خلافت سے ہاتھ اٹھاتے لیکن دوسرا کون تھا جو اس کو سنبھال لیتا؟ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قطعی طور سے جانتے تھے کہ یہ بارگراں ان کے سوا کسی سے اٹھ نہیں سکتا! کیا ایسے وقت میں ان کی راست بازی کا یہ تقاضا تھا کہ وہ دیدہ دانستہ لوگوں کی بد

۱۔ (مقدمہ ابن خلدون فصل فی اللقب با میر المومنین)۔

۲۔ ("ادب المفرد" امام بخاری مطبوعہ آرمہ صفحہ 184)

گمانیوں کے خیال سے خلافت سے دستبردار ہو جاتے اگر وہ ایسا کرتے تو خدا کو کیا جواب دیتے؟ انہوں نے اسی دن خطبہ میں کہہ دیا تھا کہ۔

لو لار جائی ان اکون خیر کم لکم واقوا کم علیکم واشدکم اطلاعاً بما ینوب من مهم امر کم ماتولیت ذلک منکم۔

یعنی ”اگر مجھ کو یہ امید نہ ہوتی کہ میں تم لوگوں کے لئے سب سے زیادہ کارآمد سب سے زیادہ قومی اور مہمات امور کے لئے سب سے زیادہ قوی بازو ہوں تو میں اس منصب کو قبول نہ کرتا۔“

اس سے زیادہ صاف وہ الفاظ ہیں جو امام محمد نے مؤطا میں روایت کئے ہیں۔

او علمت ان احداً اقوی علیٰ هذا الامر منی لکان ان اقدم فیضرب عنقی اھون علی۔^(۱)

یعنی ”اگر میں جانتا کہ کوئی شخص اس کام (خلافت) کے لئے مجھ سے زیادہ قوت رکھتا ہے تو خلافت قبول کرنے کی بہ نسبت میرے نزدیک زیادہ آسان تھا کہ میری گردن مار دی جائے۔“

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ان الفاظ پر غور کرو اور دیکھو کہ اس کا ایک حرف بھی صحت اور واقعیت سے ہٹا ہوا ہے؟

سیاست

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سیاست کے اصول سے خوب واقف تھے۔ اور یہ وہ خصوصیت ہے جس میں وہ دیگر تمام صحابہ سے علانیہ ممتاز ہیں۔ جو ممالک دائرہ خلافت میں داخل تھے ان کی تین قسمیں تھیں۔ عرب، ایران، شام و مصر۔ اس لئے ہر ایک کی حالت کے مناسب

۱۔ (کتاب مذکور مطبوعہ مصطفائی صفحہ 164)۔

الگ الگ تدبیریں اختیار کیں۔ عراق و ایران میں چونکہ مدت سے مرزبان اور دھقان چلے آتے تھے اور اسلام کی فتح کے بعد بھی ان کا زور اور اقتدار قائم تھا۔ اس لئے ان کی پولیٹیکل تنخواہیں مقرر کر دیں جس سے وہ بالکل رام ہو گئے۔ چنانچہ رؤسائے عراق میں ابن التحیر جان بسطام بن رسی، رفیل، خالد، جمیل کے معقول روزینے مقرر کر دیئے۔ شام اور مصر میں رومیوں نے اصلی باشندوں کو صاحب جائیداد نہیں چھوڑا تھا۔ اس لئے ان کی طرف سے چنداں اندیشہ نہ تھا۔ وہ رومی حکومت کی بجائے ایک عادل اور منصف گورنمنٹ چاہتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے ساتھ مراعاتیں کیں کہ انہوں نے بارہا کہا کہ ہم کو مسلمان رومیوں کی بہ نسبت زیادہ محبوب ہیں۔ غیر قوموں کے ساتھ اگرچہ ان کا برتاؤ عموماً نہایت فیاضانہ تھا۔ چنانچہ اس کی بحث ذمیوں کے حقوق میں گزر چکی ہے۔ لیکن زیادہ تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ شام و مصر کی رعایا پر خاص توجہ مبذول تھی۔

مصر میں مقوس مصر کا باشندہ اور رومیوں کی طرف سے نائب حکومت تھا۔ اس کے ساتھ شروع سے ایسے برتاؤ کئے کہ وہ ناخریدہ بن غلام بن گیا اور اس کی وجہ سے تمام مصر رعایا دل سے حلقہ بگوش اطاعت ہو گئی، ان باتوں پر بھی اکتفا نہیں کیا بلکہ جنگی مقامات پر عرب کے خاندان آباد کر دیئے اور فوجی چھاؤنیاں قائم کر دیں جن کی وجہ سے سینکڑوں میل تک اثر پہنچا اور کسی بغاوت کی جرات نہیں ہو سکتی تھی۔ کوفہ و بصرہ جو عرب کی طاقت کا مرکز بن گیا تھا، خاص اسی غرض سے آباد کرایا گیا تھا۔ شام اور مصر میں تمام سواحل پر فوجی چھاؤنیاں اسی ضرورت سے قائم کی گئی تھیں۔

خاص عرب میں ان کو مختلف پولیٹیکل تدبیروں سے کام لینا پڑا۔ یہودیوں اور عیسائیوں کو جزیرہ عرب سے بالکل نکال دیا۔ بڑے بڑے ملکی افسروں کو ہمیشہ بدلتے رہتے تھے۔

چنانچہ عمرو بن العاص کے سوا کوئی ایسا گورنر مقرر نہیں ہوا جو مختلف صوبہ جات میں بدلتا نہ رہا ہو۔ ملکی افسروں میں سے جس کی نسبت زیادہ زور پا جانے کا خیال ہوتا تھا، اس کو علیحدہ کر دیتے تھے۔ جو لوگ زیادہ صاحب اثر تھے ان کو اکثر دار الخلافہ سے باہر نہیں جانے دیتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ ان لوگوں نے جہاد پر جانے کی اجازت طلب کی تو فرمایا کہ ”آپ لوگ دولت بہت جمع کر چکے ہیں، پھر فرمایا لا تخرجوا فسللو ایمیناً و شمالاً۔“

ایک دفعہ عبدالرحمن بن عوف نے پوچھا کہ ”آپ ہم لوگوں کو باہر جانے سے کیوں روکتے ہیں“ فرمایا کہ اس کا جواب نہ دینا جواب دینے سے بہتر ہے (تاریخ یعقوبی صفحہ 181)۔ اپنے قبیلے کے لوگوں کو کبھی ملکہ عہدے نہیں دیئے۔ صرف نعام بن عدی کو ضلع کا حاکم مقرر کیا تھا پھر ایک معقول وجہ سے موقوف کر دیا۔ بنو ہاشم کو بھی ملکی عہدے نہیں دیئے اور اس میں زیادہ تر یہی مصلحت ملحوظ تھی۔

اس وقت تمام عرب میں تین شخص موجود تھے جو مشہور مدبر اور صاحب ادعا تھے۔ امیر معاویہ، عمرو بن العاص، مغیرہ بن شعبہ، چونکہ مہمات ملکی کے انجام دینے کے لئے ان لوگوں سے بڑھ کر تمام عرب میں کوئی شخص ہاتھ نہیں آ سکتا تھا۔ اس لئے سب کو بڑے بڑے عہدے دیئے، لیکن ہمیشہ اس بات کا خیال رکھتے تھے اور ایسی تدبیر کرتے کہ وہ قابو سے باہر نہ ہونے پائیں۔ ان کی وفات کے بعد کوئی ایسا شخص نہ رہا جو کدوا سکتا چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں جو ہنگامے برپا ہوئے وہ سب انہیں لوگوں کی بدولت تھے۔

سیاست اور پالیٹکس حکومت اور سلطنت کا لازمہ ہے لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس

باب میں تمام دنیا پر جو امتیاز حاصل ہے وہ یہ ہے کہ اور بادشاہوں نے پالیٹکس کی ضرورت سے جو جو کام کیے ان کا نام واقعی خدع، مکر، فریب، ظاہر داری اور نفاق تھا۔ بادشاہوں پر موقوف نہیں بڑے بڑے رفاہی مراعات شائبہ سے خالی نہیں ہوتے تھے۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کسی کاروائی پر فریب اور حکمت عملی کا نقاب نہیں ہوتا تھا۔ وہ جو کچھ کرتے تھے علانیہ کرتے تھے۔ اور لوگوں کو صاف صاف اس کی مصلحت سے واقف کر دیتے تھے۔ حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو معزول کیا تو تمام اضلاع میں فرمان بھیج دیا کہ:

انی لم اعزل خالدًا عن مخطئ ولا خیائنه ولكن الناس فتنوا به فحفت ان یوکلوا الیه۔

یعنی "میں نے خالد کو ناراضی یا خیانت کے جرم میں نہیں موقوف کیا بلکہ اس وجہ سے کہ لوگ ان کی طرف زیادہ مائل ہوتے تھے اس لئے میں ڈرا کہ ان پر بھروسہ نہ کر لیں۔"

مثنیٰ کی معزولی کے وقت بھی ایسے ہی خیالات ظاہر کئے اور فرمایا:

لم اعزلهما عن ربیۃ ولكن الناس عظموها فخشیت ان یوکلوا الیهما۔^(۱)

بنو ہاشم کو جس وجہ سے ملکی خدمتیں نہیں دیں، حضرت عبداللہ بن عباس سے صاف اس کی وجہ بیان کر دی۔ چنانچہ ایک دوسرے موقع پر اس کی تفصیل ائے گی۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حسن کی سیاست کا ایک بڑا کارنامہ اور ان کی کامیابی کا بہت بڑا سبب یہ ہے کہ انہوں نے حکومت و انتظام کی کل میں نہایت موزوں پرزے استعمال کئے تھے۔

عہدہ داران سلطنت کا عمدہ انتخاب

یہ بات عموماً مسلم ہے کہ جو ہر شناسی کی صفت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں سب سے

بڑھ کر تھی۔ اس کے ذریعہ سے انہوں نے تمام عزت کے قابل آدمیوں اور ان کی مختلف قابلیتوں سے واقفیت پیدا کی تھی اور انہی قابلیتوں کے لحاظ سے ان کو مناسب عہدے دیئے تھے۔ سیاست و انتظام کے فن میں تمام عرب میں چار شخص اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے۔ امیر معاویہ، عمرو بن العاص، مغیرہ بن شعبہ، زیاد بن سمیہ۔ چنانچہ ان سب کو بڑی بڑی ملکی خدمتیں سپرد کیں اور درحقیقت ان لوگوں کے سوا شام و کوفہ و مصر پر اور کوئی شخص قابو نہیں رکھ سکتا تھا۔

جنگی مہمات کے لئے عیاض بن غنم، سعد و قاص، خالد، نعمان بن مقرن وغیرہ کو انتخاب کیا۔ عمرو معدی کرب اور طلحہ بن خالد اگرچہ پہلوانی اور سپہ گری میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے لیکن فوج کو لڑا نہیں سکتے تھے۔ اس لئے ان دونوں کی نسبت حکم دے دیا کہ ان کو کسی حصہ فوج کی افسری نہ دی جائے۔۔۔ زید بن ثابت و عبد اللہ بن ارقم انشاء و تحریر میں مستثنیٰ تھے۔ ان کو میرٹھی مقرر کیا۔ قاضی شریح، کعب بن سور، سلمان بن ربیعہ، عبد اللہ بن مسعود فصل قضایا میں ممتاز تھے۔ ان کو قضا کی خدمت دی۔ غرض یہ کہ جس کو جس کام پر مقرر کیا وہ گویا اسی کے لئے پیدا ہوا تھا۔ اس امر کا اعتراف دیگر قوموں کے مؤرخوں نے بھی کیا ہے۔ ایک مشہور عیسائی مؤرخ لکھتا ہے کہ ”عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فوج کے سرداروں اور گورنروں کا انتخاب بلا در دور عایت کیا اور مغیرہ و عمار کو چھوڑ کر باقی سب کا تقرر نہایت مناسب اور موزوں ہوا۔“

بے لاگ عدل و انصاف

سب سے بڑی چیز جس نے ان کی حکومت کو مقبول عام بنایا اور جس کی وجہ سے اہل عرب ان کے سخت احکام کو بھی گوارا کر لیتے تھے، یہ تھی کہ ان کا عدل و انصاف ہمیشہ بے لاگ

رہا۔ جس میں دوست دشمن کی کچھ تمیز نہ تھی۔ ممکن تھا کہ لوگ اس بات سے ناراض ہوتے کہ وہ جرائم کی پاداش میں کسی کی عظمت و شان کا مطلق پاس نہیں کرتے لیکن جب وہ دیکھتے تھے کہ خاص اپنی آل و اولاد اور عزیز و اقارب کے ساتھ بھی ان کا یہی برتاؤ ہے تو لوگوں کو صبر آ جاتا تھا۔

ان کے بیٹھے ابو ثممہ نے جب شراب پی تو خود اپنے ہاتھ سے اسے 80 / کوڑے مارے اور اسی صدمہ سے وہ بیچارے قضا کر گئے۔ (ابو ثممہ کے قصے میں واعظوں نے بڑی رنگ آمیزیاں کی ہیں۔ لیکن اس قدر صحیح ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کو شرعی سزا دی اور اسی صدمہ سے انہوں نے انتقال کیا۔^①

قدامة بن مظعون جو ان کے سالے اور بڑے رتبے کے صحابی تھے۔ جب اسی جرم میں ماخوذ ہوئے تو علانیہ ان کو 80 / درے لگوائے۔

قدیم سلطنتوں کے حالات و انتظامات سے واقفیت

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سیاست کا ایک بڑا اصول یہ تھا کہ قدیم سلطنتوں اور حکمرانوں کے قواعد اور انتظامات سے واقفیت پیدا کرتے تھے اور ان میں جو چیزیں پسند کے قابل ہوتی تھیں، اس کو اختیار کرتے تھے۔ خراج عشور، دفتر رسد، کاغذات، حساب ان تمام انتظامات میں انہوں نے ایران اور شام کے قدیم قواعد پر عمل کیا۔ البتہ جہاں کوئی نقص پایا اس کی اصلاح کر دی۔ عراق کے بندوبست کا جب ارادہ کیا تو حذیفہ اور عثمان بن حنیف کے نام حکم بھیجا کہ عراق کے دو بڑے زمینداروں کو میرے پاس بھیج دو۔ چنانچہ یہ زمیندار مع مترجم کے ان کے پاس آئے اور انہوں نے ان سے دریافت کیا کہ سلاطین عجم کے ہاں

۱۔ (دیکھو معارف قتیبہ ذکر اولاد عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ)۔

مال گزاری کی تشخیص کا کیا طریقہ تھا۔^(۱)

جزیہ حالانکہ بظاہر مذہبی لگاؤ رکھتا تھا۔ تاہم اس کی تشخیص میں وہی اصول ملحوظ رکھے جو نوشیرواں نے اپنی حکومت میں قائم کئے تھے۔ علامہ ابو جعفر محمد بن جریر طبری نے جہاں نوشیرواں کے انتظامات اور بالخصوص جزیہ کا ذکر کیا ہے وہاں لکھا ہے کہ وہی الوضائع التي اقتدی بها عمر بن الخطاب حين افتتح بلاد الفرس۔ یعنی یہ وہی قاعدے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب فارس کا ملک فتح کیا تو ان کی اقتداء کی۔

اس سے زیادہ صاف اور مصرح، علامہ ابن مسکویہ نے اس مضمون کو لکھا ہے، علامہ موصوف نے جو حکیم اور فلسفی اور شیخ بوعلی سینا کے معاصر وہم پایہ تھے تاریخ میں ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام ”تجاری الامم“ ہے (تاریخ طبری صفحہ 122) (یہ کتاب قسطنطنیہ کے کتب خانہ مسجد اما صوفیا میں موجود ہے اور میں نے اسی نسخہ سے نقل کیا ہے)۔ اس میں جہاں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انتظامات ملکی کا ذکر کیا، لکھا ہے کہ:

وكان عمر يكثر الخلوة بقوم من الفرس يقرؤن عليه سياسات الملوك ولا سيما ملوك العجم الفضلاء ولا سيما النوشروان وانه كان معجبا بكثير الاقتداء بها۔

یعنی عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فارس کے چند آدمیوں کو صحبت خاص میں رکھتے تھے، یہ لوگ ان کو بادشاہوں کے آئین حکومت پڑھ کر سنایا کرتے تھے۔ خصوصاً شاہان عجم اور ان میں بھی خاص کر نوشیرواں کے اس لئے کہ ان کو نوشیرواں کے آئین بہت پسند تھے اور وہ ان کی بہت پیروی کرتے تھے۔

علامہ موصوف کے بیان کی تصدیق اس سے بھی ہوتی ہے کہ عموماً مؤرخوں نے لکھا ہے کہ جب فارس کا رئیس ہرمزان اسلام لایا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو اپنے خاص درباریوں میں داخل کر لیا اور انتظامات ملکی کے متعلق اس سے اکثر مشورہ لیتے رہتے تھے۔

واقفیت حالات کے لئے پرچہ نویس اور واقعہ نگار

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بڑی کوشش اس بات پر مبذول رہتی تھی کہ ملک کا کوئی واقعہ ان سے مخفی نہ رہنے پائے۔ انہوں نے انتظامات ملکی کے ہر صیغہ میں پرچہ نویس اور واقعہ نگار مقرر کر رکھے تھے۔ جس کی وجہ سے ملک کا ایک ایک جزئی واقعہ ان تک پہنچتا تھا۔ امام طبری لکھتے ہیں۔

وكان عمر لا يخفى علي شي في عمله كتب اليه من العراق بخروج من خراج ومن الشام بجائزة من اجزئها۔

یعنی عمر پر کوئی بات مخفی نہیں رہتی تھی۔ عراق میں جن لوگوں نے خروج کیا اور شام میں جن لوگوں کو انعام دیئے گئے سب تحریری اطلاعیں ان کو پہنچیں۔

عراق کے ایک معرکہ میں سردار لشکر نے عمرو معدی کرب کو دوسرا حصہ نہیں دیا۔ عمرو معدی کرب نے وجہ پوچھی۔ انہوں نے کہا کہ تمہارا گھوڑا دوغلا ہے اس لئے اس کا حصہ کم ہو گیا۔ معد کرب کو اپنی پہلوانی کا غرور تھا۔ بولے کہ ہاں، دوغلا ہی دو غلے کو پہچان بھی سکتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فوراً خبر ہوئی۔ عمرو معدی کرب کو سخت تنبیہ کی جس کی وجہ سے ان کو آئندہ پھر ایسی گستاخی کی جرات نہیں ہوئی۔ نعمان بن عدی میسان کے حاکم تھے۔ دولت و نعمت کے مزے میں پڑ کر انہوں نے اپنی بی بی کو ایک خط لکھا جس میں یہ شعر بھی تھا۔

لعل امیر المومنین یسوءہ تناد منا الجوسق المتھدم
 غالباً امیر المومنین کو خبر پہنچے گی تو وہ برا مانیں گے کہ ہم لوگ مخلوں میں رندانہ صحبتیں رکھتے
 ہیں۔"

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فوراً خبر ہوئی اور ان کو معزول کر کے لکھا کہ ہاں مجھ کو تمہاری یہ
 حرکت ناگوار گزری۔^(۱)

صحابہ میں حذیفہ بن الیمان ایک بزرگ تھے جس کو اکثر خفی باتوں کا پتہ لگ جاتا تھا۔ عہد
 نبوت میں وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے محرم راز تھے اور اسی وجہ سے صاحب السر
 کہلاتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک دن ان سے پوچھا کہ منافقین کو جو
 گروہ ہے ان میں سے کوئی شخص میرے عمالوں اور عہدہ داروں میں بھی ہے، انہوں نے
 کہا، ہاں ایک شخص ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نام پوچھا لیکن انہوں نے راز
 داری کے لحاظ سے نام نہیں بتایا۔ حذیفہ کا بیان ہے کہ اس واقع کے بعد حضرت عمر رضی اللہ
 تعالیٰ عنہ نے اس شخص کو معزول کر دیا۔ جس سے میں نے قیاس کیا کہ انہوں نے خود پتہ لگا
 لیا۔^(۲)

۔ اسی شخص اور بیدار مغزی کا اثر تھا کہ تمام افسر اور عمال ان کے مشورہ کے بغیر کوئی کام نہیں
 کر سکتے تھے۔ علامہ طبری لکھتے ہیں۔

وكانوا كایدعون شيئا ولا يأتونه الا وامر وفه^(۳)

یعنی لوگ کوئی کام ان سے بغیر دریافت کئے نہیں کرتے تھے۔"

۱۔ (اسد الغابہ ذکر نعمان بن عدی)۔

۲۔ (اسد الغابہ ذکر حذیفہ بن الیمان)

۳۔ (طبری صفحہ 2487)۔

بیت المال کا خیال

بیت المال یعنی خزانہ کا بہت خیال رکھتے اور کسی قسم کی رقم کو اس کے احاطے سے باہر نہیں سمجھتے۔ خانہ کعبہ میں مدت کا چڑھاوا جمع تھا۔ اس کی نسبت فرمایا کہ

لقد همت ان الادع فيهما صفراء ولا بيضاء الا قسمته ^(۱)

یعنی ”میں نے ارادہ کیا ہے کہ جو کچھ اس میں سونا چاندی ہے سب لوگوں کو تقسیم کر دوں۔“ ایک دفعہ غنیمت کا مال آیا۔ حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا (حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیٹی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ) کو خبر ہوئی۔ وہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئیں اور کہا امیر المومنین! اس میں سے میرا حق مجھ کو عنایت کیجئے۔ کیونکہ میں ذوالقربیٰ میں سے ہوں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ ”جان پدر! تیرا حق میرے خاص مال میں سے ہے لیکن یہ غنیمت کا مال ہے۔ تو نے اپنے باپ کو دھوکہ دینا چاہا۔ وہ بیچاری خفیف ہو کر اٹھ گئیں۔“ ^(۲)

شام کی فتح کے بعد قیصر روم سے دوستانہ مراسم ہو گئے تھے اور خط و کتابت رہتی تھی۔ ایک دفعہ ام کلثوم (حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زوجہ) نے قیصر کی حرم کے پاس تحفہ کے طور پر عطر کی چند شیشیاں بھیجیں۔ اس نے اس کے جواب میں شیشیوں کو جواہرات سے بھر کر بھیجا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ حال معلوم ہوا تو فرمایا کہ گو عطر تمہارا تھا لیکن قاصد جو لے گیا تھا وہ سرکاری تھا اور اس کے مصارف عام آمدنی میں سے ادا کئے گئے۔ غرض وہ

۱۔ (صحیح بخاری باب کسوة الکعبہ)

۲۔ (مسند امام احمد حنبل)

جواہرات لے کر بیت المال میں داخل کر دیئے گئے اور ان کو کچھ معاوضہ دے دیا گیا۔ ایک دفعہ بیمار پڑ گئے۔ لوگوں نے علاج میں شہد تجویز کیا۔ بیت المال میں شہد موجود تھا لیکن بلا اجازت نہیں لے سکتے تھے۔ مسجد نبوی میں جا کر لوگوں سے کہا کہ اگر اجازت دیں تو بیت المال سے تھوڑا سے شہد لے لوں۔^①

اس کاروائی کا مطلب اجازت کے سوا یہ ظاہر کرنا تھا کہ خزانہ عامہ پر خلیفہ وقت کو اتنا اختیار بھی نہیں۔

خلافت سے پہلے وہ تجارت کے ذریعے سے گزر بسر کرتے تھے۔ خلافت کے مہمات میں یہ شغل قائم نہیں رہ سکتا تھا۔ صحابہ کو جمع کر کے اپنی ضروریات بیان کیں اور کہا کہ بیت المال سے میں کس قدر اپنے مصارف کے لئے لے سکتا ہوں۔ لوگوں نے مختلف رائے دیں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ چپ تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی طرف دیکھا۔ انہوں نے کہا کہ ”صرف معمولی درجہ کی خوراک اور لباس“ چنانچہ ان کے اور ان کی بیوی بچوں کے لئے بیت المال سے کھانا اور کپڑا مقرر ہو گیا۔^②

فوجی روزینہ داروں میں جب بدریین (وہ صحابہ جو جنگ بدر میں شریک تھے) کے لئے تنخواہیں مقرر ہوئیں۔ تو اور لوگوں کے ساتھ پانچ ہزار درہم سالانہ ان کے بھی مقرر ہو گئے۔ کروڑوں روپے کی آمدنی میں فاروق اعظم کو سال بھر میں جو ملتا تھا اس کی یہ تعداد تھی۔

ان کی معاشرت کے حالات میں آگے چل کر تم پڑھو گے کہ وہ اکثر پھٹے پرانے کپڑے پہنتے

۱۔ (کنز العمال جلد 6، صفحہ 354)

۲۔ (تاریخ طبری واقعات 15ھ)

تھے۔ زمین پر سو رہتے تھے۔ مہینوں گیارہوں کا آٹا گھر میں نہیں پکتا تھا۔ اس کی وجہ کچھ رہبانیت اور جوگی پن نہ تھا۔ بلکہ درحقیقت اس سے زیادہ ان کو ملک کی آمدنی میں سے نصیب نہیں ہوتا تھا۔ کبھی کبھی اتفاقیہ کوئی بڑی رقم آ جاتی تھی تو وہ بے دریغ خرچ بھی کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے جب نکاح کیا تو ان کے شرف اور خاندان نبوت کے تعلق کی وجہ سے 40 ہزار درہم مہر باندھا اور اسی وقت ادا بھی کر دیا۔

بنو ہاشم و جومل ✽ ی عہدے نہیں دیئے اس کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ ان کو خوف تھا کہ بنو ہاشم چونکہ خمس میں اپنا حصہ ایک شرعی حق سمجھتے ہیں اس لئے دولت مند ہونے کے باوجود خمس میں سے اپنا حصہ لیں گے۔ حالانکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک خمس کے مصارف امام وقت کی رائے پر منحصر ہیں۔ چنانچہ اس کی مفصل بحث آگے آئے گی۔ انہوں نے بنو ہاشم کی نسبت اپنی اس بدگمانی کا اظہار بھی کر دیا تھا۔ خمس کا عامل جب مر گیا تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مقرر کرنا چاہا لیکن ان کی طرف سے مطمئن نہ تھے۔ اس لئے بلا کر ان سے کہا کہ فی نفسی منک شئی میرے دل میں تمہاری طرف سے ذرا کھٹکا ہے۔ انہوں نے پوچھا کیوں؟ فرمایا

انی خشیت علیک ان تاتی علی الفی الذی ہوات۔^①

یعنی ”مجھے ڈر ہے کہ تم محاصل ملکی پر تصرف نہ کرو۔“

یہ صرف سوء ظن نہ تھا بلکہ وقوع میں بھی آیا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں عبداللہ کو عامل مقرر کیا تو انہوں نے بیت المال میں سے بہت سی رقم لے لی اور جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے باز پرس کی تو لکھ بھیجا کہ ابھی میں نے اپنا پورا حق نہیں

لیا۔

یاد رکھنا چاہیے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیت المال کے بارے میں جو کفایت شعاری برتی وہ خلافت فاروقی کی کامیابی کا بہت بڑا سبب تھی۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت میں لوگوں نے جو شورشیں کیں، اس کی ایک بڑی وجہ یہ ہوئی کہ جن موصوف نے بیت المال کے متعلق فیاضانہ برتاؤ کیا۔ یعنی اپنے عزیز و اقارب کو ذوالقربیٰ کی بناء پر رقیس عطا کیں۔

ایک عجیب بات یہ ہے کہ اگرچہ ان کو بے انتہا کام درپیش رہتے تھے۔ دار الخلافہ سے سینکڑوں ہزاروں میل تک فوجیں پھیلی ہوئی تھیں۔ جن کی ایک ایک حرکت ان کے اشاروں پر موقوف تھی۔ انتظامات حکومت کی مختلف شاخوں کا ذکر تم اوپر پڑھ آئے ہو۔ فقہ کی ترتیب اور افتاء جو ایک مستقل اور بہت بڑا کام تھا، پھر اپنے ذاتی اشغال جدا تھے۔ تاہم ہم کام وقت پر انجام پاتا تھا اور کسی کام میں کبھی حرج نہیں ہوتا تھا۔ نہادند کا سخت معرکہ جس میں تمام ایران امنڈ آیا تھا درپیش تھا کہ عین اسی زمانے میں سعد و قاص گور زکوفہ کی شکایت گزری۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اگرچہ بہت تنگ وقت ہے تاہم سعد کی تحقیقات نہیں رک سکتی۔ چنانچہ کوفہ سے فوجوں کی روانگی کا انتظام بھی ہوتا رہا اور ساتھ ہی بڑی کدو کاوش سے سعد کی تحقیقات بھی ہوئی۔ جزیرہ والوں نے قیصر سے مل کر جب شام پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا تو اس سرعت سے تمام اضلاع سے فوجیں بھیجیں کہ جزیرہ کے تمام ناکے روک دیئے اور اہل جزیرہ قیصر تک پہنچ بھی نہ سکے۔ زیاد بن جدیر، دولکی تحصیل پر مامور تھے۔ انہوں نے ایک عیسائی کے گھوڑے کی قیمت بیس ہزار قرار دے کر محصول طلب کیا۔

اس نے کہا کہ گھوڑا آپ رکھ لیجئے اور 19 ہزار مجھ کو حوالہ کیجئے۔ دوبارہ عیسائی ان کی سرحد سے گزرا تو اس سے پھر محصول مانگا۔ وہ مکہ معظمہ پہنچا اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے شکایت کی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صرف اس قدر کہا کہ تم مطمئن رہو۔ عیسائی زیاد بن جدیر کے پاس واپس آیا اور اور دل میں ارادہ کر چکا تھا کہ ایک ہزار اور دے کر گھوڑے کو واپس لے۔ یہاں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان پہلے پہنچ چکا تھا کہ سال بھر میں دو دفعہ ایک چیز کا محصول نہیں لیا جاسکتا۔

ایک اور عیسائی کو اسی قسم کا واقعہ پیش آیا۔ وہ عین اس وقت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس پہنچا جب وہ حرم میں خطبہ پڑھ رہے تھے۔ اسی حالت میں اس نے شکایت کی۔ فرمایا دوبارہ محصول نہیں لیا جاسکتا۔^①

عیسائی چند روز مکہ میں مقیم رہا۔ ایک دن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس پہنچا اور کہا کہ ”میں وہی نصرانی ہوں جس نے محصول کے متعلق شکایت کی تھی۔“ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میں حنقی (مسلمان) ہوں جس نے تمہارا کام انجام دیا۔ عیسائی نے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہلے ہی دن زیاد کو حکم بھیج چکے تھے۔

اس بات کا بہت سخت اہتمام کیا کہ ممالک محروسہ میں سے کوئی شخص فقر و فاقہ میں مبتلا نہ ہونے پائے۔ عام حکم تھا اور اس کی ہمیشہ تعمیل ہوتی تھی کہ ملک میں جس قدر پانچ، ازکار رفتہ اور مفلوج وغیرہ ہوں سب کی تنخواہیں بیت المال سے مقرر کر دی جائیں۔ لاکھوں سے متجاوز آدمی فوجی دفتر میں داخل تھے جن کو گھر بیٹھے خوراک ملتی تھی۔ اول یہ انتظام کیا گیا تو حکم دیا کہ ایک جریب (قریباً پچیس سیر کا ہوتا ہے) آٹا پکایا جائے۔ پک کر تیار ہوا تو 30

۱۔ (پہ دونوں روایتیں کتاب الخراج صفحہ 78-79 میں ہیں)۔

آدمیوں کو بلا کر کھلایا گیا۔ شام کو پھر اسی قدر آٹا پکوا یا اور اسی قدر آدمیوں کو کھلایا۔ دونوں وقت کے لئے یہ مقدار کافی ٹھہری تو فرمایا کہ ایک مہینے بھر کی خوراک دو جریب آٹا کافی ہے۔ پھر حکم دیا کہ ہر شخص کے لئے اس قدر آٹا مقرر کر دیا جائے۔ اعلان عام کے لئے ممبر پر چڑھے اور پیمانہ ہاتھ میں لے کر کہا کہ میں نے تم لوگوں کے لئے اس قدر خوراک مقرر کر دی ہے۔ جو شخص اس کو گھٹائے گا اس سے خدا سمجھ گا۔

ایک روایت میں ہے کہ پیمانہ ہاتھ میں لے کر یہ الفاظ فرمائے۔

انی قد فرضت لكل نفس مسلمة في شهر مدی حنطة وقسطی خل

یعنی "میں نے ہر مسلمان کے لئے فی ماہ دو مد گیہوں اور دو قسط سرکہ مقرر کیا ہے۔"

غربا اور مساکین کے روزینے

اس پر ایک شخص نے کہا کہ کیا غلام کے لئے بھی، فرمایا "ہاں غلام کے لئے بھی" (یہ پوری تفصیل **فتوح البلدان** صفحہ 460 میں ہے اور تمام تاریخوں میں بھی ذرا ذرا اسے اختلاف کے ساتھ یہ روزیت مذکور ہے)۔ غربا اور مساکین کے لئے بلا تخصیص مذہب حکم تھا کہ بیت المال سے ان کے روزینے مقرر کر دیئے جائیں۔ چنانچہ جیسا ہم اوپر آدمیوں کے حقوق میں لکھ آئے ہیں۔ بیت المال کے عامل کو لکھ بھیجا کہ خدا کے اس قول سے کہ انما الصدقات للفقراء والمساکین فقراء سے مسلمان اور مساکین سے اہل کتاب مراد ہیں۔

مہمان خانے

اکثر شہروں میں مہمان خانے تعمیر کرائے۔ جہاں مسافروں کو بیت المال کی طرف سے کھانا ملتا تھا۔ چنانچہ کوفہ کے مہمان خانے کا ذکر ہم کوفہ کی آبادی کے ذکر میں لکھ آئے ہیں۔ مدینہ منورہ میں جو لنگر خانہ تھا اکثر وہاں خود جا کر اپنے اہتمام سے کھانا کھلاتے تھے۔

لا وارث بچے

اولاد لقطہ یعنی گناہ بچے جن کو مائیں شاہراہ وغیرہ پر ڈال جاتی تھیں، ان کے لئے سن 18 ہجری میں یہ انتظام کیا کہ جہاں اس قسم کا کوئی بچہ ملے اس کے دودھ پلانے اور دیگر مصارف کا انتظام بیت المال سے کیا جائے۔^(۱) چنانچہ ان مصارف کے لئے اول سو درہم سالانہ مقرر ہوتے تھے پھر سال بہ سال ترقی ہو جاتی تھی۔

یتیموں کی خبر گیری

یتیموں کی پرورش اگر ان کی جائیداد ہوتی تھی تو اس کی حفاظت کا نہایت اہتمام کرتے تھے اور اکثر تجارت کے ذریعے اسے ترقی دیتے رہتے تھے۔ ایک دفعہ حکم بن ابی العاص سے کہا کہ میرے پاس یتیموں کا جو مال جمع ہے وہ زکوٰۃ نکالنے کی وجہ سے گھٹتا جا رہا ہے۔ تم اس کو تجارت میں لگاؤ اور جو نفع ہو واپس کر دو۔ چنانچہ دس ہزار کی رقم حوالہ کی اور وہ بڑھتے بڑھتے لاکھ تک پہنچ گئی۔

قحط کا انتظام

۱۔ (بلاذری صفحہ 452 و یعقوبی جلد 7 صفحہ 71)۔

18 ہجری میں جب عرب میں قحط پڑا تو عجب سرگرمی ظاہر کی۔ اول بیت المال کا تمام نقد و غلہ صرف کیا۔ پھر تمام صوبوں کے افسروں کو لکھا کہ ہر جگہ سے غلہ روانہ کیا جائے۔ چنانچہ حضرت ابو عبیدہ نے چار ہزار اونٹ غلہ سے لدے ہوئے بھیجے۔ عمرو بن العاص نے بحر قلزم کی راہ سے بیس جہاز روانہ کئے جن میں ایک ایک میں تین تین ہزار اردب غلہ تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان جہازوں کے ملاحظہ کے لئے خود بندرگاہ تک گئے۔ جس کا نام جار تھا، اور مدینہ منورہ سے تین منزل ہے۔ بندرگاہ میں دو بڑے بڑے مکان بنوائے اور زید بن ثابت کو حکم دیا کہ قحط زدوں کا نقشہ بنائیں۔ چنانچہ بقید نام اور مقدار غلہ رجسٹر تیار ہوا۔ ہر شخص کو چک تقسیم کی گئی۔ جس کے مطابق اس کو روزانہ غلہ ملتا تھا۔ چک پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مہر ثبت ہوتی تھی۔^①

اس کے علاوہ ہر روز 120 / اونٹ خود اپنے اہتمام سے ذبح کراتے تھے اور قحط زدوں کو کھانا پکوا کر کھلاتے تھے۔ اس موقع پر یہ بات خاص طور پر جتا دینے کے قابل ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اگرچہ ملک کی پرورش اور پرداخت کا اتنا کچھ اہتمام تھا لیکن ان کی فیاضی ایشیائی قسم کی فیاضی نہ تھی جس کا نتیجہ کاہلی اور مفت خوری کا رواج دنیا میں ہوتا ہے۔

رفاہ عام کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نکتہ سنجی

ایشیائی سلاطین و امراء کی فیاضیوں کا ذکر عموماً بڑے ذوق و شوق سے کیا جاتا ہے۔ لیکن لوگ

۱۔ (یہ تفصیل یعقوبی صفحہ 77 میں ہے۔ اخیر کے فقرے یہ ہیں لم امر زید بن ثابت ان یکتب الناس علی منازلہم وامران یکتب مکا کم تو اطلیس لم یختم اسلافہا فکان اول من صبح و ختم اغل الصکاک۔ اردب کم و بیش 2 من کا ہوتا ہے)

اس بات کا خیال نہیں کرتے کہ اس سے جہاں ایک بادشاہ کی مدح نکلتی ہے دوسری طرف قوم کا درویشہ گر ہونا اور انعام و بخشش پر لو لگائے بیٹھے رہنا بھی ثابت ہوتا ہے۔ یہی ایشائی فیاضیاں تھیں جس نے آج ہماری قوم میں لاکھوں آدمی ایسے پیدا کر دیئے ہیں جو خود ہاتھ پاؤں ہلانا نہیں چاہتے اور نذرو نیاز وغیرہ پر اوقات بسر کرتے ہیں۔

لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس سے بے خبر نہ تھے۔ وہ اس بات کی سخت کوشش کرتے تھے کہ لوگوں میں کابلی اور مفت خوری کا مادہ نہ پیدا ہونے پائے۔ جن لوگوں کی تنخواہیں اور خوراک مقرر کی تھیں، وہ صرف وہ لوگ تھے جن سے کبھی نہ کبھی فوجی خدمت کو توقع ہو سکتی تھی۔ یا جنہوں نے پہلے کوئی نمایاں خدمت کی ہوئی تھی اور وہ ضعیف اور بیماری کی وجہ سے خود کسب معاش نہیں کر سکتے تھے۔ اس اقسام کے علاوہ وہ کبھی اور قسم کی فیاضی کو روکا نہیں رکھ سکتے تھے۔

محدث ابن جوزی نے سیرۃ العمرین میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ ایک سائل حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیکھا تو اس کی جھولی آٹے سے بھری ہوئی تھی۔ چھین کر اونٹوں کے آگے ڈال دی اور فرمایا کہ اب جو مانگنا ہے مانگ۔ علامہ ماروردی نے احکام السلطانیہ میں لکھا ہے کہ محتسب کا فرض ہے کہ ایسے لوگوں کو جو کھانے کمانے کے قابل ہوں اور باوجود اس کے صدقہ اور خیرات لیتے ہوں تنبیہ و تادیب کرے۔ اس کے بعد علامہ موصوف نے اس کی سند میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس فعل سے استدلال کیا ہے اور لکھا ہے کہ وقد فعل عمر مثل ذلک بقوم من اهل الصدقة۔^① معمول تھا کہ جب کسی شخص کو ظاہر میں خوشحال دیکھتے تو دریافت فرماتے کہ یہ کوئی پیشہ بھی

کرتا ہے! اور جب لوگ کہتے کہ نہیں، تو فرماتے کہ یہ شخص میری آنکھ سے گر گیا۔ ان کا مقولہ تھا کہ مکسبہ فیہا دناۃ خیر من مسالۃ الناس یعنی ذلیل پیشہ بھی لوگوں سے سوال کرنے کے بہ نسبت اچھا ہے۔ مفت خوری کا موقع تو زیادہ تر علماء و صوفیا کو ملتا ہے۔ ان کے زمانے تک صوفیہ تو پیدا نہیں ہوئے تھے لیکن علماء کو انہوں نے اعلانیہ مخاطب کر کے کہا لا تمکونو عبیالا علی المسلمین یعنی مسلمانوں پر اپنا بار نہ ڈالو۔^(۱)

جزئیات پر توجہ

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تاریخی زندگی میں ایک عجیب بات یہ ہے کہ اگرچہ ان کو ہمیشہ بڑے اہم امور سے سابقہ رہتا تھا۔ تاہم نہایت چھوٹے چھوٹے کام بھی وہ خود انجام دے لیتے تھے اور اس کے لئے ان کو وقت اور فرصت کی تنگی محسوس نہیں ہوتی تھی۔ ان میں ایسے کام بھی ہوتے تھے جن کا اختیار کرنا بظاہر شان خلافت کے خلاف تھا۔ لیکن ان کو کسی کام سے عار نہ تھا۔

روزینہ داروں کے جو روزینے مقرر تھے اکثر خود جا کر تقسیم کرتے تھے۔ قدید اور عسفان مدینہ سے کئی منزل کے فاصلے پر دو قصبے ہیں، جہاں قبیلہ خزاعہ کے لوگ آباد تھے۔ ان دونوں مقاموں میں خود تشریف لے جاتے تھے۔ روزینہ داروں کا دفتر ہاتھ میں ہوتا تھا۔ ان کو دیکھ کر چھوٹے بڑے سب کے سب گھروں سے نکل آتے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود اپنے ہاتھ سے تقسیم کرتے جاتے تھے۔ اکثر ایسا ہوتا تھا کہ دار الصدقہ میں جاتے اور ایک ایک اونٹ کے پاس کھڑے ہو کر ان کے دانت گنتے اور ان کا حلیہ قلمبند کرتے۔

محب طبری نے ابو حذیفہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ ان کا معمول تھا کہ مجاہدین کے گھروں پر جاتے اور عورتوں سے کہتے کہ تم کو کچھ بازار سے منگوانا ہو تو میں لا دوں۔ وہ لونڈیاں ساتھ کر دیتیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود چیزیں خریدتے اور ان کے حوالہ کرتے۔ مقام جنگ سے قاصد آتا اور اہل فوج کے خطور لاتا تو خود ان کے گھروں پر پہنچا آتے تھے اور کہتے کہ فلاں تاریخ تک قاصد واپس جائے گا۔ جواب لکھوا رکھو کہ اس وقت تک روانہ ہو جائے۔ کاغذ، قلم اور دوات خود مہیا کر دیتے اور جس گھر میں کوئی حرف شناس نہ ہوتا خود چوکھٹ کے پاس بیٹھ جاتے اور گھر والے جو لکھواتے لکھتے جاتے۔

رعایا کی شکایتوں سے واقفیت کے وسائل

ان کی سب سے زیادہ توجہ اس بات پر مبذول رہتی تھی کہ رعایا کی کوئی شکایت ان تک پہنچنے سے نہ رہ جائے۔ یہ معمول رکھا کہ ہر نماز کے بعد صحن مسند میں بیٹھ جاتے اور جس کو جو ان سے کہنا سننا ہوتا کہتا۔ کوئی نہ ہوتا تو تھوڑی دیر انتظار کر کے اٹھ جاتے۔ راتوں کو دورہ کیا کرتے۔ سفر میں راہ چلتوں سے حالات پوچھتے۔ بیرونی اضلاع سے جو سرکاری قاصد آتے ان سے ہر قسم کی پرسش خود کرتے۔

سفارت

ایک عمدہ طریقہ دریافت حالات کا یہ تھا کہ تمام اضلاع سے ہر سال سفارتیں آتیں اور وہ ان مقامات کے متعلق ہر قسم کی ضروری باتیں پیش کرتے۔ اس سفارت کو وفد کہتے تھے اور یہ عرب کا قدیم دستور تھا۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے زمانے میں اس سے وہ کام لیا جو آج کل جمہوری سلطنتوں میں رعایا کے قائم مقام ممبرانجام دیتے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں مختلف اضلاع سے جو سفارتیں آئیں اور جس طرح انہوں نے اپنی مقامی ضرورتیں پیش کیں۔ اس کا حال عقد الفرید وغیرہ میں بتفصیل ملتا ہے۔

شام کا سفر اور رعایا کی خبر گیری

ان تمام باتوں پر بھی ان کو تسلی نہ ہوئی تھی۔ فرماتے کہ عمال رعایا کی پرواہ نہیں کرتے اور ہر شخص مجھ تک پہنچ نہیں سکتا۔ اس بناء پر ارادہ کیا تھا کہ شام، جزیرہ، کوفہ اور بصرہ کا دورہ کریں اور ہر جگہ دو دو مہینے ٹھہریں۔ لیکن موت نے فرصت نہ دی۔ تاہم اخیر دفعہ جب شام کا سفر کیا تو ایک ایک ضلع میں ٹھہر کر لوگوں کی شکایتیں سنیں اور دادرسی کی۔ اس سفر میں ایک پر عبرت واقعہ پیش آیا۔ دار الخلافہ کو واپس آرہے تھے کہ راہ میں ایک خیمہ دیکھا۔ سواری سے اتر کر خیمہ کے قریب گئے۔ ایک بڑھیا عورت نظر آئی۔ اس سے پوچھا عمر کا کچھ حال معلوم ہوا؟

اس نے کہا ہاں شام سے روانہ ہو چکا لیکن خدا اس کو غارت کرے۔ آج تک مجھ کو اس کے ہاں سے ایک حبہ بھی نہیں ملا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا، اتنی دور کا حال عمر کو کیونکر معلوم ہو سکتا ہے۔

بولی کہ ”اس کو رعایا کا حال معلوم نہیں تو خلافت کیوں کرتا ہے“ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سخت رقت ہوئی اور بے اختیار رو پڑے۔ ہم اس موقع پر متعدد حکایتیں نقل کرتے ہیں جس سے اندازہ ہوگا کہ رعایا کے آرام و آسائش اور خبر گیری میں ان کو کس قدر سرگرمی اور ہمدردی تھی۔

ایک دفعہ ایک قافلہ مدینہ منورہ میں آیا اور شہر کے باہر اتر ا۔ اس کی خبر گیری اور حفاظت کے لئے خود تشریف لے گئے۔ پہرہ دیتے پھرتے تھے کہ ایک طرف سے رونے کی آواز آئی۔ ادھر متوجہ ہوئے، دیکھا تو ایک شیر خوار بچہ ماں کی گود میں رہ رہا تھا۔ ماں کو تاکیدی کہ بچے کو بہلائے۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر ادھر سے گزر رہا تو بچے جو روتا پایا۔ غیظ میں آ کر فرمایا کہ تو بڑی بے رحم ماں ہے۔

اس نے کہا کہ تم کو اصل حقیقت معلوم نہیں، خواہ مخواہ مجھ کو دق کرتے ہو۔ بات یہ ہے کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکم دیا ہے کہ بچے جب تک ماں کا دودھ نہ چھوڑیں، بیت المال سے اس کا وظیفہ مقرر نہ کیا جائے۔ میں اس غرض سے اس کا دودھ چھڑاتی ہوں اور یہ اس وجہ سے روتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رقت ہوئی اور کہا کہ ہائے عمر! تو نے کتنے بچوں کا خون کیا ہوگا۔ اسی دن سے منادی کرادی کہ بچے جس دن سے پیدا ہوں اسی تاریخ سے ان کے روزینے مقرر کر دیئے جائیں گے۔ اسلم (حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا غلام) کا بیان ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رات کو گشت کے لئے نکلے۔ مدینہ سے تین میل پر صرار نامی ایک مقام ہے۔ وہاں پہنچے تو دیکھا کہ ایک عورت کچھ پکار رہی ہے اور دو تین بچے رو رہے ہیں۔ پاس جا کر حقیقت حال دریافت کی۔ اس نے کہا کہ کئی وقتوں سے بچوں کو کھانا نہیں ملا۔ ان کے بہلانے کے لئے خالی ہانڈی میں پانی ڈال کر چڑھا دی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی وقت اٹھے۔ مدینہ میں آ کر بیت المال سے آٹا، گوشت، گھی اور کھجوریں لیں اور اسلم سے کہا کہ میرے پیٹھ پر رکھ دو۔ اسلم نے کہا کہ میں لئے چلتا ہوں۔ فرمایا ہاں! لیکن قیامت کے روز میرا بار تم نہیں اٹھاؤ گے۔ غرض سب چیزیں خود اٹھا کر لائے اور عورت کے آگے رکھ دیں۔ ان نے آٹا گوندھا، ہانڈی چڑھائی۔ حضرت عمر

رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود چولہا پھونکتے جاتے تھے۔ کھانا تیار ہوا تو بچوں نے خوب سیر ہو کر کھایا اور اچھلنے کودنے لگے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بچوں کو دیکھتے تھے اور خوش ہوتے تھے۔ عورت نے کہا، خدا تم کو جزائے خیر دے۔ سچ یہ ہے کہ امیر المومنین ہونے کے قابل تم ہونہ کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

ایک دفعہ رات کو گشت کر رہے تھے کہ ایک بدوا اپنے خیمہ سے باہر زمین پر بیٹھا ہوا تھا۔ پاس جا کر بیٹھے اور ادھر ادھر کی باتیں شروع کیں۔ دفعۃً خیمہ سے رونے کی آواز آئی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا کہ کون روتا ہے؟ اس نے کہا کہ میری بیوی درد زہ میں مبتلا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ گھر پر آئے اور ام کلثوم (حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زوجہ تھیں) کو ساتھ لیا۔ بدو سے اجازت لے کر ام کلثوم کو خیمہ میں بھیجا۔ تھوڑی دیر بعد بچہ پیدا ہوا۔ ام کلثوم نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پکارا کہ امیر المومنین اپنے دوست کو مبارکباد دیجیئے۔ امیر المومنین کا لفظ سن کر بدو چونک پڑا اور مودب ہو کر بیٹھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ نہیں کچھ خیال نہ کرو۔ کل میرے پاس آنا میں اس بچہ کی تنخواہ مقرر کر دوں گا۔

عبدالرحمن بن عوف کا بیان ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رات کو میرے مکان پر آئے۔ میں نے کہا آپ نے کیوں تکلیف کی۔ مجھ کو بلا لیا ہوتا۔ فرمایا کہ ابھی مجھے معلوم ہوا ہے کہ شہر سے باہر ایک قافلہ اتر آیا ہے۔ لوگ تھکے ماندے ہوں گے۔ آؤ ہم تم چل کر پہرہ دیں۔ چنانچہ دونوں اصحاب گئے اور رات بھر پہرہ دیتے رہے۔

جس سال عرب میں قحط پڑا، ان کی عجیب حالت ہوئی۔ جب تک قحط رہا، گوشت، گھی، مچھلی، غرض کوئی لذیذ چیانہ کھائی۔ نہایت خضوع سے دعائیں مانگتے تھے کہ ”اے خدا! محمد صلی اللہ

علیہ وسلم کی امت کو میری شامت اعمال سے تباہ نہ کرنا۔" اسلم، ان کے غلام، کا بیان ہے کہ قحط کے زمانے میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو فکر و تردد رہتا تھا اور اس سے قیاس کیا جاتا تھا کہ اگر قحط رفع نہ ہوا تو وہ اسی غم میں تباہ ہو جائیں گے۔ قحط کا جو انتظام حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا تھا اس کو ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔^(۱)

ایک دفعہ ایک بدوان کے پاس آیا، اور یہ اشعار پڑھے:

یا عمر الخیر خیر الجنة اکس

بناتی وامھنہ اقسام باللہ لتفعلنہ

اے عمر! لطف اگر ہے تو جنت کا ہے۔ میری لڑکیوں کو کپڑے پہنا۔ خدا کی قسم تجھ کو یہ کرنا ہو گا۔"

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اور میں تمہارا کہنا نہ کروں تو کیا ہوگا۔ بدو نے کہا

تکون عن حالی لتسئلنہ والواقف المسئول تبھتنہ اما لی ناروا ماجنہ

تجھ سے قیامت کے روز میری نسبت سوال ہوگا اور تو ہوکا بکا رہ جائے گا۔ پھر یا دوزخ کی طرف یا بہشت کی طرف جانا ہوگا۔"

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس قدر روئے کہ داڑھی تر ہو گئی۔ غلام سے کہا کہ میرا یہ کرتا

اس کو دے۔ اس وقت اس کے سوا اور کوئی چیز میرے پاس نہیں۔^(۲)

ایک دفعہ رات کو گشت کر رہے تھے کہ ایک عورت اپنے بالا خانے پر بیٹھی یہ اشعار گاتا رہی تھی۔

۱۔ (یہ تمام روایتیں کنز العمال جلد 6 صفحہ 343 میں مستند حوالوں سے منقول ہیں)

۲۔ (سیرۃ العرین وازالۃ الخفاء)۔

تطاؤل هذ الیل وازور جانبہ

ولیس الی جنبی خلیل الاعبہ

رات کالی ہے اور لمبی ہوتی جا رہی ہے اور میرے پہلو میں میرا دوست نہیں، جس سے خوش فعلی کروں۔“

اس عورت کا شوہر جہاد پر گیا ہوا تھا اور وہ اس کے فراق میں یہ درد انگیز اشعار پڑھ رہی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سخت قلق ہوا اور کہا کہ میں زنان عرب پر بڑا ظلم کیا ہے۔ حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آئے اور پوچھا کہ عورت کتنے دن مرد کے بغیر بسر کر سکتی ہے؟ انہوں نے کہا کہ چار مہینے۔ صبح ہوتے ہی ہر جگہ حکم بھیج دیا کہ کوئی سپاہی چار مہینے سے زیادہ باہر نہ رہنے پائے۔

سعید بن یربوع ایک صحابی تھے جن کی آنکھیں جاتی رہی تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے کہا کہ آپ جمعہ میں کیوں نہیں آتے۔ انہوں نے کہا کہ میرے پاس آدمی نہیں کہ مجھ کو راستہ بتائے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک آدمی مقرر کیا جو ہمیشہ ان کے ساتھ ساتھ رہتا تھا۔^①

ایک دفعہ لوگوں کو کھانا کھلا رہے تھے۔ ایک شخص کو دیکھا بائیں ہاتھ سے کھا رہا ہے۔ پاس جا کر کہا کہ دہنے ہاتھ سے کھاؤ۔ اس نے کہا جنگ موتہ میں میرا دایاں ہاتھ جاتا رہا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رقت ہوئی۔ اس کے برابر بیٹھ گئے اور رو کر کہنے لگے کہ افسوس تم کو وضو کون کراتا ہوگا۔ سر کون دھوتا ہوگا؟ کپڑے کون پہناتا ہوگا؟ پھر ایک نوکر مقرر کر دیا اور اس کے لئے تمام ضروری چیزیں خود مہیا کر دیں۔

۱۔ (اسد الغلبہ تذکرہ سعد بن یربوع)۔

امامت اور اجتہاد

امامت کا منصب، درحقیقت نبوت کا ایک شعبہ ہے اور امام کی فطرت قریب قریب پیغمبر کی فطرت کی طرح ہوتی ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں ”وازمیان امت جمعے ہستند کہ جو ہر نفس ایشان قریب جو ہر انبیاء مخلوق شدہ و ایں جماعہ دار اصل فطرت خلفائے انبیاء اند درامت۔“^(۱)

مذہبی عقائد اور احکام اگرچہ بظاہر سادہ اور صاف ہیں کیونکہ صانع عالم کا اعتقاد اس کی صفات کمال کا اعتراف، سزا و جزا کا یقین، زہد و عبادت، محاسن اخلاق یہی چیزیں تمام مذاہب کے اصل الاصول اور احکام ہیں اور یہ سب بظاہر سادہ اور صاف باتیں ہیں۔

لیکن ان کے مسائل میں اشتباہ اور ابہام اس قدر ہے کہ اگر نکتہ سنجی اور دقیقہ رسی سے کام نہ کیا جائے تو ان کی حقیقت بالکل بدل جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ باوجود اس کے کہ یہ مسائل قریباً تمام مذاہب میں مشترک تھے۔ تاہم کم و بیش سب میں غلطیاں واقع ہوئیں۔ اسلام انہی غلطیوں کو مٹانے کے لئے آیا اور تاکید کے ساتھ ان پر توجہ دلائی۔ لیکن چونکہ عام طبائع نکتہ سنج نہیں ہوتیں۔ اس لئے ہر زمانے میں اکثر لوگ اصل حقیقت سے دور ہو جاتے ہیں اور اسی لئے ائمہ اور مجددین کی ضرورت باقی رہی کہ ان اسرار پر پردہ نہ پڑ جائے۔ مثلاً اسلام نے شرک کو کس قدر زور و شور سے مٹایا۔ لیکن غور سے دیکھو تو قبروں اور مزاروں کے ساتھ عوام تو ایک طرف بعض خواص کو جو طرز عمل ہے اس میں اب بھی کس قدر شرک کا مخفی اثر موجود ہے۔ گو استفادہ عن القبور اور حصول برکت کے خوشنما الفاظ نے ان پر پردہ ڈال رکھا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان نازک اور مشتبہ مسائل میں جس طرح اصل

حقیقت کو سمجھا اور جس جرات و دلیری سے اس کو لوگوں کے سامنے ظاہر کیا۔ اس کی نظیر صحابہ کے زمانے میں بہت کم ملتی ہے۔

مسئلہ قضا و قدر

الہیات کا ایک بڑا نازک مسئلہ قضا و قدر کا مسئلہ ہے۔ جس میں عموماً بڑے بڑے ائمہ مذہب کو غلطیاں واقع ہوئیں۔ یہاں تک کہ اکابر صحابہ میں سے بھی بعض کو اشتباہ ہوا۔ طاعونِ عمواس کے زمانے میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب شام کا سفر کیا تو مقام سرغ میں پہنچ کر معلوم ہوا کہ وہاں وبا کی نہایت شدت ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے واپسی کا ارادہ کیا۔ حضرت ابو عبیدہ نے اس خیال سے کہ جو ہوتا ہے قضائے الہی سے ہوتا ہے نہایت طیش میں آ کر کہا کہ افرار من قدر اللہ یعنی قضا الہی ہی بھاگتے ہو؟

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس نازک مسئلے کو ان مختصر اور بلیغ الفاظ میں حل فرمایا۔^(۱)
نعم نفر من قدر اللہ الی قدر اللہ

یعنی ”ہاں ہم خدا کے حکم سے خدا کے حکم کی طرف بھاگتے ہیں۔“

اسلام کا اصول شعائر اللہ کی تعظیم ہے۔ اسی بناء پر کعبہ اور حجر اسود وغیرہ کے احترام کا حکم ہے لیکن اس کی صورت صنم پرستی سے بہت کچھ ملتی جلتی ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ تمام مذاہب میں اسی طرح کے اصولوں سے رفتہ رفتہ صنم پرستی قائم ہو گئی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مختلف موقعوں پر لوگوں کو اس غلط فہمی میں پڑنے سے بار رکھنے کے لیے فرمایا:

انی اعلم انک حجر و انک لا تضر ولا تنفع

میں جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے نہ فائدہ پہنچا سکتا ہے نہ نقصان۔“

۱۔ (یہ واقعہ مفصل طور پر صحیح مسلم باب الطاعون میں مذکور ہے)

تعظیم شعائر اللہ

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول مذاق عام سے جس قدر الگ تھا اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ بہت سے محدثین نے جہاں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول نقل کیا ہے وہاں یہ روایت بھی اضافہ کی ہے کہ اسی وقت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو ٹوکا اور ثابت کیا کہ حجر اسود فائدہ اور نقصان دونوں پہنچا سکتا ہے۔ کیونکہ وہ قیامت میں لوگوں کی نسبت شہادت دے گا۔ لیکن یہ اضافہ محض غلط اور بناوٹ ہے۔ چنانچہ ناقدین فن نے اس کی تصریح کی ہے۔

ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک درخت کے نیچے لوگوں سے جہاد پر بیعت لی تھی۔ اس بناء پر یہ درخت متبرک سمجھا جانے لگا اور لوگ اس کی زیارت کو آنے لگے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ دیکھ کر اس کو جڑ سے کٹوا دیا۔ (ازالۃ الخفاء حصہ دوم صفحہ 91) علامہ زرقانی نے شرح مواہب لدنیہ میں بیعت رضوان کے واقعہ کے ذکر میں لکھا ہے کہ ابن سعد نے طبقات میں اس واقعہ کو قلمبند صحیح روایت کیا ہے۔ ایک دفعہ سفر حج سے واپس آرہے تھے۔ راستے میں ایک مسجد تھی جس میں ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی تھی۔ اس خیال سے لوگ اس طرف دوڑے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اہل کتاب انہی باتوں کی بدولت تباہ ہوئے کہ انہوں نے پیغمبروں کی یادگاروں کو عبادت گاہ بنالیا تھا۔^(۱)

۱۔ (ازالۃ الخفاء حصہ دوم صفحہ 91)۔

نبی کے اقوال و افعال کہاں تک منصب نبوت سے تعلق رکھتے ہیں

نبوت کی حقیقت کی نسبت عموماً لوگ غلطی کرتے آئے ہیں اور اسلام کے زمانے میں بھی یہ سلسلہ بند نہیں ہوا۔ اکثر لوگوں کا خیال ہے کہ نبی کا ہر قول و فعل خدا کی طرف سے ہوتا ہے۔ بعض حضرات نے ذرا ہمت سے کام لے کر صرف معاشرت کی باتوں کو مستثنیٰ کیا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ نبی جو حکم منصب نبوت کے تحت نبی کی حیثیت سے دیتا ہے وہ بے شبہ خدا کر طرف سے ہوتا ہے۔ باقی امور وقت اور ضرورت کے لحاظ سے ہوتے ہیں تشریعی اور مذہبی نہیں ہوتے۔ اس مسئلے کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بالکل صاف اور واضح کر دیا۔ خراج کی تخصیص، جزیہ کا تعین، ام ولد کی خرید و فروخت (یہ مسئلہ کہ بیع ام ولد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بند کی یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے، صحیح یہ ہے کہ منع حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کی اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی تشہیر فرمائی۔ محمد عبد اللہ غفرلہ مفتی خیر المدارس ملتان) وغیرہ وغیرہ مسائل کے متعلق امام شافعی نے اپنی کتابوں میں نہایت ادعا کے ساتھ احادیث سے استدلال کیا ہے اور ان مسائل میں جہاں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا طریق عمل مختلف ہے بڑی دلیری سے ان پر قدح کی ہے لیکن امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ نکتہ نظر انداز کر دیا ہے کہ یہ امور منصب نبوت سے تعلق نہیں رکھتے اس لئے ان مسائل میں خود شارع علیہ السلام کی طرف سے ہر شخص کو اجتہاد کی اجازت ہے۔ چنانچہ اس بحث کی تفصیل آگے آتی ہے۔ شریعت کے احکام کے متعلق بہت بڑا اصول جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قائم کیا۔ یہ تھا کہ شریعت کے تمام احکام مصالح عقلی پر مبنی

ہیں۔

مذہبی احکام کے متعلق شروع سے دو خیال چلے آتے ہیں۔ ایک یہ کہ ان میں عقل کا دخل نہیں، دوسرا کہ اس کے تمام احکام اصول عقلی پر مبنی ہیں۔ یہی دوسرا خیال علم اسرار الدین کی بنیاد ہے۔ یہ علم اگرچہ اب مستقل فن بن گیا ہے اور شاہ ولی اللہ صاحب کی مشہور کتاب (ہے) حجتہ اللہ البالغہ (خاص اسی فن میں ہے۔ تاہم ہر زمانے میں بہت کم لوگ اس اصول کو تسلیم کرتے تھے۔ جس کی بڑی وجہ یہی تھی کہ دقیق فن عام طبائع کی دسترس سے باہر تھا اور کچھ یہ کہ مذہبی محویت اور دلدادگی کی بظاہر شان ہی یہ ہے کہ ہر بات بغیر چوں چرا کے مان لی جائے اور رائے و عقل سے کچھ دخل نہ دیا جائے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے علم اسرار الدین کی بنیاد

ڈالی

لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی دوسرے اصول کے قائل تھے اور وہ سب سے پہلے شخص ہیں جنہوں نے علم اسرار الدین کی بنیاد ڈالی۔ شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حجتہ اللہ البالغہ میں لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس علم سے بحث کی اور اس کے وجوہ ظاہر کئے۔^(۱)

شاہ صاحب نے جن لوگوں کا نام لیا، ان میں عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت 13 برس کی تھی۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ

عنه کس بن (عمر) جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت دس گیارہ برس سے زیادہ نہ تھا۔ زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کس بن (عمر) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے وقت 11 برس کا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت کل 18 برس کی تھیں، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ سب بزرگ اس علم کے ترقی دینے والے ہوں گے۔ لیکن اولیت کا منصب عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کو حاصل ہوا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسائل شریعت کی نسبت ہمیشہ مصالح اور وجہ پر زیادہ غور کرتے تھے۔ اور اگر ان کے خیال میں کوئی مسئلہ خلاف عقل ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کر لیتے تھے۔ سفر میں جو قصر نماز کا حکم دیا گیا تھا وہ اس بناء پر تھا کہ ابتدائے اسلام میں راستے محفوظ نہ تھے اور کافروں کی طرف سے ہمیشہ خوف کا سامنا رہتا تھا۔ چنانچہ قرآن مجید میں خود ارشاد ہوتا ہے لیس علیکم جناح ان تقصروا من الصلوٰۃ ان خفتکم الذین کفروا لیک ان جب راستے مامون ہو گئے تب بھی قصر کا حکم باقی رہا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس پر استعجاب ہوا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اب سفر میں قصر کیوں کیا جاتا ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ خدا کا انعام ہے۔^(۱)

حج کے ارکان میں رمل ایک رکن ہے طواف کرتے وقت تین دوڑوں میں آہستہ آہستہ دوڑتے چلے جاتے ہیں۔ اس کی ابتداء یوں ہوئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ سے مکہ تشریف لائے تو کافروں نے مشہور کیا کہ مسلمان ایسے نحیف اور کمزور ہو گئے کہ کعبہ کا

طواف بھی نہیں کر سکتے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر رمل کا حکم دیا (صحیح مسلم)۔ اس کے بعد یہ فعل معمول بہ ہو گیا چنانچہ ائمہ اربعہ اس کو حج کی ایک ضروری سنت سمجھتے ہیں لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ صاف کہا مالنا وللرمل انما کنارا ینابہ المشرکین وقد اھلکھم اللہ (صحیح بخاری باب الرمل) یعنی اب ہم کو رمل سے کیا غرض! اس سے مشرکوں کو رعب دلانا مقصود تھا سو ان کو خدا نے ہلاک کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جیسا کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے حجتہ اللہ البالغہ میں لکھا ہے رمل کے ترک کا ارادہ بھی لیا تھا لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یادگار سمجھ کر رہنے دیا۔ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خاص تربیت یافتہ تھے، ان سے جب کہا گیا کہ لوگ رمل کو سنت سمجھتے ہیں کہا غلط سمجھتے ہیں۔^①

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فقہ کے مسائل اس کثرت سے بیان کئے ہیں کہ ایک مستقل رسالہ تیار ہو سکتا ہے۔ ان تمام مسائل میں یہ خصوصیت صاف نظر آتی ہے کہ یہ مصالح عقلی کے موافق ہیں۔ اس سے بداہتہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس علم (اسرار الدین) کے بہت بڑے استاد اور ماہر تھے۔

اخلاق اسلامی کا محفوظ رکھنا اور ترقی دینا

منصب امامت کے لحاظ سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سب سے بڑا کارنامہ جو تھا وہ یہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کو جس قسم کے برگزیدہ اور پاکیزہ اخلاق کی تعلیم دی تھی اور جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا اصلی مقصد تھا جیسا کہ خود ارشاد فرمایا۔
لا تم مکارم الاخلاق حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فیض سے قوم میں وہ اخلاق محفوظ رہے

اور نئی قوم میں جو اسلام میں داخل ہوتی گئیں اسی اثر سے متاثر ہوتی گئیں
حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود اسلامی اخلاق کی مجسم تصویر تھے۔ ان کا خلوص انقطاع الی
اللہ لہذا دنیا سے اجتناب حفظ لسان، حق پرستی، راست گوئی یہ اوصاف خود بخود لوگوں کے
دلوں میں اثر کر جاتے تھے اور ہر شخص جو ان کی صحبت میں رہتا تھا، کم و بیش اس قالب میں
ڈھل جاتا تھا۔ مسور بن مخرمہ کا بیان ہے کہ ہم اس غرض سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ
کے ساتھ رہتے تھے کہ پرہیز گاری اور تقویٰ سیکھ جائیں۔ مورخ مسعودی نے حضرت عمر
رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حالات اس جملے سے شروع کئے ہیں کہ ان میں جو اوصاف تھے وہ
ان کے تمام افسروں اور عہدہ داروں میں پھیل گئے تھے۔ پھر نمونے کے طور پر حضرت
سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سعید بن عامر وغیرہ کے نام اور
ان کے اوصاف لکھے ہیں۔

فخر وغرور کا استیصال

عرب میں جو اخلاق ذمیہ، جاہلیت کی یادگار رہ گئے تھے وہ نسب کا فخر وغرور عام لوگوں کی
تحقیر، ہجو و بدگوئی، عشق و ہوا پرستی، بادہ نوشی اور عے پرستی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ
نے ان تمام بیہودہ اخلاق کا استیصال کر دیا۔ جو چیزیں فخر وغرور کی علامت تھیں، بالکل مٹا
دیں۔ لڑائیوں میں قبل اپنے قبیلوں کی جے پکارتے تھے، اس کو حکماً بند کر دیا۔ آقا اور نوکر
کی جو تمیز تھی بالکل اٹھا دی۔ ایک دفعہ صفوان بن امیہ نے جب بہت سے معزز لوگوں کے
ساتھ ان کی دعوت کی اور نوکروں کو کھانے پر نہیں بٹھایا تو نہایت برا فروختہ ہو کر کہا کہ ”خدا
ان سے سمجھے جو نوکروں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔“

ایک دفعہ بہت سے لوگ ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جو بڑے رتبے کے صحابی تھے

ملنے گئے۔ جب وہ مجلس سے اٹھے اور تعظیم کے لئے لوگ ان کے ساتھ ساتھ چلے، اتفاق سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ادھر آ نکلے۔ یہ حالت دیکھ کر ابی کے ایک کوڑا لگایا۔ ان کو تعجب ہوا اور کہا خیر ہے! یہ آپ کیا کرتے ہیں؟ فرمایا او ماری فتنة للمتبوع مذلة للکالغ^①

ہجو کی ممانعت

ہجو بد گوئی کا ذریعہ شعر و شاعری کا فن تھا۔ شعراء جا بجا لوگوں کی ہجو لکھتے تھے اور چونکہ عرب میں شعر کو رواج عام حاصل تھا، اس لئے یہ ہجویں نہایت جلد مشہور ہو جاتی تھیں اور ان سے سینکڑوں مفاسد پیدا ہوتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہجو گوئی کو ایک جرم قرار دیا اور اس کے لئے سزا مقرر کی۔ چنانچہ یہ امر بھی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولیات میں شمار کیا جاتا ہے۔ خطیبہ اس زمانے کا مشہور شاعر تھا اور سودا کی طرح فن ہجو گوئی میں کمال رکھتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو طلب کر کے ایک تہہ خانے میں قید کیا اور اس شرط پر چھوڑا کہ پھر کبھی کسی کی ہجو نہیں لکھے گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں قریش نے جب تدبیروں سے عاجز ہو کر مسلمانوں کی اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ہجویں کہنی شروع کیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حسان کو ترکیب کی جواب دینے کی اجازت دی تھی۔ یہ اشعار قریش کے اسلام لانے کے بعد بھی متداول تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں حکم دیا کہ وہ نہ پڑھے جائیں کیونکہ ان سے پرانی رنجشیں تازہ ہوتی ہیں۔^②

۱۔ (اسد الغابہ ترجمہ زبرقان) یعنی تم نہیں جانتے یہ امر متبوع کے لئے فتنا اور تابع کے لئے ذلت ہے۔

۲۔ (آغازندہ تذکرہ حسان بن ثابت 12)۔

ہوس پرستی کی روک تھام

عشق و ہوس پرستی کا بھی بڑا ذریعہ یہی شعر و شاعری تھا۔ شعراء زیادہ تر رندانہ اور اوباشانہ اشعار لکھتے تھے اور ان میں اپنے معشوقوں کے نام تصریح کے ساتھ لیتے تھے۔ مذاق عام ہونے کی وجہ سے یہ اشعار بچہ بچہ کی زبان پر چڑھ جاتے تھے اور اس کی وجہ سے رندی و آوارگی ان کے خمیر میں داخل ہو جاتی تھی۔

شاعری کی اصلاح

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قطعی حکم دیا کہ شعراء عورتوں کی نسبت عشقیہ اشعار نہ لکھیں۔ چنانچہ صاحب اسد الغابہ نے حمید بن ثور کے تذکرے میں اس واقعہ کو ان الفاظ میں لکھا ہے تقدم عمر بن الخطاب الى الشعراء ان لا يتشبه احد بامرأة الا جلدہ

شراب خوری

شراب پینے کی جو سزا پہلے سے مقرر تھی اس کو زیادہ سخت کر دیا۔ یعنی پہلے 40 درے مارے جاتے تھے۔ انہوں نے 40 سے 80 درے کر دیئے۔ ان سب باتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ باوجود اس کے کہ اس زمانے میں دولت کی کثرت اور فتوحات کی وسعت کی وجہ سے عیش و عشرت کے لئے بے انتہا سامان مہیا ہو گئے تھے۔ تاہم لوگ عیس و عشرت میں مبتلا نہ ہونے پائے اور جس پاک اور مقدس زندگی کی بنیاد شارع علیہ السلام نے ڈالی تھی وہ اسی استواری کے ساتھ قائم رہی۔

آزادی اور حق گوئی قائم رکھنا

اخلاق کی پختگی اور استواری کا اصلی سرچشمہ آزادی اور خودداری ہے۔ اس لئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس پر بہت توجہ کی اور یہ وہ خصوصیت ہے جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوا اور خلفاء کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ بنو امیہ تو شروع ہی سے آزادی کے دشمن نکلے۔ یہاں تک کہ عبدالملک نے قطع حکم دے دیا کہ کوئی شخص اس کے احکام پر زبان نہ کھولنے پائے۔ حضرت عثمان و حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے البتہ آزادی سے تعرض نہیں کیا۔ لیکن اس کے خطرات کی روک تھام نہ کر سکے جس کی بدولت حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت تک نوبت پہنچی اور جناب امیر کو جمل و صفین کے معرکے پیش آئے۔ برخلاف اس کے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نہایت اعلیٰ درجہ کی آزادی قائم رکھنے کے باوجود حکومت کے جبروت میں ذرا کمی نہ آنے دی۔

مختلف موقعوں پر تحریر و تقریر سے بتا دیا کہ ہر شخص ماں کے پیٹ سے آزاد پیدا ہوا ہے اور ادنیٰ سے ادنیٰ آدمی بھی کسی کے آگے ذلیل ہو کر نہیں رہ سکتا۔ عمرو بن العاص کے معزز فرزند نے جب ایک قبطی کو بے وجہ مارا تو خود اسی کے ہاتھ سے مجمع عام میں سزا دلوائی اور عمرو بن العاص اور ان کے بیٹے کی طرف مخاطب ہو کر یہ الفاظ کہے۔

منذ کم تعبدتم الناس وقد ولدتھم امھاتھم احراراً۔

یعنی تم لوگوں نے آدمیوں کو غلام کب سے بنالیا۔ ان کی ماؤں نے تو ان کو آزاد جنا تھا۔

عرب میں جو لوگ ان کو معزز ہوتے تھے وہ اپنے قبیلہ کے سید یعنی آقا کہلاتے تھے اور ان سے کم رتبہ کے لوگ ان الفاظ سے مخاطب کرتے تھے۔ جعلنی اللہ فدا نک بابی و امی۔ یعنی خدا مجھ کو آپ پر قربان کر دے۔ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔

چونکہ ان الفاظ سے غلامی اور محکومی کی بو آتی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مختلف

موقعوں پر ان کی نسبت ناراضگی ظاہر کی۔ ایک شخص نے خود ان کی شان میں کہا تھا کہ جعلی فداء ک تو فرمایا کہ ان بھینک اللہ یعنی اگر تو ایسا کرے گا تو خدا تجھ کو ذلیل کرے گا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس طریق عمل نے لوگوں کو جس قدر آزادی اور صاف گوئی پر دلیر کر دیا تھا اس کا صحیح اندازہ ذیل کے واقعات سے ہوگا۔

ایک دفعہ انہوں نے منبر پر چڑھ کر کہا۔ صاحبو! اگر میں دنیا کی طرف جھک جاؤں تو تم لوگ کیا کرو گے۔ ایک شخص کھڑا ہو گیا اور تلوار میان سے کھینچ کر بولا کہ ”تمہارا سراڑ ا دیں گے“ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آزمانے کو ڈانٹ کر کہا ”کیا میری شان میں تو یہ الفاظ کہتا ہے؟ اس نے کہا کہ ہاں تمہاری شان میں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ”الحمد للہ قوم میں ایسے لوگ موجود ہیں کہ میں کج ہوں گا تو سیدھا کر دیں گے۔“

عراق کی فتح کے بعد اکثر بزرگوں نے عیسائی عورتوں سے شادیاں کر لی تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حذیفہ بن الیمان کو لکھا کہ میں اس کو ناپسند کرتا ہوں۔ انہوں نے جواب دیا کہ یہ حکم آپ کی ذاتی رائے ہے یا شرعی حکم ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لکھا کہ میری ذاتی رائے ہے۔ حذیفہ نے لکھ بھیجا کہ آپ کی ذاتی رائے کی پابندی ہم لوگوں پر ضروری نہیں۔ چنانچہ باوجود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ممانعت کے کثرت سے لوگوں نے شادیاں کیں۔ مورخ یعقوبی نے لکھا ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تمام عاملوں کا مال و اسباب نیلام کر کے آدھا مال بیت المال میں داخل کر دیا تو ایک عامل نے جس کا نام ابو بکرہ تھا صاف کہا کہ اگر یہ مال خدا کا تھا تو کل بیت المال میں داخل کرنا چاہیے تھا اور ہمارا تھا تو اس سے تم کو لینے کا کیا حق تھا؟

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تقلید اور ان کی تعلیم و تربیت کا یہ اثر ہوا کہ جماعت اسلامی کا

ہر ممبر پاکیزہ نفسی، نیک خوئی، حلم و تواضع، جرأت مندی و آزادی، حق پرستی و بے نیازی کی تصویر بن گیا۔ تاریخ کے مرقع میں اس وقت کی مجالس اور محافل کا نقشہ دیکھو تو ہر شخص کے حلیہ میں یہ خط و خال صاف نظر آتے ہیں۔

اجتہاد سے منصب حدیث وفقہ

حدیث وفقہ کا فن درحقیقت تمام تر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ساختہ و پرداختہ ہے۔ صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم میں اور لوگ بھی محدث اور فقیہ تھے۔ چنانچہ ان کی تعداد 20 سے متجاوز بیان کی گئی ہے۔ لیکن فن کی ابتداء حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوئی اور فن کے اصول و قواعد اول انہوں نے ہی قائم کئے۔

احادیث کا تفحص

حدیث کے متعلق پہلا کام جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا وہ یہ تھا کہ روایتوں کی تفحص و تلاش پر توجہ کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں احادیث کے استقصاء کا خیال نہیں کیا گیا تھا۔ جس کو کوئی مسئلہ پیش آتا تھا خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کر لیتا تھا اور یہی وجہ تھی کہ کسی صحابی کو فقہ کے تمام ابواب کے متعلق حدیثیں محفوظ نہ تھیں۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں زیادہ ضرورتیں پیش آئیں۔ اس لئے مختلف صحابہ سے استفسار کرنے کی ضرورت پیش آئی اور احادیث کے استقراء کا راستہ نکلا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں زیادہ کثرت سے واقعات پیش آئے کیونکہ فتوحات کی وسعت اور نو مسلموں کی کثرت نے سینکڑوں نئے مسائل پیدا کر دیئے تھے۔ اس لحاظ سے انہوں نے احادیث کی زیادہ تفتیش کی تاکہ مسائل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کے اقوال کے موافق طے کئے جائیں۔ اکثر ایسا ہوتا کہ جب کوئی نئی صورت پیش آتی، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجمع عام میں جس میں اکثر صحابہ موجود ہوتے تھے پکار کر کہتے کہ اس مسئلے کے متعلق کسی کو کوئی حدیث معلوم ہے؟ تکبیر جنازہ، غسل جنابت، جزیہ مجوس اور اس قسم کے بہت سے مسائل ہیں جن کی نسبت کتب احادیث میں نہایت تفصیل مذکور ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجمع صحابہ سے استفسار کر کے احادیث نبوی کا پتہ لگایا۔

حدیث کی اشاعت

چونکہ حدیث جس قدر زیادہ شائع و مشہور کی جائے اسی قدر اس کو قوت حاصل ہوتی ہے اور پچھلوں کے لئے قابل استناد قرار پاتی ہے۔ اس لئے اس کی نشر و اشاعت کی بہت سی تدبیریں اختیار کیں۔

۱ احادیث نبوی کو بالفاظہا نقل کر کے اضلاع کے حکام کے پاس بھیجتے تھے جس سے ان کی عام اشاعت ہو جاتی تھی۔ یہ حدیثیں اکثر مسائل اور احکام کے متعلق ہوتی تھیں۔

2 صحابہ میں جو لوگ فن حدیث کے ارکان تھے۔ ان کو مختلف ممالک میں حدیث کی تعلیم کے لئے بھیجا۔ شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں چنانچہ فاروق اعظم عبد اللہ بن مسعود ربا جمعے بکوفہ فرستاد، معقل بن یسار و عبد اللہ بن معقل و عمران بن حصین راہ بصرہ، عبادہ بن صامت و ابو دردار اشام معاویہ بن ابی سفیان کہ امیر شام بود قدغن بلیغ نوشت کہ از حدیث ایشان تجاوز نکند۔^(۱)

ایک دقیق نکتہ

اس موقع پر ایک دقیق نکتہ خیال رکھنے کے قابل ہے۔ وہ یہ ہے کہ عام خیال یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حدیث کی اشاعت میں بہت کچھ اہتمام کیا لیکن خود بہت کم حدیثیں روایت کیں۔ چنانچہ کل وہ مرفوع احادیث۔۔۔۔۔ جو ان سے بروایت صحیح مروی ہیں ستر سے زیادہ نہیں۔ یہ خیال بظاہر صحیح ہے۔ لیکن واقع میں یہاں ایک غلط فہمی ہے۔ محدثین کے نزدیک یہ اصول مسلم ہے کہ صحابی جب کوئی ایسا مسئلہ بیان کرے جس میں رائے اور اجتہاد کو دخل نہیں تو گو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نہ لے لیکن مطلب یہی ہوگا کہ اس نے رسول اللہ سے سنا ہے اور واقع میں یہ اصول بالکل عقل کے مطابق ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مثلاً تمام ممالک میں لگھ بھجگا کہ زکوٰۃ فلاں فلاں چیزوں پر فرض ہے اور اس حساب سے فرض ہے۔ تو اس احتمال کا محل نہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود شارع ہیں اور اپنی طرف سے احکام صادر کرتے ہیں۔ لامحالہ اس کے یہی معنی ہوں گے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ کے متعلق احکام صادر فرمائے تھے، زیادہ سے زیادہ اس احتمال کا موقع باقی رہتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حدیث کا مطلب صحیح نہیں سمجھا اور اس لئے ممکن کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مقدار کی تعداد کو فرض نہ کیا ہو بلکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو اپنی فہم کے مطابق فرض سمجھا ہے لیکن یہ احتمال خود ان احادیث میں بھی قائم رہتا ہے جن میں صحابی نے علانیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لیا ہو۔

اس اصول کی بناء پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خطبوں میں، تحریری ہدایتوں میں، فرامین میں، نماز، روزہ، زکوٰۃ وغیرہ کے متعلق جو اصولی مسائل بیان کئے وہ درحقیقت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام ہیں۔ گو انہوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نہ لیا ہو۔

شاہ ولی اللہ صاحب تحریر فرماتے ہیں ہفتم آنکہ مضمون احادیث در خطبہ خود ارشاد فرمایند تا اصل احادیث ہاں موقوف غلیفہ قوت یا بدینکہ بغور سخن نمیرسند در ہند آنکہ در متفق علیہ از حضرت صدیق صحیح شد مگر شش حدیث و از فاروق اعظم بہ صحت نرسید مگر قریب ہفتاد حدیث ایں رانمی فہند و نمی دانند کہ حضرت فاروق تمام علم حدیث را اجمالاً تقویت داوہ اعلان نموده۔

احادیث میں فرق مراتب

حدیث کے تفصیل و جستجو اور اشاعت و ترویج کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو کچھ کیا اگرچہ وہ خود مہتمم بالشان کام تھا۔ لیکن اس باب میں ان کی فضیلت کا اصلی کارنامہ ایک اور چیز ہے جو انہی کے ساتھ مخصوص ہے۔ احادیث کی طرف اس وقت جو میلان عام تھا وہ خود بخود احادیث کی اشاعت کا بڑا سبب تھا۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس میں جو نکتہ سنجیاں کیں اور فرق مراتب پیدا کیا اس پر کسی کی نگاہ نہیں پڑی تھی۔ سب سے پہلے انہوں نے اس پر توجہ دی کہ احادیث میں زیادہ قابل اعتناء کسی قسم کی حدیثیں ہیں؟ کیونکہ گو، رسول اللہ کا ہر قول و فعل عقیدت کیشوں کے لئے گنجینہ مراد ہے، لیکن یہ ظاہر ہے کہ ایک دوسرے پر فضیلت ہے۔ اس بناء پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تمام تر توجہ ان احادیث کی روایت اور اشاعت پر مبذول کی جن سے عبادت یا اخلاق کے مسائل مستنبط ہوتے تھے جو حدیثیں ان مضامین سے الگ تھیں ان کی روایت کے ساتھ چنداں اعتناء نہیں کیا۔ اس میں ایک بڑا نکتہ یہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ اقوال و افعال جو منصب رسالت سے تعلق رکھتے ہیں اور جو بشری حیثیت سے متعلق ہیں باہم مختلط نہ

ہونے پائیں۔ شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں ”باستقراء تمام معلوم شد کہ فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نظر دقیق و تفریق میان احادیث کہ بہ تبلیغ شرائع و تکمیل افراد بشر تعلق دارد، از غیر آں مصروف می ساخت، لہذا احادیث شامل آنحضرت صلعم و احادیث سنن زوائد در لباس و عادات کمتر روایت می کرد بدو وجہ یکے آنکہ اسنھا از علوم تکلیفیہ و تشریعیہ نیست از سنن زوائد بہ سنن ہدیٰ مشتبہ گردد۔“ (۱)

سب سے بڑا کام جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس فن کے متعلق کیا، وہ حدیثوں کے تحقیق و تنقید اور فن جرح و تعدیل کا ایجاد کرنا تھا۔

روایت کی چھان بین

آج کل بلکہ مدت مدید سے یہ حالت ہے کہ جو چیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر دی جاتی ہے گویا نہ ہو اس کو فوراً رواج اور قبول عام حاصل ہو جاتا ہے۔ اسی بناء پر یہودیوں کی تمام مزخرفات احادیث نبوی کے مجموعہ میں شامل ہو گئیں۔ محدثین نے اتنا کیا کہ جرح و تعدیل کے روک ٹوک کے ذریعے سے روک دیا۔ لیکن جب کسی راوی کی تعدیل ان کے نزدیک ثابت ہو جاتی تھی تو پھر اس پر ان کی زیادہ توجہ نہیں ہوتی تھی۔ اس کے ساتھ قرون اول کی نسبت انہوں نے یہ عام کلیہ قائم کر لیا تھا کہ کسی روایت میں ضعف کا احتمال نہیں ہو سکتا۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس علت سے واقف تھے کہ جو چیزیں خصائص بشری ہیں ان سے کوئی زمانہ مستثنیٰ نہیں ہو سکتا تھا۔ اس لئے وہ احادیث کی چھان بین میں تمام وہی احتمالات ملحوظ رکھتے تھے جو محدثین نے زمانہ مابعد میں پیدا کئے۔

ایک دفعہ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان سے ملنے آئے اور تین دفعہ استیذان کے طور

پر کہا، کہ ”السلام علیکم ابو موسیٰ حاضر ہے۔“

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس وقت کسی کام میں مصروف تھے اس لئے متوجہ نہ ہو سکے۔ کام سے فارغ ہو چکے تو فرمایا کہ ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہاں ہیں؟ وہ آئے تو تو پوچھا کہ تم کیوں واپس گئے۔

انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ تین دفعہ اذن مانگو۔ اگر پھر بھی اجازت نہ ملے تو واپس چلے جاؤ۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اس روایت کا ثبوت دو۔ ورنہ میں تم کو سزا دوں گا۔

ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابہ کے پاس گئے اور حقیقت بیان کی۔ چنانچہ ابو سعید نے آ کر شہادت دی کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث سنی ہے۔ حضرت ابی بن کعب نے کہا کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ! تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو عذاب دینا چاہتے ہو؟ فرمایا کہ میں نے ایک روایت سنی اور تصدیق کرنی چاہی۔^①

فقہ کا ایک مختلف فیہ مسئلہ ہے کہ جس عورت کو طلاق بائن دی جائے اس کو عدت کے زمانے تک نان و نفقہ ملنا چاہیے یا نہیں؟

قرآن مجید میں ہے کہ اسکنوہن مین حیث سکنتنم جس سے ثابت ہوتا ہے کہ مکان ملنا چاہیے اور مکان کے ساتھ نفقہ خود ایک لازمی چیز ہے۔ فاطمہ بنت قیس ایک صحابیہ تھی۔ ان کو ان کے شوہر نے طلاق بائن دی۔ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئیں کہ مجھ کو نان و نفقہ کا حق ہے یا نہیں، ان کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”نہیں“ فاطمہ نے یہ روایت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے بیان کی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہ

۱۔ (یہ واقعہ تفصیل کے ساتھ متعدد طریق سے صحیح مسلم باب الاستیذان میں مذکور ہے)

لانترک کتاب اللہ بقول امراۃ لاعدری لعلھا حفظت اونسیت یعنی ہم قرآن کو ایک عورت کے کہنے سے نہیں چھوڑ سکتے۔ معلوم نہیں اس کو حدیث یاد رہی یا نہیں۔

سقط کا مسئلہ پیش آیا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم سے مشورہ کیا۔ مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے متعلق ایک حدیث روایت کی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اگر تم سچے ہو تو اور کوئی گواہ لاؤ۔ چنانچہ جب محمد بن مسلمہ نے تصدیق کی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تسلیم کیا۔ اسی طرح حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقدمہ میں جب ایک حدیث پیش کی گئی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تائیدی شہادت طلب کی اور جب بہت سے لوگوں نے شہادت دی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ گو مجھ کو تمہاری طرف سے بدگمانی نہ تھی۔ لیکن میں نے حدیث کی نسبت اپنا اطمینان کرنا چاہا۔^(۱)

کثرت روایت سے روکنا

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو چونکہ اس بات کا یقین ہو گیا تھا کہ روایت میں خواہ مخواہ کمی بیشی ہو جاتی ہے۔ اس لئے روایت کے بارے میں سخت احتیاط شروع کی۔ اس کے متعلق انہوں نے جو بندشیں کیں آج کل لوگوں کو ان پر مشکل سے یقین آ سکتا ہے۔ اس لئے میں اس موقع پر خود کچھ نہ لکھوں گا۔ بلکہ بڑے بڑے محدثین نے جو لکھا ہے اس کو نقل کر کے لفظی ترجمہ کردوں گا۔ علامہ ذہبی نے جس سے بڑھ کر ان کے بعد کوئی محدث نہیں گزرا اور جو حافظ اب حجر و سخاوی وغیرہ کے شیخ الشیوخ ہیں۔ تذکرۃ الحفاظ میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حالات میں لکھتے ہیں۔

۱۔ (یہ دونوں روایتیں تذکرہ الحفاظ میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حال میں مذکور ہیں)۔

وقد كان عمر من وجهه ان يخطي الصاحب على رسول الله يا مرهم ان يقلوا الرواية عن نبهم الاشلا
يتشغل بالا حاديث عن حفظ القرآن عن قرظ بن كعب قال لما سیرنا عمر الى العراق - مشى معنا
عمر وقال اتدرون لما شيعتم قالوا نعم مكرمة لنا - قال ومع ذالك وانكم تاتون احل قرية لهم دوى
بالقرآن كدوى النحل فلا تصدوهم بالا حاديث فتشغلوهم جردوا القرآن واقلوا الرواية عن رسول
الله وانا شريككم فلما قدم قرظ قالوا حدثنا فقال نهانا عمر عن ابى سلمة عن ابى هريرة قلت له كنت
تحدث فى زمان عمر هكذا فقال لو كنت احدث فى زمان عمر مثل ما احدثكم فضر بنى مخنفه ان عمر
جس ثلثة ابن مسعود وابدرداء ابامسعود الانصارى رقال قد اكثرتم الحديث عن رسول الله صلى
الله عليه وسلم -

يعنى حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس ڈر سے کہ صحابہ کرام روایت کرنے میں غلطی نہ کریں
صحابہ کر حکم دیتے تھے کہ رسول اللہ سے کم روایت کریں تاکہ لوگ حدیث میں مشغول ہو کر
قرآن کے یاد کرنے سے غافل نہ ہو جائیں۔ قرظ بن کعب سے روایت ہے کہ جب
حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہم کو عراق پر روانہ کیا تو خود مشایعت کو نکلے اور کہا کہ تم کو
معلوم ہے کہ میں کیوں تمہارے ساتھ ساتھ آیا ہوں؟ لوگوں نے کہا ہماری عزت بڑھانے
کو، فرمایا کہ ہاں لیکن اس کے ساتھ یہ غرض بھی ہے کہ تم لوگ ایسے مقام میں جاتے ہو
جہاں کے لوگوں کی آواز شہد کی مکھیوں کی طرح قرآن پڑھنے میں گونجتی رہتی ہے تو ان کو
حدیثوں میں نہ پھنسا لینا۔ قرآن میں آمیزش نہ کرو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کم
روایت کرو اور میں تمہارا شریک ہوں۔ پس جب قرظ وہاں پہنچے تو لوگوں نے کہا کہ حدیث
بیان کیجئے۔ انہوں نے کہا کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہم کو منع کیا ہے۔ ابوسلمہ کہتے ہیں کہ ہم
نے ابو ہریرہ سے پوچھا کہ آپ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں بھی اسی طرح حدیثیں

روایت کرتے تھے۔ انہوں نے کہا کہ اگر میں ایسا کرتا تو عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجھ کو درے سے مارتے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مجبوس کیا اور کہا کہ تم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت حدیثیں روایت کرنی شروع کر دی ہیں۔

مسند دارمی میں قرظہ بن کعب کی روایت کو نقل کر کے لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ مطلب تھا کہ غزوات کے متعلق کم روایت کی جائے۔ اس سے فرائض اور سنن مقصود نہیں۔

شاہ ولی اللہ صاحب دارمی کے قول کو نقل کر کے لکھتے ہیں، میرے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شامل اور عادات کی حدیثیں مراد ہیں۔ کیونکہ ان سے کوئی غرض شرعی متعلق نہیں یا وہ حدیثیں مقصود ہیں جن کے حفظ اور ضبط میں کافی اہتمام نہیں کیا گیا۔^(۱)

ہمارے نزدیک ان تاویلات کی ضرورت نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقصد خود انہی کی تصریح سے معلوم ہو سکتا ہے۔ مؤرخ بلاذری نے جو محدث بھی ہیں، انساب الاشراف میں روایت کی ہے کہ لوگوں نے ان سے کوئی مسئلہ پوچھا تو فرمایا۔
لولا انی اکره ان ازید فی الحدیث او انقص لحدیثکم بہ۔

یعنی ”اگر مجھے ڈرنہ ہوتا کہ حدیث کی روایت کرنے میں مجھ سے کچھ کمی بیشی ہو جائے گی تو میں حدیث بیان کرتا۔“

مؤرخ مذکور نے اس روایت کو بسند متصل روایت کیا ہے اور رواۃ یہ ہیں۔ محمد بن سعد، عبد الحمید بن عبد الرحمن الحمافی، نعمان بن ثابت (ابو حنیفہ)، موسیٰ بن طلحہ، ابوالحوثیہ۔ حضرت عمر

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنی نسبت جوڑ رہا تھا وہی اوروں کی نسبت بھی ہونا چاہیے تھا۔ اس خیال کی تصدیق اس سے اور زیادہ ہوتی ہے کہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو مقامات علمی میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تربیت یافتہ خاص تھے ان کی نسبت محدثین نے لکھا ہے کہ۔

یشدد فی الرویۃ ویزجر تلامذتہ عن التھاون فی ضبط الالفاظ (تذکرہ الحفاظ تذکرہ عبد اللہ بن مسعود)

یعنی ”وہ روایت میں سختی کرتے تھے اور اپنے شاگردوں کو ڈانٹتے رہتے تھے کہ الفاظ حدیث کے محفوظ رکھنے میں بے پرواہی نہ کریں۔“

محدثین نے بھی لکھا ہے کہ وہ کم حدیثیں روایت کرتے تھے یہاں تک کہ سال سال بھر قال رسول نہیں کہتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو روایت کے بارے میں جو احتیاط تھی اگر چہ ان سے پہلے بھی اکابر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو تھی۔

علامہ ذہبی نے تذکرہ الحفاظ میں حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حال میں لکھا ہے کہ سب سے پہلے جس نے احادیث کے باب میں احتیاط کی وہ ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ علامہ موصوف نے حاکم سے یہ بھی روایت کیا ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے 500 / حدیثیں قلمبند کی تھیں۔ لیکن پھر ان کو آگ میں جلادیا اور کہا کہ ممکن ہے کہ میں نے ایک شخص کو ثقہ سمجھ کر اس کے ذریعہ سے روایت کی ہو اور وہ درحقیقت ثقہ نہ ہو، لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی احتیاط اور دیگر صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کی احتیاط میں فرق تھا اور صحابہ صرف راوی کے ثقہ اور عدم ثقہ ہونے کا لحاظ رکھتے تھے کہ راوی نے واقعہ کی پوری حقیقت سمجھی یا نہیں۔ حضرت عائشہ نے اسی بناء پر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر

اکثر مواخذات کئے ورنہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ثقہ ہونے میں ان کو بھی کلام نہ تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روک ٹوک اور ضبط و احتیاط سے اگرچہ یہ نتیجہ ضروری ہوا کہ حدیثیں کم روایت کی گئیں۔ لیکن وہ ہر قسم کے احتمالات سے بے داغ تھیں۔ ان کے بعد اگرچہ احادیث کو بہت وسعت ہو گئی لیکن وہ اعتماد اور قوت کا وہ پایہ نہ رہا۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے نہایت سچ لکھا ہے کہ ”ہر چند جمع صحابہ عدول اندر روایت ہمہ مقبول، عمل بموجب آنچہ بروایت صدوق از ایشان ثابت شود، لازم، اما در میان آنچہ از حدیث وفقہ درز من فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بود، آنچہ بعد دے حدث شدہ فرق مابین السموت والارض است۔“^(۱)

صحابہ میں جو لوگ کم روایت کرتے تھے

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے احادیث کے متعلق احتیاط و تشدد کا جو خیال پیدا کیا وہ اگرچہ رواج عام نہ پاسکا۔ لیکن محققین صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں یہ خیال بے اثر نہ رہا۔ عبد اللہ بن مسعود کی نسبت عام شہرت ہے اور مسند داری وغیرہ میں جا بجا تصریح ہے کہ احادیث کی روایت کے وقت ان کے چہرے کا رنگ بدل جاتا تھا اور جب آنحضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے الفاظ بیان کرتے تھے تو کہتے جاتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ لفظ فرمایا یا شاید اس کے مشابہ یا ان کے قریب یا اس کی مثل، ابو درداء اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو بہت بڑے صحابی تھے، ان کا بھی یہی حال تھا۔ امام شعبی کا بیان ہے کہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ سال بھر رہا۔ اس مدت میں ان سے صرف ایک حدیث سنی۔ ثابت بن قطبہ الانصاری کی روایت ہے کہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مہینہ بھر میں

دو تین حدیث روایت کرتے تھے۔ سائب بن یزید رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ میں سعد وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ مکہ سے مدینہ تک گیا اور آیا، لیکن انہوں نے اس مدت میں ایک حدیث بھی روایت نہیں کی۔ چنانچہ یہ تمام واقعات اور روایتیں صحیح داری میں بسند متصل منقول ہیں۔^(۱)

سند اور روایت کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو مقدم اصول قائم کئے ان کو اجمالاً بیان کیا جاتا ہے:

- 1 روایت کا باللفظ ہونا ضروری ہے۔
- 2 خبر واحد میں تائیدی شہادت کی حاجت ہے جس کو محدثین کی اصطلاح میں تابع اور شاہد کہتے ہیں۔
- 3 محض راسی کا ثقہ ہونا روایت کے لئے کافی نہیں۔
- 4 خبر واحد ہمیشہ قابل حجت نہیں ہوتی۔
- 5 روایت کے اعتبار میں موقع اور محل کی خصوصیت کا لحاظ شرط ہے۔

علم فقہ

فقہ کا فن تمام تر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ساختہ و پرداختہ ہے۔ اس فن کے متعلق ان کی قابلیت اور افضلیت کا تمام صحابہ کو اعتراف تھا۔ مسند داری میں ہے کہ حذیفہ بن الیمان نے کہا کہ فتویٰ دینا اس شخص کا کام ہے جو امام ہو یا قرآن کے نسخ و منسوخ جانتا ہو۔ لوگوں نے پوچھا کہ ایسا کون شخص ہے۔ حذیفہ نے کہا عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عبد

اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ اگر تمام عرب کا علم ایک پلہ میں رکھا جائے اور عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا علم دوسرے پلہ میں تو عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا پلہ بھاری رہے گا۔^(۱) علامہ ابوالحق شیرازی نے جو مدرسہ نظامیہ کے مدرس اعظم تھے فقہا کے حالات میں ایک کتاب لکھی ہے اس میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تذکرے میں صحابہ و تابعین کے اس قسم کے بہت سے اقوال نقل کئے ہیں اور آخر میں لکھا ہے:

ولولا خوف الاطالة لذكرت من فقہ ما يتخیر فیہ کل فاضل

یعنی ”اگر طوالت کا خوف نہ ہوتا تو میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فتوے اور ان میں جو فقہ کے اصول پائے جاتے ہیں اس قدر لکھتا ہے کہ بڑے بڑے عالم و فاضل حیران رہ جاتے۔“

فقہ کے تمام سلسلوں کے مرجع حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ

عنہ ہیں

علامہ موصوف نے جس چیز کو قلم انداز کیا ہے ہم اس کو کسی قدر تفصیل کے ساتھ آگے چل کر لکھیں گے لیکن یہ بتانا ضروری ہے کہ فقہ کے جس قدر سلسلے آج اسلام میں قائم ہیں سب کا مرجع حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات بابرکات ہے۔ بلاد اسلام میں جو مقامات فقہ کے مرکز مانے جاتے ہیں۔ وہ یہ ہیں مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، بصرہ، کوفہ اور شام۔ اس انتساب کی وجہ یہ ہے کہ فقہ کے بڑے بڑے شیوخ اور بانی فن انہی مقامات کے رہنے والے تھے۔ مثلاً مکہ معظمہ کے شیخ عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ مدینہ منورہ

۱۔ (استیعاب قاضی بن عبدالبر وازالۃ الخفاء صفحہ 185 حصہ دوم)

کے زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کوفہ کے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ و ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ، شام کے ابو درداء و معاذ بن جبل، ان میں (حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوا) اکثر بزرگ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ایک ساعت بیٹھنا میں سال بھر کی عبادت سے بہتر جانتا ہوں۔^(۱)

عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے گویا اپنے دامن تربیت میں پالا تھا۔ یہاں تک کہ لوگوں کو اس پر رشک ہوتا تھا۔ صحیح بخاری میں خود حضرت عبد اللہ بن عباس سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجھ کو شیوخ بدر کے ساتھ بٹھایا کرتے تھے۔ اس پر بعض بزرگوں نے کہا کہ آپ اس نو عمر کو ہمارے ساتھ کیوں شریک کرتے ہیں اور ہمارے لڑکوں کو جو ان کے ہمسر ہیں کیوں یہ موقع نہیں دیتے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ”یہ وہ شخص ہے جس کی قابلیت تم کو بھی معلوم ہے۔“

محدث ابن عبد البر نے استیعات میں لکھا ہے کان عمر یحب ابن عباس و یقر بہ ”یعنی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مجلس میں کوئی مسئلہ پیش ہوتا، عبد اللہ بن عباس اس کا جواب دینا چاہتے لیکن کم سنی کی وجہ سے جھجکتے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کی ہمت بندھاتے اور فرماتے علم سن (عمر) کی کمی اور زیادتی پر موقوف نہیں۔ کوئی شخص اگر عبد اللہ بن عباس کے مجتہدات کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مسائل سے ملائے تو صاف نظر آئے گا کہ دونوں میں استاد اور شاگرد کا تناسب ہے۔

عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرزند ہی تھے۔ زید بن

ثابت برسوں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صحبت میں تحریر کا کام کرتے رہے تھے۔ امام شعبی رحمۃ اللہ کا بیان ہے کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عبد اللہ بن مسعود اور زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہم باہم ایک دوسرے سے استفادہ کرتے تھے اور اسی وجہ سے ان کے مسائل باہم ملتے جلتے ہیں۔^(۱)

صحابہ میں چھ شخص فقہ کے امام تھے

محدثین کا عام بیان ہے کہ رسول اللہ کے اصحاب میں یہ چھ اشخاص تھے جن پر علم فقہ کا مدار تھا۔ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ، زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ امام محمد رحمۃ اللہ نے کتاب الآثار میں ایک روایت نقل کی ہے۔ سنۃ من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم تیزد اکرون الفقہ پیغمبر علی ابن ابی طالب والابی ابو موسیٰ علیحدہ وعمر زید ابن مسعود علیحدہ یعنی اصحاب رسول میں چھ شخص تھے جو باہم مسائل فقہیہ میں بحث و مذاکرہ کرتے تھے۔ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ابی اور ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ایک ساتھ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک ساتھ، صفوان ابن سلیم کا قول ہے لم یکن یفتی فی زمن النبی صلی اللہ علیہ وسلم گیر عمر علی ومعاذ ابی موسیٰ (تذکرہ الحفاظ علامہ ذہبی ذکر ابی موسیٰ اشعری) یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں صرف چار شخص فتویٰ دیتے تھے۔ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ امام شعبی کا مقولہ ہے کان العلم یوخذ عن

ستہ من الصحابہ یعنی علم چھ صحابہ سے سیکھا جاتا تھا۔^①

اگرچہ یہ تحدید بظاہر مستبعد معلوم ہوتی ہے، کیونکہ ہزاروں صحابہ میں صرف 4 یا 6 مفتیوں کی تعداد خلاف قیاس معلوم ہوتی ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ بہت سے مسائل ایسے ہیں جن میں حدیث صحیح، صاف اور مصرح موجود ہے اور کوئی حدیث اس کے معارض بھی نہیں۔ ان مسائل کے لئے فقط احادیث کا جاننا کافی ہے۔ اس کے برخلاف بہت سے مسائل ایسے ہیں جن کی نسبت حدیث میں کوئی حکم تصریح موجود نہیں بلکہ قواعد استنباط کے ذریعے سے حکم مستخرج ہوتا ہے یا حکم کی تصریح ہے لیکن اور حدیثیں اس کی معارض ہیں۔ ایسی صورتوں میں اجتہاد اور استنباط کی ضرورت پڑتی ہے اور فقہ دراصل اسی کا نام ہے۔ صحابہ میں ایسے بہت سے بزرگ تھے جو پہلی قسم کے مسائل کے متعلق فتویٰ دیتے اور مفتی کہلاتے تھے۔ چنانچہ ان کی تعداد 20 تک پہنچتی ہے۔ لیکن دوسری قسم کے مسائل کا فیصلہ کرنا انہی لوگوں کا کام تھا جو فن کے بانی اور امام تھے اور اس درجہ کے لوگ وہی چھ بزرگ تھے جن کا اوپر ذکر گزر رہا ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب چار صاحبوں یعنی عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابن عباس کا نام لکھ کر لکھتے ہیں۔

واما غیر هؤلاء الاربعۃ فکانو یرون دلالة ولكن ما کان یميزون الرکن الشرط من الاداب والسنن ولم یکن لهم قول عند تعارض الاخبار وتقابل الدلائل الاقلیاء کا بن عمرو عائشہ وزید بن ثابت۔^②

یعنی "ان چاروں کے سوا باقی جو لوگ تھے وہ مطالب سمجھتے تھے۔ لیکن آداب و سنن اور

۱۔ (فتح المغیث صفحہ 381)

۲۔ (حجۃ اللہ البالغہ صفحہ 7)

ارکان و شرائط میں امتیاز و تفریق نہیں کرتے تھے اور جہاں حدیثیں متعارض ہوتیں تھیں اور دلائل میں تقابل ہوتا تھا وہاں وہ بجز بعض موقعوں کے دخل نہیں دیتے تھے۔ مثلاً ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

بہر حال مجتہدین صحابہ 6 سے زیادہ نہ تھے۔ ان کی کیفیت یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہم صحبت اکثر وہ لوگ تھے جو فن حدیث و روایت میں بلند پایہ نہ تھے۔ صحیح مسلم کے مقدمہ میں ہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھیوں کے سوا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جن لوگوں نے روایتیں کیں، ان پر اعتبار کیا جاتا تھا۔ معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تعلیم روایت کے لئے شام بھیجا تھا لیکن ان کا 18 ہجری میں انتقال ہو گیا۔ اس لئے جیسا کہ شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے، حدیث اوچنداں باقی نماند۔^(۱)

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خاص شاگردوں میں تھے۔ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اکثر تحریر کے ذریعے سے حدیث و فقہ کے مسائل تعلیم کرتے رہتے تھے۔ زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی دراصل حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقلد تھے۔ شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں، وزید بن ثابت نیز در اکثر متبع اوست۔ ان واقعات سے معلوم ہوگا کہ صحابہ میں جن جن لوگوں کی فقہ کی رواج ہو، وہ سب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تربیت یافتہ تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان مسائل فقہیہ میں جس قدر فکر اور خوض کیا تھا۔ صحابہ میں سے کسی نے نہیں کیا تھا۔ انہوں نے آغاز اسلام ہی سے فقہ کو مطمح نظر بنالیا

تھا۔ قرآن مجید میں جو مسائل فقہ مذکور ہیں ان میں جب ابہام ہوتا تھا تو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کر لیتے تھے اور جب تک پوری تسلی نہیں ہوتی تھی بس نہیں کرتے تھے۔ یہ بات اور اصحاب کو حاصل نہ تھی کیونکہ ان کے برابر کوئی شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کہنے سننے کی جرات نہیں رکھتا تھا۔ کلالہ کے مسئلہ کو جو ایک دقیق اور نہایت مختلف فیہ مسئلہ ہے انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قدر بار بار دریافت کیا کہ آپ دق آگئے اور فرمایا کہ سورہ نساء کی آخری آیت تیرے لئے کافی ہو سکتی ہے۔^①

مشکل مسائل قلمبند کرنا

جو مسائل زیادہ مشکل ہوتے ان کو یادداشت کے طور پر لکھ لیتے اور ہمیشہ ان پر غور کیا کرتے۔ وقتاً فوقتاً ان کے متعلق جو رائے قائم ہوتی اس کو قلمبند اور زیادہ غور و فکر سے اس میں محو و اثبات کیا کرتے۔ پھر بھی کی میراث کی نسبت جو یادداشت لکھی تھی اور آخر میں اس کو محو کر دیا اس کا حال امام محمد نے مؤطا میں لکھا ہے۔^②

قسطانی نے شرح بخاری میں معتمد حوالہ سے نقل کیا ہے کہ دادا کی میراث کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سو مختلف رائے قائم کیں۔

دقیق مسائل میں وقتاً فوقتاً خوض کرتے رہنا

بعض مسائل کے متعلق ان کو مرتے دم تک کاوش رہی اور کوئی قطعی رائے نہ قائم کر سکے۔ مسند داری میں ہے کہ دادا کی میراث کے متعلق انہوں نے ایک تحریر لکھی تھی۔ لیکن مرنے

①۔ (مسند امام احمد بن حنبل)۔

②۔ مؤطا امام محمد صفحہ 314

سے قبل اس کو منگوا کر مٹا دیا اور کہا کہ آپ لوگ خود اس کا فیصلہ کیجئے گا۔ اسی کتاب میں یہ روایت بھی ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ زخمی ہوئے تو صحابہ کو بلا کر کہا کہ میں نے دادا کی میراث کے متعلق رائے قائم کی تھی۔ اگر آپ لوگ چاہیں تو اس کو قبول کریں۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ آپ کی رائے ہم قبول کر لیں تب بھی بہتر ہے لیکن ابو بکر کی رائے مانیں تو وہ بڑے صائب الرائے تھے۔ اکثر کہا کرتے تھے کہ کاش رسول اللہ تین مسئلوں کے متعلق کوئی تحریر قلمبند فرما جاتے۔ کلالہ، دادا کی میراث، ربط کی بعض اقسام مسائل فقہیہ کے متعلق ان کو جو کدو کاوش رہتی تھی اس کا اندازہ کرنے کے لئے ذیل کی مثالیں کافی ہوں گی۔

ورثا کے بیان میں خدا نے ایک قسم کے وارث کا کلالہ سے تعبیر کیا ہے لیکن چونکہ قرآن مجید میں اس کی تعریف مفصل مذکور نہیں اس لئے صحابہ میں اختلاف تھا کلالہ میں کون کون ورثا میں داخل ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے چند بار دریافت کیا، اس پر تسلی نہیں ہوئی تو حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ایک یادداشت لکھ کر دی کہ رسول اللہ سے دریافت کرنا پھر اپنی خلافت کے زمانے میں تمام صحابہ کو جمع کر کے اس مسئلہ کو پیش کیا۔ لیکن ان تمام باتوں پر بھی ان کو کافی تسلی نہیں ہوئی اور فرمایا کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر تین چیزوں کی حقیقت بتا جاتے تو مجھ کو دنیا اور ما فیہا سے زیادہ عزیز ہوتی۔ خلافت، کلالہ، ربط، چنانچہ ان تمام واقعات کو محدث عماد الدین ابن کثیر نے صحیح حدیثوں کے حوالے سے اپنی تفسیر قرآن میں نقل کیا ہے۔

فتوحات کی وسعت کی وجہ سے نئے نئے مسئلوں کا پیدا

ہونا

چونکہ ان کے زمانے میں فتوحات نہایت تیزی سے بڑھتی جاتی تھیں اور تمدن روز بروز ترقی کرتا جاتا تھا۔ اس لئے نہایت کثرت سے معاملات کی نئی نئی شکلیں پیش آتی جاتی تھیں۔ اگرچہ ہر جگہ قاضی اور مفتی مقرر تھے اور یہ لوگ اکثر اکابر صحابہ میں سے تھے تاہم بہت سے مسائل میں وہ لوگ عاجز آتے اور بارگاہ خلافت کی طرف رجوع کرنا پڑتا تھا۔ اس بناء پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بہت سے پیچیدہ اور غیر منصوص مسائل پر غور و فکر کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ ان کے فتوے جو نہایت کثرت سے تمام کتابوں میں منقول ہیں زیادہ تر انہی مسائل کے متعلق ہیں جو ممالک مختلفہ سے ان کے پاس جواب کے لئے آئے۔ چنانچہ مصنف ابن ابی شیبہ وغیرہ میں فتوؤں کے ساتھ فتویٰ پوچھنے والوں کے نام بھی موجود ہیں۔

لوگوں کا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے استفسار کرنا

مثلاً عبد اللہ بن مسعود، عمار بن یاسر، ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن جرح، مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ وغیرہ۔

صحابہ کے مشورہ سے مسائل طے کرنا

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اگرچہ خوب بہت بڑے فقیہ تھے۔ ان کی رائے بھی فتویٰ کے لئے کافی ہو سکتی تھی۔ تاہم احتیاط کے لئے وہ اکثر مسائل کو عموماً صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی

مجلس میں پیش کرتے تھے اور ان پر نہایت آزادی اور نکتہ سنجی کے ساتھ بحثیں ہوتی تھیں۔ علامہ بلاذری نے کتاب الاشراف میں لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کسی ایسے مسئلہ کو جو ان سے پہلے طے نہیں ہوا تھا، بغیر صحابہ کے مشورہ کے فیصلہ نہیں کیا۔ شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں۔

کان من سیرۃ عمر انہ کان یشاور الصحابۃ ویناظرہم حتی یتکشف الغمۃ ویاتیہ الشیخ فصار غالب قضاہ یاءہ وفتاواہ متبعۃ مشارق الارض ومغارہا۔

”حضرت“

عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عادت تھی کہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مشورہ اور مناظرہ کرتے تھے یہاں تک کہ پردہ اٹھ جاتا تھا اور یقین آ جاتا تھا۔ اسی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فتوؤں کی تمام مشرق و مغرب میں پیروی کی گئی ہے۔“

مسائل اجماعیہ

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جن مسائل کو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مجمع میں پیش کر کے طے کیا ان کی تعداد کچھ کم نہیں۔ اور کتب احادیث و آثار میں ان کی پوری تفصیل ملتی ہے۔ مثلاً بیہقی نے روایت نقل کی ہے کہ غسل جنابت کی ایک صورت خاص میں (بیہقی نے اس کی تصریح کی ہے) صحابہ میں اختلاف تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکم دیا کہ مہاجرین اور انصار جمع کئے جائیں۔ چنانچہ متفقہ مجلس میں وہ مسئلہ پیش ہوا۔ تمام صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ایک رائے پر اتفاق کیا۔ لیکن حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مخالف رہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ جب آپ لوگ اصحاب

بدر ہو کر مختلف الرائے ہیں تو آگے چل کر کیا حال ہوگا؟ غرض ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کے فیصلے پر معاملہ اٹھا رکھا گیا اور انہوں نے جو فیصلہ کیا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی کو نافذ و جاری کر دیا۔ اسی طرح جنازے کی تکبیر کی نسبت صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں بہت اختلاف تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی مجلس منعقد کی جس میں یہ فیصلہ ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخیر معمول کا پتہ لگایا جائے۔ چنانچہ دریافت ہوا کہ جنازہ کی اخیر نماز جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھی اس میں چار تکبیر کہی تھیں۔ اسی طرح بہت سے مسائل ہیں لیکن یہ تفصیل کا محل نہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مسائل فقہیہ کی تعداد

فقہ کے جس قدر مسائل حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بروایت صحیحہ منقول ہیں ان کی تعداد کئی ہزار تک پہنچتی ہے۔ ان میں سے تقریباً ہزار مسئلے ایسے ہیں جو فقہ کے مقدم اور اہم مسائل ہیں اور ان تمام مسائل میں ائمہ اربعہ نے ان کی تقلید کی ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں ”وہم چنین مجتہدین در رؤس مسائل فقہ تابع مذہب فاروق اعظم انداویں قریب ہزار مسئلہ باشند تخمیناً“۔^(۱)

مصنف ابن ابی شیبہ وغیرہ میں منقول ہیں اور شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی مدد سے فقہ فاروقی پر مشتمل رسالہ لکھ کر ازالۃ الخفاء میں شامل کر دیا ہے۔

اصول فقہ

یہ تمام بحث تدوین مسائل کی حیثیت سے تھی لیکن فن فقہ کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ

عہد کا اصلی کارنامہ اور چیز ہے۔ انہوں نے صرف یہ نہیں کیا کہ جزئیات کی تدوین کی بلکہ مسائل کی تفریع و استنباط کے اصول اور ضوابط بھی وضع کیے۔ جن کو آج کل اصول فقہ کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ سب سے پہلا مرحلہ یہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو اقوال و افعال منقول ہیں وہ کلیۃً مسائل کا ماخذ ہو سکتے ہیں۔ یا ان میں کوئی تفریق ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے اس بحث پر حجتہ اللہ البالغہ میں ایک نہایت مفید مضمون لکھا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو افعال و اقوال مروی ہیں ان کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو منصب نبوت سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کی نسبت خدا کا شکر ہے کہ ما اتکم الرسول فخذوه وما نہکم عنہ فانہوا۔ یعنی پیغمبر تم کو جو دے وہ لو۔ اور جس چیز سے روکے اس سے باز رہو۔ دوسری وہ جن کو منصب رسالت سے تعلق نہیں۔ چنانچہ ان کے متعلق خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

انما ابشر اذا امرتکم بشی من دینکم فخذوه بہ واذا امرتکم بشی من رائی فانما ابشر۔

یعنی ”میں آدمی ہوں، اس لئے جب میں دین کی بابت کچھ حکم کروں تو اس کو لو۔ اور جب اپنی رائے سے کچھ کہوں تو میں ایک آدمی ہوں۔“

اس کے بعد شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے طب کے متعلق جو کچھ ارشاد فرمایا، یا جو افعال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عادتاً صادر ہوئے نہ عبارتاً یا اتفاقاً واقع ہوئے، نہ قصداً یا جو باتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مزعومات عرب کے موافق اختیار کیں۔ مثلاً لشکر کشی اور اس قسم کے بہت سے احکام، یہ سب دوسری قسم میں

داخل ہیں۔ (۱)

شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے احادیث کے مراتب میں جو فرق بتایا اور جس سے کوئی صاحب نظر انکار نہیں کر سکتا اس تفریق مراتب کے موجد دراصل حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ کتب سیرت اور احادیث میں تم نے پڑھا ہوگا کہ بہت سے ایسے موقع پیش آئے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی کام کرنا چاہا یا کوئی بات ارشاد فرمائی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے خلاف رائے ظاہر کی۔ مثلاً صحیح بخاری میں ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد اللہ بن ابی کے جنازے پر نماز پڑھنی چاہی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا، آپ منافق کے جنازے پر نماز پڑھتے ہیں۔

قیدیان بدر کے معاملے میں ان کی رائے بالکل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تجویز سے الگ تھی۔ صلح حدیبیہ میں انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ اس طرح دب کر کیوں صلح کی جائے۔ ان تمام مثالوں سے تم خود اندازہ کر سکتے ہو کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان تمام باتوں کو منصب نبوت سے الگ سمجھتے تھے ورنہ اگر باوجود اس امر کے کہ وہ باتیں منصب رسالت سے تعلق رکھتی تھیں ان میں دخل دیتے تو بزرگ ماننا تو درکنار ہم ان کو اسلام کے دائرے سے بھی باہر سمجھتے۔ اسی فرق مراتب کے اصول پر بہت سی باتوں میں جو مذہب سے تعلق نہیں رکھتیں اپنی رایوں پر عمل کیا۔ مثلاً حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے تک امہات اولاد یعنی وہ لونڈیاں جن سے اولاد پیدا ہو جائے برابر خریدی اور بیچی جاتی تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو بالکل روک دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ تبوک میں جزیہ کی تعداد فی کس ایک دینار مقرر کی تھی۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مختلف شرعیں مقرر کیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں شراب کی کوئی خاص حد مقرر نہ تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی کوڑے مقرر کئے۔ یہ ظاہر ہے کہ ان معاملات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال اگر تشریعی حیثیت سے ہوتے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کیا مجال تھی کہ ان میں کمی بیشی کر سکتے۔ اور خدا نخواستہ وہ کرنا چاہتے۔ تو صحابہ کا گروہ ایک لحظہ کے لئے بھی ان کا مسند خلافت پر بیٹھنا کب گوارا کر سکتا تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امتیاز مراتب کی جرات اس وجہ سے ہوئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعدد احکام میں جب انہوں نے دخل دیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر ناپسندیدگی نہیں ظاہر کی۔ بلکہ متعدد معاملات میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے کی تائید کی۔ قیدیان بدر، حجاب ازواج مطہرات، نماز بر جنازہ منافق، ان تمام معاملات میں وحی جو آئی اس تفریق اور امتیاز کی وجہ سے فقہ کے مسائل پر بہت اثر پڑا۔ کیونکہ جن چیزوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات منصب رسالت کی حیثیت سے نہ تھے ان میں اس بات کا موقع باقی رہا۔ کہ زمانے اور حالات موجودہ کے لحاظ سے نئے قوانین وضع کئے جائیں۔ چنانچہ اس معاملات میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زمانے اور حالات کی ضرورتوں سے بہت سے نئے نئے قاعدے وضع کئے جو آج حنفی فقہ میں بکثرت موجود ہیں، برخلاف اس کے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو یہاں تک کد ہے کہ ترتیب فوج تعین شعار تشخیص محاصل وغیرہ کے متعلق بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال کو تشریعی قرار دیتے ہیں اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے افعال کی نسبت لکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کسی کے قول و فعل کی کچھ اصل نہیں۔

خبر آحاد کے قابل۔۔۔ ہونے کی بحث

اس بحث کے بعد دوسرا مرحلہ خبر آحاد (یعنی وہ حدیث جس کا راوی ایک سے زیادہ نہ ہو۔ اصول حدیث کی رو سے جس حدیث کے راوی ایک سے زیادہ ہوں لیکن شہرت یا تواثر کی حد سے کم ہوں وہ بھی خبر آحاد میں داخل ہے۔ لیکن یہ بعد کی اصطلاح ہے۔ حضرت عمر کے زمانے تک ایک کا وجود نہ تھا۔) کی حیثیت حجت کا تھا۔ بہت سے اکابر اس قسم کی حدیثوں کو یہ درجہ دیتے ہیں کہ ان سے قرآن مجید کی منصوصات پر اثر پڑ سکتا ہے۔ یعنی قرآن مجید کا کوئی حکم عام ہو تو خبر آحاد سے اس کی تخصیص ہو سکتی ہے بلکہ اس کے ذریعے سے قرآن مجید کا حکم بھی منسوخ ہو سکتا ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا یہی مذہب ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک خبر آحاد ہر موقع پر قابل حجت نہیں ہو سکتی۔ اسی بناء پر اذن ملاقات، اسقاط، جنین، خری داری عباس بن عبد المطلب، تیمم جنابت کے مسئلوں میں انہوں نے عباس ابن عبد المطلب عمار بن یاسر، ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ، مغیرہ بن شعبہ، ابی بن کعب کی روایتوں کو اس وقت تک قابل حجت نہیں قرار دیا جب تک اور تائیدی شہادتیں نہیں گزریں۔ چنانچہ تذکرہ الحفاظ میں ان واقعات کو تفصیل سے لکھا ہے۔ اسی بناء پر خبر آحاد سے قرآن مجید کی تنسیخ یا تخصیص کو جائز نہیں قرار دیتے تھے۔ فاطمہ بنت قیس نے جب زن مطلقہ کی سکونت اور نفقہ کے متعلق اپنی روایت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کی تو چونکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک وہ حکم، قرآن مجید کی نص کی مخالف تھا، فرمایا کہ ایک عورت کی روایت سے قرآن مجید کا حکم نہیں بدل سکتا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے ہم خیالوں کا یہ استدلال ہے کہ خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بہت سے واقعات میں اخبار آحاد کو قبول کیا لیکن امام صاحب نے یہ خیال نہ

کیا کہ اس سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اصول میں فرق نہیں آتا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ مذہب ہے کہ ہر خبر آحاد قابل احتجاج نہیں، نہ یہ کہ کوئی خبر آحاد قابل احتجاج نہیں۔ ان دونوں صورتوں میں جو فرق ہے وہ ظاہر ہے بہت سے مسائل ایسے ہوتے ہیں کہ ان میں تنہا ایک شخص کی شہادت کافی ہوتی ہے۔ چنانچہ روزمرہ کے کاموں میں ہر شخص اسی پر عمل کرتا ہے۔ لیکن بعض اوقات ایسے اہم اور نازک مسائل ہوتے ہیں کہ جن کی نسبت ایک دو اشخاص کی شہادت کافی نہیں ہو سکتی، بلکہ یہ احتمال رہتا ہے کہ انہوں نے الفاظ روایت، یا واقعہ کی کیفیت سمجھنے میں غلطی کی ہو۔ غرض ہر واقعہ اور ہر راوی کی حالت اور حیثیت مختلف ہوتی ہے اور اس وجہ سے کوئی عام قاعدہ قرار نہیں پاسکتا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بے شبہ بہت سے موقعوں پر اخبار آحاد سے استدلال کیا۔ لیکن متعدد موقعوں پر اس کے خلاف بھی کیا۔ اس طریقہ عمل سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اخبار آحاد میں خصوصیت حالات کو ملحوظ رکھتے تھے۔ اخبار آحاد کے متعلق فقہاء و محدثین میں سخت اختلاف آراء ہے۔ اور بڑی بڑی طویل بحثیں پیدا ہو گئی ہیں۔ لیکن جہاں تک ہم نے ان تمام بحثوں کو دیکھا ہے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذہب میں جو نکتہ سخی اور دقیقہ رسی پائی جاتی ہے اس کی نظیر کہیں نہیں ملتی۔ لیکن اس موقع پر یہ تنبیہ کر دینی ضروری ہے کہ اخبار آحاد کے قبول کرنے یا نہ کرنے میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جو اصول تھا اس کی بناء صرف تحقیق حق تھی۔ اس شانے کے آزاد خیال کی طرح نفس کی پیروی مقصود نہ تھی کہ جس حدیث کو چاہا صحیح مان لیا۔ اور جس کو چاہا غلط کہہ دیا۔

قیاس

فقہ کی توسیع اور تمام ضرورت کے لئے اس کا کافی ہونا قیاس پر موقوف ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ

قرآن مجید اور احادیث میں تمام چیزیں مذکور نہیں ہیں اس لئے ضروری ہے کہ ان جزئیات کے فیصلہ کرنے کے لئے قیاس شرعی سے کام لیا جائے۔ اسی ضرورت سے ائمہ اربعہ یعنی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سب قیاس کے قائل ہوئے ہیں۔ اور ان کے مسائل کا ایک بڑا ماخذ قیاس ہے۔ لیکن قیاس کی بنیاد جس نے ڈالی وہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔

عام لوگوں کا خیال ہے کہ قیاس کے موجد معاذ بن جبل ہیں، ان لوگوں کا استدلال یہ کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ بن جبل کو یمن بھیجا تو ان سے استفسار فرمایا کہ کوئی مسئلہ پیش آئے گا تو کیا کرو گے، انہوں نے کہا کہ قرآن مجید سے جواب دوں گا۔ اور اگر قرآن و حدیث میں وہ صورت مذکور نہ ہوئی تو اجتہاد کروں گا۔^(۱)

لیکن اس سے یہ استدلال نہیں ہو سکتا کہ ان کی مراد قیاس سے بھی۔ اجتہاد قیاس پر منحصر نہیں۔ ابن حزم، داؤد ظاہری وغیرہ سرے سے قیاس کے قائل نہ تھے۔ حالانکہ اجتہاد کا درجہ رکھتے تھے اور مسائل شرعیہ میں اجتہاد کرتے تھے۔ مسند دارمی میں بہ سند مذکور ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا معمول تھا کہ جب کوئی مسئلہ درپیش آتا تو قرآن مجید کی طرف رجوع کرتے۔ قرآن میں وہ صورت مذکور نہ ہوتی تو حدیث سے جواب دیتے۔ حدیث بھی نہ ہوتی تو اکابر صحابہ کو جمع کرتے اور ان کے اتفاق رائے سے جواب قرار پاتا اس کے مطابق فیصلہ کرتے۔ اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے تک مسائل کے جواب میں قرآن مجید، حدیث اور اجماع سے کام لیا جاتا تھا۔ قیاس

۱۔ (یہ حدیث مسند دارمی مطبوعہ نظامی صفحہ ۴۳ میں مذکور ہے)۔

کا وجود نہ تھا۔^①

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابو موسیٰ اشعری کو قضاء کے متعلق جو تحریر بھیجی، اس میں قیاس کی صاف ہدایت کی۔ چنانچہ اس کے یہ الفاظ ہیں۔

الفہم الفہم فیما سجدتک مما لم یبلغک فی الکتاب والسنة واعرِف الامثال والاشباه ثم قس

الامور عند ذلک۔^②

جو چیز تم کو قرآن و حدیث میں نہ ملے اور تم کو اس کی نسبت شبہ ہو اس پر غور کرو اور خوب غور کرو۔ اس کے ہم صورت اور ہم شکل واقعات کو در یافت کرو پھر ان سے قیاس کرو۔
اصول فقہ کی کتابوں میں قیاس کی یہ تعریف لکھی ہے۔

تعدیۃ الحکم من الاصل الی الفرع لعلۃ متحدۃ۔

اس کے حکم کو فروغ تک پہنچانا کسی ایسی علت کی وجہ سے جو دونوں میں مشترک ہو مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گیہوں، جوار وغیرہ کا نام لے کر فرمایا کہ ان کو برابر پہ دو۔ برابر سے زیادہ لو گے تو سود ہو جائے گا۔ اس مسئلہ میں قیاس اس طرح جاری ہوگا۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گو چند خاص اشیاء کے نام لئے، لیکن یہ حکم ان تمام اشیاء میں جاری ہوگا جو مقدار اور نوعیت رکھتے ہیں۔ مثلاً اگر کوئی شخص کسی کو سیر بھر چو نہ دے اور اس سے اسی قسم کا چو نہ سوا سیر لے یا عمدہ قسم کا لے تو سود ہو جائے گا۔

اصو سین کے نزدیک قیاس کے لئے مقدم دو شرطیں ہیں۔

1 جو مسئلہ قیاس سے ثابت کیا جائے وہ منصوص نہ ہو۔ یعنی اس کے بارے میں کوئی خاص حکم

①۔ (منداداری صفحہ 32)

②۔ (یہ روایت دارقطنی میں مذکور ہے۔ دیکھو ازالۃ الخفاء صفحہ 84)۔

موجود نہ ہو۔

2- مقیس اور مقیس علیہ میں علت مشترک ہو۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تحریر میں ان دونوں شرطوں کی طرف اشارہ بلکہ تصریح موجود ہے۔

پہلی شرط کو ان الفاظ میں بیان کیا۔ مما لم یبلغک فی الکتاب

دوسری شرط کو ان الفاظ سے ظاہر ہوتی ہے۔ واعرِف الامثال والاِشباہ ثم قس الامور۔

ان مہمات اصول کے سوا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے استنباط احکام اور تفریح مسائل کے اور بہت سے قاعدے مقرر کئے جو آج ہمارے علم اصول فقہ کی بنیاد ہیں۔ لیکن ان کی تفصیل سے پہلے ایک نکتہ سمجھ لینا چاہیے۔

استنباط احکام کے اصول

یہ امر مسلم ہے کہ امام ابو حنیفہ و امام مالک وغیرہ مسائل فقہیہ میں نہایت مختلف الرائے ہیں۔ اس اختلاف رائے کی وجہ کہیں کہیں تو یہ ہے کہ بعض مسائل میں ایک صاحب کو حدیث ملی اور دوسرے کو نہیں، لیکن عموماً اختلاف کا یہ سبب ہے کہ ان صاحبوں کے اصول استنباط و اجتہاد مختلف تھے۔ چنانچہ اصول فقہ کی کتابوں میں ان مختلف فیہ اصولوں کو تفصیل لکھا گیا ہے اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ ان ائمہ نے وہ اصول بیان کیئے تھے۔ امام شافعی نے بے شبہ ایک رسالہ لکھا ہے جس میں اپنے چند اصول منضبط کئے ہیں۔ لیکن امام ابو حنیفہ اور امام مالک وغیرہ سے ایک قاعدہ بھی صراحتاً منقول نہیں۔ بلکہ ان بزرگوں نے مسائل کو جس طرح استنباط کیا یا مسائل کے متعلق جو تقریر کی اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کا استنباط خواہ مخواہ ان اصول کے بناء پر ہے۔ مثلاً ایک امام نے قرآن کی اس آیت سے واذ اقرئ

القرآن فاستمعوا له وانصتوا سے استدلال کیا کہ مقتدی کو امام کے پیچھے قرأت فاتحہ نہ کرنا چاہیے۔ کسی نے ان سے کہا کہ یہ آیت تو خطبہ کے بارے میں اتری تھی، انہوں نے کہا کہ آیت کسی بارے میں اتری ہو لیکن حکم عام ہے اس سے معلوم ہوا کہ وہ اس اصول کے قائل تھے۔ العبرة لعموم اللفظ لا لخصوص السبب یعنی سبب کا خاص ہونا حکم کی تعمیم پر کچھ اثر نہیں کرتا۔

اصول فقہ میں امام ابوحنیفہ وغیرہ کے جو اصول مذکور ہیں، وہ اسی قسم کی صورتوں سے مستنبط کئے گئے ہیں، ورنہ ان بزرگوں سے صراحۃً یہ قاعدے کہیں منقول نہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسبت ہمارا یہ دعویٰ کہ انہوں نے استنباط مسائل کے اصول قائم کئے۔ اسی بناء پر ہے، اکثر مسائل جو انہوں نے طے کئے۔ صحابہ کے مجمع میں بحث و مناظرہ کے بعد طے کئے، ان موقعوں پر انہوں نے جو تقریریں کیں، ان کے استقصاء سے بہت سے اصول قائم ہوتے ہیں۔ اکثر مسائل میں متناقض روایتیں یا ماخذ استدلال موجود ہوتے تھے اس لئے ان کو فیصلہ کرنا پڑتا تھا۔ کہ دونوں میں سے کس کو ترجیح دی جائے۔ کس کو نسخ ٹھہرایا جائے، کس کو نسخ ٹھہرایا جائے، کس کو منسوخ، کس کو عام ٹھہرایا جائے، کس کو خاص، کس کو موقت مانا جائے، کس کو موبد، اس طرح نسخ، تخصیص، تطبیق وغیرہ کے متعلق بہت سے اصول قائم ہو گئے۔ مثلاً ایک شخص نے ان سے کہا کہ میرے غلام کے ہاتھ کاٹنے کا حکم کیجئے کیونکہ اس نے میری بیوی کا آئینہ چرایا ہے جس کی قیمت 60 درہم تھی۔ فرمایا کہ تمہارا غلام تھا اور تمہاری چیز چرائی۔ اس پر ہاتھ نہیں کاٹا جاسکتا۔^(۱)

ایسی اور بہت سے مثالیں ہیں۔ کوئی شخص چاہے تو ان سے اصول فقہ کے بہت سے کلیات

منضبط کر سکتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مسائل فقہیہ کی تعداد

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فقہ کے جو مسائل بیان کئے ان میں اکثر ایسے ہیں جن میں اور صحابہ نے بھی ان کے ساتھ اتفاق کیا اور ائمہ مجتہدین نے ان کی تقلید کی۔ شاہ ولی اللہ صاحب اپنے استقراء سے اس قسم کے مسائل کی تعداد کم و بیش ایک ہزار بتاتے ہیں لیکن بہت سے ایسے مسائل بھی ہیں جن میں دیگر صحابہ نے اختلاف کیا اور وہی حق پر ہیں مثلاً تیمم، جنابت، تمتع، حج، طلاقات، ثلث وغیرہ میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اجتہاد سے جو دیگر صحابہ کا اجتہاد زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے لیکن اکثر مسائل اور خصوصاً ان مسائل سے جو معرکۃ الآراء رہے ہیں اور جن کو تمدن اور امور ملکی میں دخل ہے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کمال اجتہاد کا اندازہ ہوتا ہے۔

ان میں سے بعض مسائل کا ذکر ہم اس موقع پر کرتے ہیں۔

خمس کا مسئلہ

ایک بڑا معرکۃ الآراء مسئلہ خمس کا ہے۔ قرآن مجید میں ایک آیت ہے۔
واعلموا انما غنمتم من شئ فان الله خمسہ ولرسلول ولذی القربیٰ ولیتیٰ وللسکین وابن السبیل۔
جو کچھ تم کو جہاد کی لوٹ میں ہاتھ آئے، اس کا پانچواں حصہ خدا کے لئے ہے اور پیغمبر کے لئے اور رشتہ داروں کے لئے اور یتیموں کے لئے اور غریبوں کے لئے اور مسافروں کے لئے ہے۔

اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ خمس میں رسول اللہ کے رشتہ داروں کا بھی حصہ ہے چنانچہ

حضرت عبداللہ بن عباس کی یہی رائے تھی اور حضرت علی نے اگرچہ مصلحتاً بنو ہاشم کو خمس میں سے حصہ نہیں دیا لیکن رائے ان کی بھی یہی تھی کہ بنو ہاشم واقعی حقدار ہیں۔^(۱)

یہ صرف حضرت علی و عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی رائے نہ تھی بلکہ تمام اہل بیت کا اس مسئلہ پر اتفاق تھا۔ ائمہ مجتہدین میں سے امام شافعی اسی کے قائل تھے اور انہوں نے اپنی کتابوں میں بڑے زور شور کے ساتھ اس پر استدلال کیا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسبت لوگوں کا بیان ہے کہ وہ قرابت داران پیغمبر کو مطلقاً خمس کا حقدار نہیں سمجھتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے اہل بیت کو کبھی خمس میں سے حصہ نہیں دیا۔ ائمہ مجتہدین میں سے امام ابو حنیفہ بھی ذوی القربی کے خمس کے قائل نہ تھے۔ ان کی رائے تھی کہ جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آنحضرت کا حصہ جاتا رہا اسی طرح آنحضرت کے قرابت داروں کا حصہ بھی جاتا رہا۔

اب ہم کو غور کے ساتھ دیکھنا چاہیے کہ قرآن مجید سے کیا حکم نکلتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریق عمل کیا تھا۔ قرآن مجید کی عبارت سے صرف اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ مجموعی طور پر پانچ گروہ خمس کے مصرف ہیں۔ لیکن اس سے یہ نہیں ثابت ہوتا کہ فرداً فرداً ہر گروہ میں تقسیم کرنا فرض ہے۔ قرآن مجید میں جہاں زکوٰۃ کے مصارف بیان کئے ہیں وہاں بھی بعینہ اسی قسم کے الفاظ ہیں۔

انما الصدقات للفقراء والمساكين وللعالمین علیہا والمؤلفۃ قلوبہم و فی الرقاب والغارمین و فی سبیل اللہ و ابن السبیل۔

اس میں زکوٰۃ کے مصارف آٹھ گروہ قرار دیئے ہیں۔ فقیر، مسکین، زکوٰۃ وصول کرنے والے

مؤلفۃ القلوب، قیدی، قرضدار، مجاہدین، مسافر، ان میں سے جس کو زکوٰۃ دی جائے ادا ہو جائے گی۔ یہ ضروری نہیں کہ خواہ مخواہ آٹھ گروہ پیدا کئے جائیں۔ آٹھوں گروہ موجود بھی ہوں تب بھی یہ لحاظ کیا جائے گا کہ کون سے فریق اس وقت زیادہ مدد کا محتاج ہے۔ کون کم اور کون بالکل نہیں۔ یہ التزام مالا یلزم صرف امام شافعی نے اختراع کیا ہے کہ آٹھ برابر حصے کئے جائیں۔ اور آٹھوں گروہ کو ضرورت بے ضرورت کم بیش تقسیم کیا جائے۔ اسی طرح خمس کے مصارف جو خدا نے بتائے ہیں اس سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ خمس ان لوگوں کے سوا اور کسی کو نہ دیا جائے۔ یہ نہیں کہ خواہ مخواہ اس کے پانچ برابر حصے کئے جائیں۔ اور پانچوں فریقوں کو برابر دیا جائے۔ اب دیکھو رسول اللہ کا طریقہ عمل کیا تھا؟ احادیث و روایات کے استقراء سے جو کچھ ثابت ہوتا ہے وہ یہ ہے۔

اذوی القربی میں سے آپ صرف بنو ہاشم و بنو مطلب کو حصہ دیتے تھے۔ بنو نوفل اور بنو عبد شمس حالانکہ ذوی القربی میں داخل تھے، لیکن آپ نے ان کو باوجود طلب کرنے کے بھی کچھ نہیں دیا۔ چنانچہ اس واقعہ کو علامہ ابن قیم نے زاد المعاد میں کتب حدیث سے بتفصیل نقل کیا ہے۔^(۱)

۲ بنو ہاشم و بنو عبد المطلب کو جو حصہ دیتے تھے وہ سب کو مساویانہ نہیں دیتے تھے۔ علامہ ابن القیم نے زاد المعاد میں لکھا ہے۔

ولکن لم یکن یقسمہ علی السواء بین الغنیائهم وفقرائهم ولا کان یقسمہ قسمۃ المیراث بل کان یصرفہ فیہم بحسب المصلحۃ والحاجۃ فیزوج منهم اغریہم ویقتضی منہ عن غارہم ویعطى منہ

فقیر ہم کفایت۔^(۱)

لیکن

دولت مندوں اور غریبوں کو برابر نہیں تقسیم کرتے تھے۔ نہ میراث کے قاعدے سے تقسیم کرتے تھے۔ بلکہ مصلحت اور ضرورت کے موافق عطا فرماتے تھے۔ یعنی کنواری کی شادی کرتے تھے، مقروضوں کا قرض ادا فرماتے تھے، غریبوں کو بقدر حاجت دیتے تھے۔

ان واقعات سے اولاً یہ ثابت ہوا کہ ذوی القربی کے لفظ میں تعیم نہیں ہے ورنہ بنو نفل اور بنو عبدالمطلب کو بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حصہ دیتے۔ کیونکہ وہ لوگ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت دار تھے۔ دوسرے یہ کہ بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب کے تمام افراد کو مساوی طور سے حصہ نہیں ملتا تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جہاں تک صحیح روایتوں سے ثابت کیا ہے بنو ہاشم اور بنو مطلب کا حق بحال رکھا۔ وہ دو باتوں میں اس نے مخالف تھے ایک یہ کہ وہ مصلحت اور ضرورت کے لحاظ سے کم و بیش تقسیم کرنا خلیفہ وقت کا حق سمجھتے تھے۔ برخلاف اس کے عبد اللہ بن عباس وغیرہ کا یہ دعویٰ تھا کہ پانچواں حصہ پورے کا پورا خاص ذوی القربی کا حق ہے اور کسی کو اس میں کسی قسم کے تصرف کا حق حاصل نہیں۔ قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ صاحب نے کتاب الخراج میں نسائی نے اپنی صحیح میں عبد اللہ بن عباس کو قول نقل کیا ہے۔

عرض علینا عمر بن الخطاب ان نزوح من الخمس ایما ونقضی منه عن مغرنا فاینا الان یسلمہ لنا والی فلک علینا۔^(۲)

۱۔ (زاد المعاد جلد ثانی صفحہ ۱۴۲)۔

۲۔ (کتاب الخراج صفحہ ۱۱)۔

عمر بن الخطاب نے یہ بات ہم لوگوں کے سامنے پیش کی تھی کہ ہم لوگ خمس کے مال سے اپنی بیواؤں کے نکاح اور مقروضوں کے ادائے قرض کے مصارف لے لیا کریں لیکن ہم بجز اس کے تسلیم نہیں کرتے تھے کہ سب ہمارے ہاتھ دے دیا جائے۔ عمر نے اس کو منظور نہ کیا۔

اور روایتیں بھی اسی کے موافق ہیں صرف کلبی کی ایک روایت ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ذوی القربی کا حق ساقط کر دیا۔ کلبی نہایت ضعیف الروایت ہے۔ اس لئے اس کی روایت کا اعتبار نہیں ہو سکتا۔

قرآن مجید کے فحویٰ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طریق عمل کو منطبق کر کے دیکھو تو صاف ثابت ہو جاتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو کچھ کیا وہ بالکل قرآن و حدیث کے مطابق تھا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ وغیرہ اس بات کا کوئی ثبوت نہیں پیش کر سکتے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ پورا پانچواں حصہ دیتے تھے، قرآن مجید سے یہ تعین و تجدید بالکل ثابت نہیں ہو سکتی۔ باقی رہا ذوی القربی کا غیر معین حق تو اس سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہرگز انکار نہ تھا۔ اب اصول عقلی کے لحاظ سے اس مسئلہ کو دیکھو یعنی خمس میں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آنحضرت کے قرابت داروں کا حصہ قرار پانا کس اصول کی بناء پر تھا۔ یہ ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تبلیغ احکام اور مہمات رسالت کے انجام دینے کی وجہ سے معاش کی تدبیر میں مشغول نہیں ہو سکتے تھے۔ اس لئے ضرور تھا کہ ملک کی آمدنی میں سے کوئی حصہ آپ کے لئے مخصوص کر دیا جائے اس وقت مال غنیمت "فے" و "انفال" بس یہی آمدنیاں تھیں۔ چنانچہ ان سب میں سے خدا نے آپ کا حصہ مقرر کیا تھا۔ جس کا ذکر قرآن مجید کی مختلف آیتوں میں ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے بادشاہ کے ذاتی

مصارف کے لئے خالصہ مقرر کر دیا جاتا ہے۔ ذوی القربی کا حق اس لئے قرار دیا گیا تھا کہ ان لوگوں نے ابتدائے اسلام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ کا ساتھ دیا تھا۔ چنانچہ کفار مکہ نے زیادہ مجبور کیا تو تمام بنو ہاشم نے جس میں وہ لوگ بھی شامل تھے جو اس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دیا۔ اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے نکل کر ایک پہاڑ کے درے میں پناہ گزین ہوئے تو سب بنی ہاشم بھی ساتھ گئے۔

اس بناء پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ذوی القربی کے لئے جو کچھ مقرر تھا، وقتی ضرورت اور مصلحت کے لحاظ سے تھا۔ لیکن یہ قرار دینا کہ قیامت تک آپ کے قرابت داروں کے لئے پانچواں حصہ مقرر کر دیا گیا۔ اور گوان کی نسل میں کسی قدر ترقی ہوئی ہو اور گو وہ کتنے ہی دولت مند اور غنی ہو جائیں یہ رقم ہمیشہ ملتی رہے گی۔ یہ ایسا قاعدہ ہے جو اصول تمدن کے بالکل خلاف ہے اور کون یقین کر سکتا ہے کہ ایک سچا بانی شریعت یہ قاعدہ بنائے گا کہ اس کی تمام اولاد کے لئے قیامت تک ایک معین رقم ملتی رہے۔ اگر کوئی بانی شریعت ایسا کرے تو اس میں اور خود غرض برہمنوں میں کیا فرق ہوگا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ و عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو شخص کے مدعی تھے ان کا بھی یہ مقصد ہر گز نہیں ہو سکتا تھا کہ یہ حق قیامت تک کے لئے ہے بلکہ جو لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے باقی رہ گئے تھے انہی کی نسبت ان کو ایسا دعویٰ ہوگا۔

فے کا مسئلہ

ایک اور مہتمم بالشان مسئلہ فئی کا ہے یعنی وہ زمین یا جائیداد جس کو مسلمانوں نے فتح کیا ہو۔ یہ مسئلہ اس قدر معرکہ الآراء ہے کہ صحابہ کے عہد سے آج تک کوئی قطعی فیصلہ نہیں ہوا۔ باغ فدک کی عظیم الشان بحث بھی اسی مسئلے کی ایک فرع ہے۔

بڑا خلط بحث اس میں اس وجہ سے ہوا کہ فے کے قریب المعنی اور جو الفاظ تھے یعنی نفل، غنیمت، سلب ان میں لوگ تفرقہ نہ کر سکے۔ ہم اس بحث کو نہایت تفصیل سے لکھتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام سے پہلے عرب میں دستور تھا کہ لڑائی کی فتح میں جو کچھ آتا تھا، تمام لڑنے والوں کو برابر تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ سردار کو البتہ سب سے زیادہ چوتھا حصہ ملتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم معوث ہوئے تو ابتداء میں جس طرح اور بہت سی قدیم رسمیں قائم رہیں، یہ قاعدہ بھی کسی قدر تغیر صورت کے ساتھ قائم رہا۔ چنانچہ لڑائی کی فتح میں جو کچھ آتا تھا، غازیوں پر تقسیم ہو جاتا تھا۔ چونکہ قدیم سے یہی طریقہ جاری تھا۔ اور جناب رسول اللہ کے عہد میں بھی قائم رہا۔ اس لئے لوگوں کو خیال ہو گیا کہ مال غنیمت غازیوں کا ذاتی حق ہے اور وہ اس کے پانے کا ہر حالت میں دعویٰ کر سکتے ہیں۔ یہاں تک کہ ایک دفعہ اس پر جھگڑا اٹھ کھڑا ہوا۔ جنگ بدر میں جب فتح حاصل ہو چکی ہے۔ تو کچھ لوگ کفار کا تعاقب کرتے ہوئے دور تک چلے گئے۔ کچھ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر رہے۔ تعاقب کرنے والے واپس آئے تو انہوں نے دعویٰ کیا کہ غنیمت ہمارا حق ہے کیونکہ ہم دشمن سے لڑ کر لائے ہیں۔ ان لوگوں نے کہا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محافظ تھے۔ اس لئے ہم زیادہ حقدار ہیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

یسئلونک عن الانفال قل الانفال للہ ولسول۔

تجھ سے لوگ مال غنیمت کی نسبت پوچھتے ہیں تو کہہ دو کہ وہ خدا اور رسول کی ملک ہے۔ اس آیت نے اس اصول کو مٹا دیا کہ تمام مال غنیمت لڑنے والوں کا حق ہے اور افسر کو اس میں کسی قسم کے تصرف کا اختیار نہیں لیکن اس آیت میں غنیمت کے مسارف نہیں بیان کئے گئے پھر یہ آیت اتری۔

:واعلموا انما غنمتم من شئ فان الله خمسہ وللرسول ولذی القربی والیتی والمسکین وابن السبیل۔

آیت:

جان لو کہ کوئی چیز جو غنیمت میں ہاتھ آئے اس کا پانچواں حصہ خدا کے لئے اور پیغمبر کے لئے اور رشتہ داروں کے لئے اور یتیموں کے لئے اور مسکینوں کے لئے اور مسافروں کے لئے ہے۔

اس آیت سے یہ قاعدہ معلوم ہوا کہ مال غنیمت کے پانچ حصے کئے جائیں، چار حصے مجاہدین کو تقسیم کئے جائیں۔ اور پانچویں حصے کے پھر پانچ حصے ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ذوی القربی اور مساکین وغیرہ کے مصارف میں آئیں لیکن یہ تمام احکام نقد و اسباب سے متعلق تھے۔ زمین اور جائیداد کے لئے کوئی قاعدہ نہیں قرار پایا تھا۔ غزوہ بنی نضیر میں جو 5 ہجری میں واقع ہوا۔ سورہ حشر کی یہ آیت اتری۔

:ما قالہ اللہ علی رسولہ من اهل القرۃ فلولہ وللرسول ولذی القربی والیتی والمسکین وابن السبیل الی قولہ للفقراء المهاجرین الزین اخر جو امن دیا رہم الی قولہ والزین جاؤ امن بعدہم۔

آیت:

یعنی جو زمین یا جائیداد ہاتھ آئے وہ خدا اور پیغمبر اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں اور فقراء مهاجرین اور ان سب لوگوں کی ہے جو آئندہ دنیا میں آئیں۔

اس سے یہ نتیجہ نکلا ہے کہ جو زمین فتح ہو وہ تقسیم نہیں کی جائے گی بلکہ بطور وقف کے محفوظ رہے گی اور اس کے منافع سے تمام موجودہ اور آئندہ مسلمان متمتع ہوں۔ یہ ہے حقیقت نفل غنیمت اور فنی کی۔

ان احکام میں لوگوں کو چند مغالطے پیش آئے۔ سب سے پہلے یہ کہ لوگوں نے غنیمت اور

فے کو ایک سمجھا، ائمہ مجتہدین میں سے امام شافعی رحمۃ اللہ کی بھی یہی رائے ہے اور ان کے مذہب کے موافق زمین مفتوحہ اسی وقت مجاہدین کو تقسیم کر دینی چاہیے۔ شام و عراق جب فتح ہوئے تو لوگوں نے اسی بناء پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے درخواست کی کہ ممالک مفتوحہ تقسیم کر دیئے جائیں۔ چنانچہ عبدالرحمن بن عوف، زبیر بن العوام، بلال بن رباح رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے سخت اصرار کیا۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہ مانے۔ اس پر (جیسا کہ ہم صیغہ محاصل میں لکھائے ہیں) بہت بڑا مجمع ہوا اور کئی دن تک بحثیں ہوتی رہیں۔ آخر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آیت مذکورہ بالا سے استدلال کیا اور آیت کے یہ الفاظ الذین جاءوا من بعدہم پڑھ کر فرمایا کہ:

وَكَانَتْ هَذِهِ عَامَةً لِّمَنْ جَاءَ مِنْ بَعْدِهِمْ فَقَدْ صَارَ هَذَا الْفَتْى بَيْنَ هَؤُلَاءِ جَمِيعاً كَلَيْفَ نَقْسِمُهُ لِهَؤُلَاءِ وَنَدْعُ مَنْ يَخْلَفُ بَعْدَهُمْ۔^(۱)

تو یہ تمام آئندہ آنے والوں کے لئے ہے اور اس بناء پر یہ تمام لوگوں کا حق ٹھہرے پھر یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ میں موجودہ لوگوں کو تقسیم کر دوں۔ اور ان لوگوں کو محروم کر دوں جو آئندہ پیدا ہوں گے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ اور ان کے ہم خیال کا بڑا استدلال یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی زمین کو مجاہدین پر تقسیم کر دیا تھا۔ لیکن وہ یہ نہیں خیال کرتے کہ خیبر کے بعد اور مقامات بھی توفیق ہوئے، یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال سے پہلے تمام عرب پر قبضہ ہو چکا تھا۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہیں چپہ بھر بھی زمین تقسیم کی؟

فدک کا مسئلہ

۱۔ (کتاب الخراج صفحہ ۱۵۔ اس معرکہ کا پورا حال کتاب الخراج کے صفحہ ۱۳-۱۵ میں مذکور ہے)۔

اسی سلسلے میں باغ فدک کا معاملہ بھی ہے جو مدت تک معرکہ الآراء رہا ہے۔ ایک فرقہ کا خیال ہے کہ باغ خالص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جائیداد تھی۔ کیونکہ اس پر چڑھائی نہیں ہوئی تھی، بلکہ وہاں کے لوگوں نے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کر دیا تھا اور اس وجہ سے وہ اس آیت کے تحت داخل ہے۔

وَمَا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ مِنْهُمْ فَمَا أَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَلَا رِكَابٍ وَلَكِنَّ اللَّهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهُ عَلَى مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ۔

یعنی ”جو کچھ خدا نے اپنے پیغمبر کو ان لوگوں سے دلویا تو تم لوگ اس پر اونٹ یا گھوڑے دوڑا کر نہیں گئے تھے۔ لیکن خدا اپنے پیغمبر کو جس پر چاہتا ہے مسلط کر دیتا ہے اور خدا ہر چیز پر قادر ہے۔“

اور جب وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مملوکہ خاص ٹھہری تو اس میں وراثت کا عام قاعدہ جو قرآن مجید میں مذکور ہے جاری ہوگا۔ اور آنحضرت کے ورثہ اس کے مستحق ہوں گے۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے باوجود حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے طلب و تقاضا کے آل نبی کو اس سے محروم رکھا۔

یہ بحث اگرچہ طرفین کی طبع آزمائیوں میں بہت بڑھ گئی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ بات نہایت مختصر تھی اور اب جبکہ سیاست مدن کے اصول زیادہ صاف اور عام فہم ہو گئے ہیں، یہ مسئلہ اس قابل بھی نہیں رہا کہ بحث کے دائرہ میں لایا جائے۔ اصل یہ ہے کہ نبی یا امام، یا بادشاہ کے قبضے میں جو مال یا جائیداد ہوتی ہے اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک مملوکہ خاص جس کے حاصل ہونے میں نبوت اور امامت و بادشاہت کے منصب کو کچھ دخل نہیں ہوتا۔ مثلاً حضرت داؤد علیہ السلام زہرہ بنا کر معاش حاصل کرتے تھے یا عالمگیر قرآن لکھ کر بسر کرتا

تھا۔ یہ آمدنی ان کی ذاتی آمدنی تھی۔ اور اس پر ہر طرح کا ان کو اختیار تھا۔ دوسری مملوکہ حکومت مثلاً داؤد علیہ السلام کے مقبوضہ ممالک جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے قبضے میں آئے۔

اس دوسری قسم میں وراثت نہیں جاری ہوتی۔ جو شخص پیغمبری یا امامت یا بادشاہت کی حیثیت سے جانشین ہوتا ہے وہی اس کا مالک ہوتا ہے، یہ مسئلہ آج کل کے مذاق کے موافق بالکل ایک بدیہی بات ہے۔ مثلاً سلطان عبدالحمید خان کے بعد ان کے ممالک مقبوضہ یا ان کی جاگیر خالصہ ان کے بیٹے بھائی، ماں، بہن وغیرہ میں تقسیم نہیں ہوگی بلکہ جو تخت نشین ہوگا اس پر قابض ہوگا۔ مذہبی حیثیت سے بھی مسلمانوں کے ہر فرقہ میں یہ قاعدہ ہمیشہ مسلم رہا۔ مثلاً جو لوگ فدک کو درجہ بدرجہ ائمہ اثنا عشر کا حق سمجھتے ہیں وہ بھی اس میں وراثت کا قاعدہ نہیں جاری کرتے۔ مثلاً حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے زمانے میں اس کے مالک ہوئے تو یہ ہوا کہ ان کی وفات کے بعد وراثت کا قاعدہ جاری ہوتا اور حسین و عباس و محمد بن حنفیہ و زینت کو جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وارث تھے اس کا کچھ کچھ حصہ اس کے پڑتے سے ملتا۔ بلکہ صرف حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قبضہ میں آیا کیونکہ امامت کی حیثیت سے وہی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جانشین تھے۔

غرض یہ عام اور مسلم قاعدہ ہے کہ جو جائیداد نبوت یا امامت یا بادشاہت کے منصب سے حاصل ہوتی ہے، وہ مملوکہ خاص نہیں ہوتی۔ اب صرف یہ دیکھنا ہے کہ باغ فدک کیونکر حاصل ہوا تھا۔ اس کی کیفیت یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب خیبر کی فتح سے

پھرے، تو محیصہ بن مسعود انصاری کو فدک والوں کے پاس تبلیغ اسلام کے لئے بھیجا، فدک یہودیوں کے قبضہ میں تھا اور ان کا سردار یوشع بن نون ایک یہودی تھا۔ یہودیوں نے صلح کا پیغام بھیجا اور معاوضہ صلح میں آدھی زمین دینی منظور کی۔^(۱)

اب ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ ایسی جائیداد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مملوکہ خاص کیونکر ہو سکتی ہے۔ فدک کی ملکیت خاص کا دعویٰ اس بناء پر کیا جاتا ہے کہ وہ فوج کے ذریعے فتح نہیں ہوا۔ بلکہ اس آیت کے مصداق ہے فما اود جفتم علیہ من خیل ولا رکاب لیکن کیا جو ممالک صلح کے ذریعے سے قبضے میں آتے ہیں اور امام یا بادشاہ کی ملکیت خاص قرار پاتے ہیں؟ عرب کے اور مقامات بھی اس طرح قبضہ میں آئے کہ ان پر چڑھائی نہیں کرنی پڑی۔ کیا ان کو کسی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ملکیت سمجھا؟ البتہ یہ امر غور طلب ہے کہ جب اور مقامات مفتوحہ کی نسبت کسی نے اس قسم کا خیال نہیں کیا تو فدک میں کیا خصوصیت تھی جس کی وجہ سے غلط فہمی پیدا ہوئی۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ مفتوحہ زمینیں علانیہ وقف عام رہیں، لیکن فدک کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مصارف کے لئے مخصوص کر لیا تھا۔ اس سے اس خیال کا موقع ملا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جائیداد خاص ہے۔ اس خیال کی تائید اس سے ہوئی کہ فدک پر لشکر کشی نہیں ہوئی تھی۔ اس لئے اس پر لوگوں کو کسی قسم کا حق حاصل نہیں تھا۔ لیکن یہ خیال دراصل صحیح نہیں۔ فدک کو بے شبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ذاتی مصارف کے لیے خاص کر لیا تھا۔ لیکن کیونکر؟ اس کے متعلق تفصیلی روایتیں موجود ہیں۔

۱۔ (فتوح البلدان۔ بلاذری، ذکر فدک)۔ اس وقت سے یہ باغ اسلام کے قبضہ میں آیا۔

فكان نصف فذک خالصاً لرسول اللہ وکان یصرف ما یاتیہ منھا الی ابناء السبیل۔^(۱)
یعنی ”آدھا فذک خاص رسول اللہ کا تھا۔ آنحضرت اس میں سے مسافروں پر صرف کرتے تھے۔“

ایک اور روایت میں ہے۔

ان فذک کانت للنبی صلی اللہ علیہ وسلم فکان ینفق منھا ویاکل ویعود علی فقرآء بنی ہاشم ویزوج ابھم۔^(۲)

یعنی ”فذک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا۔ آپ اس میں سے خرچ کرتے تھے اور فقرائے بنی ہاشم کو دیتے تھے۔ اور ان کی بیواؤں کی شادی کرتے تھے۔“

بخاری وغیرہ میں تصریح مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سال بھر کا اپنا خرچ اس میں سے لیتے تھے۔ باقی عام مسلمین کے مصالح میں دیتے تھے۔

ان روایتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ فذک کا مملو کہ نبوت ہونا ایسا ہی تھا جیسا کہ سلاطین کے لئے کوئی جائیداد خالص کر دی جاتی ہے۔ اس بناء پر باوجود مخصوص ہونے کے وقف کی حیثیت اس سے زائل نہیں ہوتی۔

اب یہ دیکھنا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ان اصولوں سے واقف تھے؟ اور اسی بناء پر انہوں نے فذک میں وراثت نہیں جاری کی یا نکات بعد الوقوع ہیں؟

عراق و شام کی فتح کے وقت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحابہ کے مجمع میں تقریر کی تھی۔ اس میں قرآن مجید کی اس آیت سے ما فاء اللہ علیٰ رسولہ من اهل القرئٰی فللہ الخ سے

۱۔ (فتوح البلدان بلاذری صفحہ 29)

۲۔ (فتوح البلدان صفحہ 31)۔

استدلال کر کے صاف کہہ دیا تھا کہ مقامات مفتوحہ کسی خاص شخص کی ملک نہیں ہیں، بلکہ عام ہیں چنانچہ فے کے ذکر میں یہ بحث گزر چکی ہے، البتہ یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ اس آیت سے پہلے جو آیت ہے، اس سے فدک وغیرہ کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص جائیداد ہونا ثابت ہوتا ہے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کے یہی معنی قرار دیتے تھے۔ آیت یہ ہے۔

وما آفأ اللہ علی رسولہ منہم فمأؤ جفتم من خیل ولا رکاب وکلن اللہ یسلط رسلہ علی من یشاء۔ ,
آیت:

اور جوان لوگوں سے (یعنی یہود بنی نضیر سے) خدا نے اپنے پیغمبر کو دلویا تو تم لوگ اس پر چڑھ کر نہیں گئے تھے بلکہ خدا اپنے پیغمبروں کو جس پر چاہتا ہے مسلط کر دیتا ہے۔

چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس آیت کو پڑھ کر کہا تھا کہ فکانت خالصہ لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور یہ واقعہ صحیح بخاری، باب النخمس اور باب المغازی اور باب المیراث میں بتفصیل مذکور ہے۔

اس میں شبہ نہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس آیت کی بناء پر فدک وغیرہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خالصہ سمجھتے تھے لیکن اس قسم کا خالصہ جو ذاتی ملکیت نہیں ہوتا جس طرح سلاطین کے مصارف کے لئے کوئی زمین خاص کر دی جاتی ہے کہ اس میں میراث کا عام قاعدہ نہیں جاری ہوتا بلکہ جو شخص جائشین سلطنت ہوتا ہے، تنہا وہی اس سے متمتع ہو سکتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس خیال کا قطعی ثبوت یہ ہے کہ انہوں نے جب آیت مذکورہ بالا کی بناء پر فدک کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خالصہ کہا تو ساتھ ہی یہ الفاظ فرمائے جیسا کہ صحیح بخاری باب النخمس و باب المغازی وغیرہ میں مذکور ہے۔

فكان رسول الله ينفق على اهله نفقة سنتهم من هذه المال ثم ياخذ ما بقي فيجعله كجعل مال الله
فعمل رسول الله بذلك حياته ثم توفي الله عليه وسلم فقال ابو بكر انا ولي رسول الله
فقبضها ابو بكر فعمل فيها بما عمل رسول الله ثم توفي الله ابا بكر فقلت انا ولي ابي بكر فقبضتها سنتين
من امارتي اعمل فيها ما عمل رسول الله صلى الله عليه وسلم وبما عمل فيها ابو بكر۔

”آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم اس میں سے سال بھر کا خرچ لیتے تھے۔ باقی کو خدا کے مال کے طور پر
خرچ کرتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی بھر اسی پر عمل فرمایا۔ پھر وفات
پائی تو ابو بکر نے کہا کہ میں ان کا جانشین ہوں۔ پس اس پر قبضہ کیا اور اسی طرح کاروائی کی
جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کرتے تھے۔ پھر انہوں نے وفات پائی تو میں ابو بکر کا
جانشین ہوا پس میں نے اس پر دو برس قبضہ رکھا اور وہی کاروائی کی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم اور ابو بکر کرتے تھے۔“

اس تقریر سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ باوجود اس کے کہ فذک وغیرہ
کو خالصہ سمجھتے تھے تاہم آنحضرت کی ذاتی جائیداد نہیں سمجھتے تھے (جس میں وراثت جاری
ہو) اور اس وجہ سے اس کے قبضہ کا مستحق صرف اس کو قرار دیتے تھے۔ جو رسول اللہ کا
جانشین ہو۔ چنانچہ حضرت ابو بکر اور خود اپنے قبضہ کی یہی وجہ بتائی۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ تقریر اس وقت فرمائی تھی جب حضرت عباس اور حضرت
علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم ان کے پاس فذک کے دعویدار ہو کر آئے تھے اور انہوں نے کہہ دیا
تھا کہ اس میں وراثت کا قاعدہ نہیں جاری ہو سکتا۔

حاصل یہ کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک فذک وغیرہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کے خالصہ بھی تھے اور وقف بھی تھے۔ چنانچہ عراق کی فتح کے وقت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی آیت کو جس سے آنحضرت کا خالصہ ہونا پایا جاتا ہے، پڑھ کر یہ الفاظ کہے فہذہ عامۃ فی القربی کھا یعنی جو حکم اس آیت میں ہے وہ انہی مواضع (فدک وغیرہ) پر محدود نہیں بلکہ تمام آبادیوں کو شامل ہے۔

اصل یہ ہے کہ فدک کا ذوجہتیں ہونا ہی تمام غلط فہمی کی اصل وجہ تھا۔ چنانچہ حافظ بن القیم نے زاد المعاد میں نہایت لطیف پیرایہ میں اس بات کو ادا کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

فہو ملک ینخالف حکم غیرہ من المملکین و ہذا النوع من الالہوال ہوا القسم الذی وقع بعدہ فیہ من النزاع ما وقع الی الیوم ولولا اشکال امرہ علیہم لما طلبت فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میراثھا من ترکۃ و ظنت انہ یورث عنہ ما کان ما کالہ کسائر المملکین و خفی علیہا رضی اللہ عنہا حقیقۃ الملک لیس مما یورث عنہ۔^(۱)

ان واقعات سے تم اندازہ کر سکتے ہو کہ ان مسائل کو جو ابتداء سے آج تک معرکہ آراء رہے ہیں۔ اور جن میں بڑے بڑے اکابر صحابہ کو اشتباہ ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کس خوبی سے طے کیا کہ ایک طرف قرآن و حدیث کا صحیح محل وہی ہو سکتا ہے اور دوسری طرف اصول سلطنت و نظام تمدن سے بھی بالکل مطابقت رکھتا ہے۔

ذاتی حالات اور اخلاق و عادات

عرب میں روحانی تربیت کا آغاز اگرچہ اسلام سے ہوا لیکن اسلام سے پہلے بھی اہل عرب میں بہت سے ایسے اوصاف پائے جاتے تھے جو تمغائے شرافت تھے اور جن پر ہر قوم ہر زمانہ میں ناز کر سکتی ہے۔ یہ اوصاف اگرچہ کم و بیش تمام قوم میں پائے جاتے تھے لیکن بعض

بعض اشخاص زیادہ ممتاز ہوتے تھے۔ اور یہی لوگ قوم سے ریاست و حکومت کا منصب حاصل کرتے تھے۔ ان اوصاف میں فصاحت و بلاغت تقریر، شاعری، نسابی، سپہ گری، بہادری آزادی مقدم چیزیں تھیں اور ریاست و افسری میں ان ہی اوصاف کا لحاظ کیا جاتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قدرت نے ان سب میں سے کافی حصہ دیا تھا۔

تقریر کا ملکہ خداداد تھا اور عکاظ کے معرکوں نے اس کو اور زیادہ جلا دے دی تھی۔ یہی قابلیت تھی جس کی وجہ سے قریش نے ان کو سفارت کا منصب دیا تھا جو ان لوگوں کے لئے مخصوص تھا جو سب سے زیادہ زبان آور ہوتے تھے۔ ان کے معمولی جملوں میں آرٹیری کا اثر اور بر محفل فقرے جو ان کے منہ سے نکل جاتے تھے ان میں بلاغت کی روح پائی جاتی تھی۔ عمرو بن معدی کرب کو جب پہلے پہل دیکھا تو چونکہ وہ غیر معمولی تن و توش کے آدمی تھے اس لئے متحیر ہو کر کہا ”اللہ اس کا اور ہمارا خالق ایک ہی ہے۔“ مطلب یہ کہ ہمارے جسم میں اور اس کے جسم میں اس قدر تفاوت ہے کہ دونوں ایک کاریگر کے کام نہیں معلوم ہوتے۔

وباء کے واقعہ میں ابو عبیدہ نے ان پر اعتراض کیا آپ قضائے الہی سے بھاگتے ہیں تو کس قدر بلیغ لفظوں میں جواب دیا کہ ”ہاں قضائے الہی کی طرف بھاگتا ہوں۔“

قوت تقریر

مختلف وقتوں میں جو خطبے انہوں نے دیئے وہ آج بھی موجود ہیں۔ ان سے ان کے زور تقریر بر جستگی کلام کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

خطبے

مسند خلافت پر بیٹھنے کے ساتھ جو خطبہ دیا اس کے ابتدائی فقرے یہ تھے۔

اللھم انی غلیظ قلبی اللھم انی ضعیف فتونی الاوان العرب
جمل انف وقد اعطیت خطامہ الاوانی حاملہ علی الحجۃ۔

اے خدا! میں سخت ہوں مجھ کو نرم کر۔ میں کمزور ہوں مجھ کو قوت دے (قوم سے خطاب کر کے) ہاں! عرب والے سرکش اونٹ ہیں جن کی مہار میرے ہاتھ میں دی گئی ہے لیکن میں ان کو راستہ پر چلا کر چھوڑوں گا۔

خلافت کے دوسرے تیسرے دن جب انہوں نے عراق پر لشکر کشی کرنے کے لئے لوگوں کو جمع کیا تو لوگ ایران کے نام سے جی چراتے تھے۔ خصوصاً اس وجہ سے کہ حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہاں سے بلا لئے گئے تھے۔ اس موقع پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زور تقریر کا یہ اثر تھا کہ مثنیٰ شیبانی ایک مشہور بہادر بے اختیار اٹھ کھڑا ہوا۔ اور پھر تمام مجمع میں آگ لگ گئی۔ دمشق کے سفر میں جابیہ میں ہر قوم اور ہر ملت کے آدمی جمع تھے۔ عیسائیوں کا لارڈ بشپ تک شریک تھا۔ اس کے ساتھ مختلف مذاہب اور مختلف قوم کے آدمی شریک تھے۔ اور مختلف مضامین اور مختلف مطالب کا ادا کرنا مسلمانوں کو اخلاق کی تعلیم دینی تھی۔ غیر قوموں کو اسلام کی حقیقت اور اسلام کی جنگ و صلح کے اغراض بتانے تھے۔ فوج کے سامنے خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی معزولی کا عذر کرنا تھا۔ ان تمام مطالب کو اس خوبی سے ادا کیا کہ مدت تک ان کی تقریر کے جستہ جستہ فقرے لوگوں کی زبان پر رہے۔ فقہاء نے اس سے فقہی مسائل استنباط کئے۔ اہل ادب نے قواعد فصاحت و بلاغت کی مثالیں پیدا کیں۔ تصوف و اخلاق کے مضامین لکھنے والوں نے اپنا کام کیا۔

23 ہجری میں جب حج کیا اور یہ ان کا اخیر حج تھا تو ایک شخص نے کسی سے تذکرہ کیا کہ عمر

رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرجائیں گے تو میں طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کروں گا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مقام منا میں تشریف رکھتے تھے اور وہیں یہ واقعہ پیش آیا۔ اس واقعہ کی خبر ہوئی تو برا فروختہ ہو کر فرمایا کہ آج رات میں اسی مضمون پر خطبہ دوں گا۔

حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی امیر المومنین حج کے جمع میں ہر قسم کے برے بھلے لوگ جمع ہوتے ہیں۔ اگر آپ نے یہ تقریر کی تو اکثر لوگ صحیح پیرایہ میں نہ سمجھیں گے۔ اور نہ ادا کر سکیں گے۔ مدینہ چل کر خواص کے جمع میں تقریر کیجیے گا۔ وہ لوگ ہر بات کا پہلو سمجھتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ رائے تسلیم کی۔ آخر ذولحجہ میں مدینہ آئے۔ جمعہ کے دن لوگ بڑے شوق و انتظار سے مسجد میں پہلے آ کر جمع ہوئے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ زیادہ مشتاق تھے۔ اس لئے منبر کے قریب جا کر بیٹھے اور سعید بن زید سے مخاطب ہو کر کہا کہ آج عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایسی تقریر کریں گے کہ کبھی نہیں کی تھی۔ سعید نے تعجب سے کہا کہ ایسی نئی بات کیا ہو سکتی ہے جو انہوں نے پہلے نہیں کہی؟ غرض اذان ہو چکی تھی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خطبہ دیا۔ یہ پورا واقعہ اور پورا خطبہ صحیح بخاری میں مذکور ہے۔^(۱)

اس میں سقیفہ بنی ساعدہ کے واقعہ، انصار کے خیالات، حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جواب، بیعت کی کیفیت، خلافت کو حقیقت کو اس خوبی اور عمدگی سے ادا کیا کہ اس سے بڑھ کر کرنا ممکن نہ تھا۔ اس تقریر کو پڑھ کر بالکل ذہن نشین ہو جاتا ہے کہ اس وقت جو کچھ ہوا وہی ہونا چاہیے تھا اور وہی ہو سکتا تھا۔

جن مجموعوں میں غیر تو میں بھی شریک ہوتی تھیں ان میں ان کے خطبہ کا ترجمہ بھی ساتھ ساتھ

ہوتا جاتا تھا۔ چنانچہ دمشق میں بمقام جابیہ جو خطبہ دیا مترجم ساتھ کے ساتھ اس کا ترجمہ بھی کرتا جاتا تھا۔

اگرچہ اکثر بر محل اور برجستہ خطبہ دیتے تھے۔ لیکن معر کے کے جو خطبے ہوتے تھے، ان میں تیار ہو کر جاتے تھے۔ سیفہ بنی ساعدہ کے واقعہ میں خود ان کا بیان ہے کہ میں خوب تیار ہو کر گیا تھا۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب خلیفہ ہوئے اور خطبہ دینے کے لئے منبر پر چڑھے تو دفعتاً رک گئے اور زبان نے یاری نہ دی۔ اس وقت یہ عذر کیا گیا کہ ”ابو بکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم خطبہ کے لئے تیار ہو کر آتے تھے اور آئندہ سے میں بھی ایسا ہی کروں گا۔“ نکاح کا خطبہ اچھا نہیں دے سکتے تھے

وہ اگرچہ ہر قسم کے مضامین پر خطبہ دے سکتے تھے، لیکن ان کا خود بیان ہے کہ ”نکاح کا خطبہ مجھ سے بن نہیں آتا۔“ عبداللہ بن المقفع جو دولت عباسیہ کا مشہور ادیب اور فاضل تھا اس سے لوگوں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس معذوری کی وجہ پوچھی۔ اس نے کہا کہ نکاح کا خطبہ میں حاضرین میں سے ہر شخص برابری کا درجہ رکھتا ہے۔ خطیب کی کوئی ممتاز حیثیت نہیں ہوتی بخلاف اس کے عام خطبوں میں خطیب جب منبر پر چڑھتا ہے تو عام آدمی اس کو محکوم معلوم ہوتے ہیں اور اس وجہ سے خود بخود اس کی تقریر میں بلندی اور زور آ جاتا ہے۔ لیکن ہمارے نزدیک اس کی وجہ یہ ہے کہ نکاح میں موضوع سخن تنگ اور محدود ہوتا ہے اور ہر بار وہی ایک طرح کی معمولی باتیں کہنی پڑتی ہیں۔

پوٹیکل خطبے

یہ بات لحاظ کے قابل ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پہلے جن مضامین پر لوگ خطبے

دیتے تھے ان میں پند و موعظت، فخر و ادعاء قدرتی واقعات کا بیان، رنج و خوشی کا اظہار ہوتا تھا۔ ملکی پر بیچ معاملات خطبے میں ادا نہیں ہو سکتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے پولیٹیکل خطبے دیئے۔ اس کے ساتھ وہ خطبوں میں اس طریقے سے گفتگو کر سکتے تھے کہ ظاہر میں معمولی باتیں ہوتی تھیں لیکن اس سے بہت سے پہلو نکلتے تھے۔

خطبے کے لئے جو باتیں درکار ہیں

خطبے کے لئے ملکہ تقریر کے علاوہ اور ضروری باتیں جو درکار ہیں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں سب موجود تھیں۔ آواز بلند اور رعب دار تھی، قد اتنا بلند تھا کہ زمین پر کھڑے ہوتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ منبر پر کھڑے ہیں۔ اس موقع پر ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ ان کے بعض خطبے نقل کر دیئے جائیں۔ ایک موقع پر عمال کو مخاطب کر کے جو خطبہ دیا، اس کے الفاظ یہ ہیں۔

انی لا اجد هذا المال يصلحه الا لخلال ثلث ان يؤخذ بالحق ويعطى بالحق ويمنع من الباطل ولسن ادع احدا ينظلم احدا حتى اضع خده على الارض واضع قدمي على خده الاخر حتى يذعن للحق يا ايها الناس ان الله عظم حقه فوق حق خلقه فقال فيما عظيم من حقه ولا يامركم ان تتخذوا الملائكة والنبيين اربابا الا واني لم ابعثكم امراء ولا جبارين ولكن بعثكم ائمة الهدى يهتدى بكم ولا تغلقوا الابواب وكنهم في كل قبيلهم ضعيفهم۔^①

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خطبوں کا خاتمہ ہمیشہ

ان فقروں پر ہوتا تھا۔

اللھم لاتدعنی فی عمرۃ ولا تاخذنی علی غرۃ ولا تجعلنی مع الغفلین۔ (عقد الفرید خطبات عمر)۔

قوت تحریر

قوت تحریر کے ساتھ تحریر میں بھی ان کو کمال تھا۔ ان کے فراہم خطوط، دستور العمل، تو قیعات، ہر قسم کی تحریریں آج بھی موجود ہیں جو جس مضمون پر ہے اس باب میں بے نظیر ہے۔ چنانچہ ہم بعض تحریریں نقل کرتے ہیں۔

ابوموسیٰ اشعری کے نام

اما بعد فان للناس نفرة عن سلطانهم فاعوذ باللہ ان تدركنى و اياك عمياء مجهولة وضغائن مجهولة و
اهواء متبعة كن من مال اللہ علی حذر و خوف الفساق و جعلهم يدأيداً و رجلاً رجلاً و انا كانت بين
القوم ثائرة يا فلان فانما تلك نجوى الشيطان فاضربهم بالسيف حتى يفيؤ الى امر اللہ و يكون
دعوتهم الى الاسلام۔

ایک اور تحریر ابوموسیٰ کے نام

اما بعد فان القوة فی العمل ان لاتؤخر و عمل الیوم لغد فانکم اذا فعلتم ذلک تدارکت علیکم الاعمال
فلهم تدروا لیهما تاخذون فاضعتم۔

عمر و بن العاص کو جب مصر کا گورنر مقرر کر کے بھیجا تو انہوں نے خراج کے بھیجنے میں دیر کی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تاکید لکھی، عمر و بن العاص نے بھی نہایت آزادی اور دلیری سے جواب دیا۔ یہ تحریریں مقریزی نے تاریخ مصر میں بعینہ نقل کی ہیں، ان کے لکھنے سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زور قلم اندازہ ہوتا ہے۔ بعض فقرے ایسے ہیں۔
 وقد علمت انہ لم يمنعک من فلک الا ان عمالک عمال السوء اتخذوک کھفأ وعندی باذن اللہ دواء
 فیہ شفاء انی عجت من کثرة کتبی الیک فی ابطانک بالخراج وکتا بک الی بثنیات الطرق عما
 اسلک فیہ۔ فلا تجزع ابا عبد اللہ ان یؤخذ منک الحق وتعتاھ فان النہر یخرج الدر۔

مذاق شاعری

شعری و شاعری کی نسبت اگرچہ ان کی شہرت عام طور پر کم ہے اس میں شبہ نہیں کہ شعر بہت کم کہتے تھے۔ لیکن شعر شاعری کا مذاق ایسا عمدہ رکھتے تھے کہ ان کی تاریخ زندگی میں یہ واقعہ متروک نہیں ہو سکتا، عرب کے اکثر مشہور شعراء کا کلام کثرت سے یاد تھا اور تمام شعراء کے کلام پر ان کی خاص خاص رائیں تھیں۔ اہل ادب کو عموماً تسلیم ہے کہ ان کے زمانے میں ان سے بڑھ کر کوئی شخص شعر کا پرکھنے والا نہ تھا۔ علامہ ابن رشیق القیر وانی کتاب العمده میں جس کا قلمی نسخہ میرے پاس موجود ہے لکھتے ہیں۔

وکان من القداھل زمانہ للشعر والقدهم فی معرفۃ۔

یعنی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے زمانے میں سب سے بڑھ کر شعر کے شناسا تھے۔

جا حظ نے کتاب ”البيان والتبيين“ میں لکھا ہے۔

کان عمر بن الخطاب اعلم الناس بالشعر۔^(۱)

یعنی عمر بن خطاب اپنے زمانے میں سب سے بڑھ کر شعر کے شناسا تھے۔
 نجاشی ایک شاعر تھا جس نے تمیم بن مقبل کے خاندان کی بھو کبی تھی۔ ان لوگوں نے حضرت
 عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس کی شکایت کی، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خسان بن
 ثابت کو جو مشہور شاعر تھے حکم قرار دیا اور جو فیصلہ انہوں نے کیا اسی کو نافذ کیا۔ اس واقعہ سے
 چونکہ اس غلط فہمی کا احتمال تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود شعر فہم نہ تھے۔ اس لئے اہل
 ادب نے جہاں اس واقعہ کو لکھا ہے تو ساتھ یہ بھی لکھا کہ یہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی
 حکمت عملی تھی۔ وہ بد زبان شعرا کے بیچ میں نہیں پڑنا چاہتے تھے۔ ورنہ شعر کے دقائق ان
 سے کون بڑھ کر سمجھ سکتا تھا۔^①

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ زہیر کو اشعراء الشعراء کہتے

تھے

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اگرچہ تمام مشہور شعراء کے کلام پر عبور تھا۔ لیکن تین شاعروں
 کو انہوں نے سب میں سے انتخاب کیا تھا۔ امراء القیس، زہیر، نابغۃ ان سب میں وہ زہیر کا
 کلام سب سے زیادہ پسند کرتے تھے۔ اور اس کو اشعراء الشعراء کہتے تھے۔ اہل عرب اور
 علمائے ادب کے نزدیک اب تک یہ مسئلہ طے نہیں ہوا کہ عرب کا سب سے بڑا شاعر کون
 تھا؟ لیکن اس پر سب کا اتفاق ہے کہ افضلیت انہیں تینوں میں محدود ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک زہیر کو سب پر ترجیح تھی۔ جریر بھی اسی کا قائل تھا۔
 ایک دفعہ ایک غزوہ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ

۱۔ (دیکھو کتاب "البیان والتمییز" ج ۱ صفحہ ۹۷ کتاب العمدہ باب تعرض الشعراء)۔

عنه کے ساتھ تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عبد اللہ بن عباس سے کہا کہ اشعر الشعراء کے اشعار پڑھو۔ عبد اللہ بن عباس نے کہا وہ کون؟ فرمایا! زہیر۔ انہوں نے ترجیح کی وجہ پوچھی، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے جواب میں جو الفاظ فرمائے وہ یہ تھے۔

زہیر کی نسبت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ریمارک

لانه لا يتبع حشوى الكلام ولا يعاقل من المنطق ولا يقول الا ما يعرف ولا يمدح الرجل الا بما يكون فيه۔

وہ (زہیر) نامانوس الفاظ کی تلاش میں نہیں رہتا۔ اس کے کلام میں پیچیدگی نہیں ہوتی اور اسی مضمون کو باندھتا ہے جس سے واقف ہے۔ جب کسی کی مدح کرتا ہے تو انہی اوصاف کا ذکر کرتا ہے جو واقعی اس میں ہوتے ہیں۔

پھر سند کے طور پر یہ اشعار پڑھے۔

من الجبد من يسبق اليها يسود

ولو كان حمد يخلد الناس لم تمت

ولكن حمد الناس ليس يخلد

ناقدین فن نے زہیر کا تمام کلام پرہ کر جو خصوصیتیں اس میں بتائی ہیں وہ یہ ہیں کہ اس کا کلام صاف ہوتا ہے اور باوجود اس کے کہ وہ جاہلیت کا شاعر ہے اس کی زبان ایسی شستہ ہے کہ اسلامی شاعر معلوم ہوتا ہے اور اس کے ساتھ وہ بیجا مبالغہ نہیں کرتا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان تمام خصوصیتوں کو نہایت مختصر لفظوں میں ادا کر دیا۔

زہیر کا مدوح، ہرم بن سنان عرب کا ایک رئیس تھا۔ اتفاق یہ کہ زہیر اور ہرم دونوں کی اولاد

نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا زمانہ پایا۔ اور ان کے دربار میں حاضر ہوئے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہرم کے فرزند سے کہا کہ اپنے مدح میں زہیر کا کچھ کلام پڑھو۔ اس نے ارشاد کی تعمیل کی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ تمہارے خاندان کی شان میں زہیر خوگ کہتا تھا۔ اس نے کہا کہ ہم صلہ بھی خوب دیتے تھے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا لیکن تم نے جو دیا فنا ہو گیا۔ اور اس کا دیا ہوا آج بھی باقی ہے۔ زہیر کے بیٹے سے کہا کہ ہرم نے تمہارے باپ کو جو خلعت دیئے تھے کیا ہوئے۔ اس نے کہا بوسیدہ ہو گئے۔ فرمایا لیکن تمہارے باپ نے ہرم کو جو خلعت عطا کئے تھے زمانہ اس کو بوسیدہ نہ کر سکا۔

نابغہ کی تعریف

زہیر کے بعد نابغہ کے معترف تھے اور اس کے اکثر اشعار ان کو یاد تھے۔ امام شعبی رحمۃ اللہ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ لوگوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ سب سے بڑھ کر شاعر کون ہے؟ لوگوں نے کہا کہ آپ سے زیادہ کون جانتا ہے، فرمایا کہ یہ شعر کس کا ہے؟

الاسلیمان اذا قال الاله

قم فی البریتغا حد رہا عن الفتد

لوگوں نے کہا کہ نابغہ کا! پھر پوچھا یہ شعر کس کا ہے؟

اتیتک عار یا خلقا ثیابی

علی خوف تظن ہی الظنونا

لوگوں نے کہا نابغہ کا۔ پھر پوچھا یہ شعر کس کا ہے؟

حلفت فلم اترک لنفسک ریبۃ

ولیس وراء اللہ لہم مذہب

لوگوں نے کہا نابغہ کا۔ فرمایا کہ یہ شخص اشعر العرب ہے۔ (آغانی تذکرۃ نابغہ 12)۔

امراء القیس کی نسبت ان کی رائے

بایں ہمہ وہ امراء القیس کی استادی اور ایجاد مضامین کے منکر نہ تھے۔ ایک دفعہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شعراء کی نسبت ان کی رائے پوچھی تو امراء القیس کی نسبت یہ الفاظ فرمائے۔

سأفهم خسف لهم عين الشعر وافتقر عن معان عوراصح بصر۔

وہ سب سے آگے ہے اسی نے شعر کے چشمے سے پانی نکالا۔ اسی نے اندھے مضامین کو بینا کر دیا۔

آخر فقرہ اس لحاظ سے ہے کہ امراء القیس یعنی تھا اور اہل یمن فصاحت و بلاغت میں کم درجہ پر مانے جاتے تھے۔ چنانچہ علامہ ابن رشیق نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس قول کا یہی مطلب بیان کیا ہے۔^(۱)

شعر کا ذوق

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذوق سخن کا یہ حال تھا کہ اچھا شعر سنتے تو بار بار مزے لے لے کر پرہتے تھے۔ ایک دفعہ زہیر کے اشعار سن رہے تھے۔ یہ شعر آیا۔

وان الحق مقطعة ثلاث

یمین اونفار او جلا

تو حسن تقسیم پر بہت محظوظ ہوئے اور دیر تک بار بار اس شعر کو پڑھا کئے۔ ایک دفعہ عبدہ

۱۔ (کتاب العمدہ باب المشاہیر من الشعراء)۔

ابن الطیب کا لامیہ کا قصیدہ سن رہے تھے، اس شعر کو سن کر پھڑک اٹھے۔

والمرء ساع لامرئیس یدرکہ

والعیش شخ واشفاق وتامیل

اور دوسرا مصرع بار بار پڑھتے رہے۔ اسی طرح ابو قیس بن الاصلت کا قصیدہ سنا تو بعض

اشعار کو دیر تک دہرایا کئے۔^(۱)

حفظ اشعار

اگرچہ ان کو مہمات خلافت کی وجہ سے ان اشغال میں مصروف ہونے کا موقع نہیں مل سکتا تھا۔ تاہم چونکہ طبعی ذوق رکھتے تھے۔ سینکڑوں ہزاروں شعر یاد تھے۔ علمائے ادب کا بیان ہے کہ ان کے حفظ کا یہ حال تھا کہ جب کوئی معاملہ فیصل کرتے تو ضرور کوئی شعر پڑھتے تھے۔

جس قسم کے وہ اشعار پسند کرتے تھے وہ صرف وہ تھے جن میں خودداری، آزادی، شرافت، نفس، حمیت اور عبرت کے مضامین ہوتے تھے۔ اسی بناء پر امراء فوج اور عمال اضلاع کو حکم بھیج دیا تھا کہ لوگوں کا اشعار یاد کرنے کی تاکید کی جائے۔ چنانچہ ابو موسیٰ اشعری کو یہ فرمان بھیجا۔

مرمن قبلک بتعلم اشعر فانہ یدل علی معالی الاخلاق وصواب الراى ومعرفة الانساب۔

لوگوں کو اشعار یاد کرنے کا حکم دو کیونکہ وہ اخلاق کی بلند باتیں اور صحیح رائے اور انساب کی طرف راستہ دکھاتے ہیں۔

تمام اضلاع میں جو حکم بھیجا تھا اس کے یہ الفاظ تھے۔

۱۔ (یہ تمام روایتیں جاحظ نے کتاب البیان والتمییز صفحہ 9897 میں نقل کی ہیں)۔

علموا اولادکم العوم والفروسیہ وروہم ماسار من المثل وحسن من الشعر۔ (ازالۃ الخفاء صفحہ 193)۔

اپنی اولاد کو تیرنا اور شہسواری سکھاؤ، اور ضرب المثلیں اور اچھے اشعار یاد کراؤ۔“
اس موقع پر یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شاعری کے بہت سے عیوب مٹا دیئے۔ اس وقت تمام عرب میں یہ طریقہ جاری تھا کہ شعراء شریف عورتوں کا نام علانیہ اشعار میں لاتے تھے۔ اور ان سے اپنا عشق جتاتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس رسم کو مٹا دیا اور اس کی سخت سزا مقرر کی۔ اسی طرح بھوگوئی کو ایک جرم قرار دیا اور حطیہ کو جو مشہور بھوگو تھا اس جرم میں قید کر دیا۔

لطفہ

بنو العجلان، ایک نہایت معزز قبیلہ تھا۔ ایک شاعر نے ان کی بھوکھی، انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آ کر شکایت کی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ وہ اشعار کیا ہے؟ انہوں نے یہ شعر پڑھا۔

اذا اللہ عادى اهل لوم ورقۃ

فعادى بنى العجلان رهط بن مقبل

خدا اگر کمینہ آدمیوں کو دشمن رکھتا ہے تو قبیلہ عجلان کو بھی دشمن رکھے۔“

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا یہ تو بھونہیں بلکہ بدعا ہے کہ خدا اس کو قبول نہ کرے۔

انہوں نے دوسرا شعر پڑھا۔

قبیلۃ تھم لایغدر و ن بذمۃ

ولا یظلمون الناس حبۃ خردل

یہ قبیلہ کسی سے بدعہدی نہیں کرتا، اور نہ کسی پر رائی برا بر ظلم کرتا ہے۔“
 حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ کاش میرا تمام خاندان ایسا ہی ہوتا۔
 حالانکہ شاعر نے اس لحاظ سے کہا تھا کہ عرب میں یہ باتیں کمزوری کی علامت سمجھی جاتی
 تھیں۔

ولا یردون الماء الا عشیۃ

اذا صدر الورد عن کل منھل

یہ لوگ چشمے یا کنوئیں پر صرف رات کے وقت جاتے ہیں۔ جب اور لوگ واپس آ چکے
 ہیں۔“

یہ بات بھی شاعر نے اس لحاظ سے کہی تھی کہ اہل عرب کے نزدیک بے کس اور کمزور لوگ
 ایسا کرتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ سن کر کہا کہ بھیڑ سے بچنا تو اچھی بات ہے۔
 انہوں نے آخر میں یہ شعر پڑھا۔

وما سمی العجلان الا القوھم

خذ القعب احلب لبھا العبدوا عجل

اس کا نام عجلان اس لئے پڑا کہ لوگ اس سے کہتے تھے کہ ابے او غلام پیالہ لے اور جلدی
 سے دودھ لا۔“

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ سید القوم خادھم۔

علم الانساب

علم الانساب یعنی قبائل کا نام و نسب یا درکھنا، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خانہ زاد علم تھا۔
 یعنی کئی پشتوں سے چلا آتا تھا، ان کے باپ خطاب مشہور نساب تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ

تعالیٰ عنہ اس فن کی معلومات کے متعلق اکثر ان کا حوالہ دیا کرتے تھے۔ خطاب کے باپ
نضیل بھی اس فن میں شہرت رکھتے تھے۔ چنانچہ ان واقعات کو ہم حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ
عنہ کے ابتدائی حالات میں لکھ آئے ہیں۔

لکھنا پڑھنا بھی جیسا کہ ہم آغاز کتاب میں لکھ آئے ہیں، اسلام سے پہلے سیکھ لیا تھا۔

عبرانی زبان سے واقفیت

قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ پہنچ کر انہوں نے عبرانی زبان بھی سیکھ لی تھی۔ روایات
سے ثابت ہوتا ہے کہ اس وقت تک توریت کا ترجمہ عربی زبان میں نہیں ہوا تھا۔ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جب توریت کا کچھ کام پڑتا تھا تو عبرانی نسخہ ہی کی طرف
رجوع کرنا پڑتا تھا۔ اور چونکہ مسلمان عمرانی نہیں جانتے تھے اس لئے یہود پڑھ کر سناتے
اور عربی میں ترجمہ کرتے جاتے۔ صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے
روایت ہے کہ۔

كان اهل الكتاب يقرؤن التوراة بالعبرانية ويفسرونها بالعربية لاهل الاسلام۔

یعنی اہل کتاب توریت کو عبرانی زبان میں پڑھتے تھے اور مسلمانوں کے لئے عربی میں اس
کا ترجمہ کرتے جاتے تھے۔

مسند دارمی میں روایت ہے کہ ”ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ توریت کا ایک نسخہ
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گئے اور اس کو پڑھنا شروع کیا۔ وہ پڑھتے جاتے
تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ متغیر ہوتا جاتا تھا۔“^①

۱۔ (مسند دارمی مطبوعہ کانپور صفحہ ۶۲) اس سے قیاس ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عبرانی زبان اس قدر سیکھ گئے
تھے کہ توریت کو خود پڑھ سکتے تھے۔

یہ امر بھی صحیح روایتوں سے ثابت ہے کہ یہودیوں کے ہاں جس دن توریت کا درس ہوا کرتا تھا، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اکثر شریک ہوتے تھے۔ ان کا خود کا بیان ہے کہ میں یہودیوں کے درس کے دن ان کے ہاں جایا کرتا تھا۔ چنانچہ یہودی کہا کرتے تھے کہ تمہارے ہم مذہبوں میں سے ہم تم کو سب سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں۔ کیونکہ تم ہمارے پاس آتے جاتے ہو۔^①

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نقادی اور نکتہ سنجی نے یہاں بھی کام دیا۔ یعنی جس قدر وہ یہودیوں کی کتابوں سے واقف ہوتے گئے۔ اسی قدر ان کے بیہودہ افسانوں اور قصوں سے نفرت ہوتی گئی۔ نہایت کثرت سے روایتیں موجود ہیں کہ شام و عراق وغیرہ میں مسلمانوں کو یہودیوں کی تصنیفات ہاتھ آئیں تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں کو نہایت سختی سے ان کو پڑھنے سے روکا۔

ذہانت و طباعی

ان کی ذہانت و طباعی کا صحیح اندازہ اگرچہ ان کے فقہی اجتہادات سے ہو سکتا ہے جس کا ذکر علمی کمالات میں اوپر گزر چکا ہے۔ لیکن ان کی معمولی بات بھی ذہانت و طباعی سے خالی نہیں۔ چنانچہ ہم دو تین مثالیں نمونہ کے طور پر لکھتے ہیں۔

عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب انہوں نے کوفہ کا حاکم مقرر کیا تو برس دن بھی نہیں گزرے تھے کہ لوگوں نے دربار خلافت میں شکایت پیش کی کہ وہ رعب و داب اور سیاست کے آدمی نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو واپس بلا لیا اور کہا کہ میں خود بھی اس بات کو جانتا تھا۔ لیکن میں نے خیال کیا کہ شاید اللہ تعالیٰ آپ کو اس آیت کا

۱۔ (کنز العمال بروایت بیہقی وغیرہ جلد اول صفحہ 233)۔

مصدق بنائے۔^(۱)

وزیرِ دین من علی الذین استضعفوا فی الارض ونبجلہم ائمتہ ونبجلہم الوارثین۔

ہم چاہتے ہیں کہ ان لوگوں پر جو کمزور ہیں احسان کریں اور ان کو امام اور زمین کا وارث بنائیں۔

ایک دفعہ ایک شخص کو دعائے مانگتے سنا کہ ”خدا یا! مجھ کو فتنوں سے بچانا۔“ فرمایا کہ تم یہ چاہتے ہو کہ خدا تم کو آلِ اولاد نہ دے (ازالۃ اہتواء صفحہ 205) (قرآن مجید میں خدا نے آلِ اولاد کو فتنہ کہا ہے)۔ انما اموالکم واولادکم فتنۃ۔

ایک دفعہ ایک شخص نے پوچھا کہ دریا کے سفر میں قصر ہے یا نہیں؟ اس کی غرض یہ تھی کہ دریا کا سفر شرعاً سفر ہے یا نہیں؟ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کیوں نہیں، خدا خود فرماتا ہے۔

هو الذی یسیرکم فی البر والبحر۔

وہ (خدا) وہ ہے جو تم کو خشکی اور تری کی سیر کراتا ہے۔

حکیمانہ مقولے

ان کے حکیمانہ مقولے اکثر ادب کی کتابوں میں اور خصوصاً مجمع الامثال میدانی کے خاتمہ میں کثرت سے نقل کئے ہیں۔ نمونے کے طور پر بعض مقولے یہاں درج کئے جاتے ہیں۔

من کتم سرہ کان الخیار فی یدہ۔

جو شخص راز چھپاتا ہے وہ اپنا اختیار اپنے ہاتھ میں رکھتا ہے۔

اتقوا من تبغضہ قلوبکم عقل الناس اعذرہم للناس۔

۱۔ (تاریخ طبری واقعہ عزل عمار بن یاسر)۔

جس سے تم کو نفرت ہو اس سے ڈرتے رہو۔ سب سے زیادہ عاقل وہ شخص ہے جو اپنے افعال کی اچھی تاویل کر سکتا ہو۔"

لاتو خر عمل یومک الی غدک۔

آج کا کام کل پر اٹھانہ رکھو۔"

ابت الدراهم الا ان یخرج اعناقھا۔

روپے سراونچا کئے بغیر نہیں رہتے۔"

ماد برشی فاقبل۔

جو چیز پیچھے ہٹی پھر آگے نہیں بڑھتی۔"

من لم یعرف الشر یقع فیہ۔

جو شخص برائی سے واقف نہیں وہ برائی میں مبتلا ہوگا۔"

ماساء لنی رجل الاتین لی مانی عقلہ۔

جب کوئی شخص مجھ سے سوال کرتا ہے تو مجھ کو اس کی عقل کا اندازہ ہو جاتا ہے۔"

واعظ سے خطاب کر کے

لا یتک الناس عن نفسک اقل من الدنیا تعش صرا ترک الخطیئة اسهل من التوبة۔

لوگوں کو فکر میں تم اپنے تئیں بھول نہ جاؤ۔ دنیا تھوڑی سی لو تو آزادانہ بسر کرو گے۔ توبہ کی

تکلیف سے گناہ کا چھوڑ دینا زیادہ آسان ہے۔"

لی علی کل خائن امینان الماء والطين۔

ہر بدیانت پر میرے دودار و غے متعین ہیں آب و گل۔"

لوان الصبر والشکر بعیران ما بالیت علی ایھما رکبت۔

اگر صبر و شکر دو سوار یاں ہوتیں تو میں اس کی نہ پرواہ کرتا کہ دونوں میں سے کس پر سوار ہوں۔“

رحم اللہ امرأ اُھدی الی عیوبی۔

خدا اس شخص کا بھلا کرے جو میرے عیب میں بھیجتا ہے (یعنی مجھ پر میرے عیب ظاہر کرتا ہے۔“

صائب الرائے ہونا

رائے نہایت صائب ہوتی تھی۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ عمر کسی معاملے میں کہتے تھے کہ میرا اس کی نسبت یہ خیال ہے تو ہمیشہ وہی پیش آتا تھا۔ جو ان کا گمان ہوتا تھا۔^①

اس سے زیادہ اصابت رائے کی کیا دلیل ہوگی۔ کہ ان کی بہت سی رائیں مذہبی احکام بن گئیں۔ اور آج تک قائم ہیں۔

اذان کا طریقہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے

سے قائم ہوا

نماز کے اعلان کے لئے جب ایک معین طریقہ کی تجویز پیش ہوئی تو لوگوں نے مختلف رائیں پیش کیں۔ کسی نے ناقوس کا نام لیا۔ کسی نے ترہی کی رائے دی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ ایک آدمی کیوں نہ مقرر کیا جائے، جو نماز کی منادی کیا کرے۔ آنحضرت صلی

اللہ علیہ وسلم نے اسی وقت بلال کو حکم دیا کہ اذان دیں۔ چنانچہ یہ پہلا دن تھا کہ اذان کی طریقہ قائم ہوا اور درحقیقت ایک مذہبی فرض کے لئے اس سے زیادہ کوئی طریقہ مؤسر اور موزن نہیں ہو سکتا تھا۔

اسیران بدر

اسیران بدر کے معاملے میں جب اختلاف ہوا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو رائے دی وہی اسی کے موافق آئی۔

ازواج مطہرات کا پردہ

آنحضرت کی ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن پہلے پردہ نہیں کرتی تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس پر بارہا خیال ہوا۔ اور انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وحی کا انتظار فرماتے تھے۔ چنانچہ خاص پردہ کی آیت نازل ہوئی جس کو آیت حجاب کہتے ہیں۔

منافقوں پر نماز جنازہ

عبداللہ بن ابی جو منافقوں کا سردار تھا۔ جب مرے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خلق نبوی کی بناء پر اس کے جنازہ کی نماز پڑھنی چاہی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شدت سے منع کیا کہ آپ منافق کے جنازے پر نماز پڑھتے ہیں۔ اس پر یہ آیت اتری ”ولا تصل علی احد منہم“ یہ تمام واقعات صحیح بخاری وغیرہ میں مذکور ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے صائب کا نتیجہ تھا کہ قرآن مجید مدون مرتب ہوا، ورنہ

حضرت ابو بکر اور زید بن ثابت (کاتب وحی) دونوں صاحبوں نے پہلے اس تجویز کی مخالفت کی تھی۔

تمام مذہبی اور ملکی اہم مسائل میں جہاں جہاں صحابہ کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اختلاف ہوا (باستثنائے بعض) عموماً عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائیں صائب نکلیں، ممالک مفتوحہ کے متعلق اکثر صحابہ متفق الرائے تھے کہ فوج کو تقسیم کر دیئے جائیں۔ ایک حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس رائے کے خلاف تھے اور اگر لوگوں نے ان کی رائے کو نہ مانا ہوتا تو اسلامی مملکت آج کاشت کاری کے اعتبار سے بدتر ہو گئی ہوتی۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ و حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ دونوں فتوحات کی آمدنی میں ہر شخص کا برابر حصہ لگاتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حقوق اور کارگزاری کے فرق مراتب کے لحاظ سے مختلف شرحیں قرار دیں۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امہات اولاد کی خرید و فروخت کو جائز رکھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مخالفت کی۔ ان تمام واقعات میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے کو جو ترجیح ہے وہ محتاج دلیل نہیں

قابلیت خلافت کی نسبت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی

رائے

خلافت کے متعلق جب بحث پیدا ہوئی کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد کون اس بار گراں کو اٹھا سکتا ہے؟ تو چھ صاحبوں کے نام لئے گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہر ایک سے متعلق خاص خاص رائیں دیں اور وہ سب صحیح نکلیں۔

نکتہ سنجی اور غور رسی

وہ ہر کام میں غور و فکر کو عمل میں لاتے تھے اور ظاہری باتوں پر بھروسہ نہیں کرتے تھے۔ ان کا قول تھا کہ:

لَا تَعْجَبَنَّكَمَنَّ الرِّجَالُ طَمَظَنَةً

یعنی کسی کی شہرت کا آوازہ سن کر دھوکے میں نہ آؤ۔

اکثر کہا کرتے تھے:

لَا تَنْتَظِرُوا إِلَى صَلَوةِ امْرَأَةٍ وَلَا صِيَامِهِ وَلَكِنْ انْظُرُوا إِلَى عَقْلِهِ وَصَدَقَتِهِ۔

یعنی آدمی کی نماز، روزہ پر نہ جاؤ بلکہ اس کی سچائی اور عقل کو دیکھو۔

ایک دفعہ ایک شخص نے ان کے سامنے کسی کی تعریف کی، فرمایا کہ تم سے بھی معاملہ پڑا ہے؟ اس نے کہا نہیں، پوچھا، کبھی سفر میں ساتھ ہوا ہے۔ اس نے کہا نہیں، فرمایا کہ تو تم وہ بات کہتے ہو جو جانتے نہیں۔^(۱)

احادیث کے باب میں بڑی غلطی جو لوگوں سے ہوئی یہی تھی کہ اکثر محدثین جس کو زاہد و پارسا دیکھتے تھے ثقہ سمجھ کر اس سے روایت شروع کر دیتے تھے۔ عبدالکریم بن ابی الخارق جو ایک ضعیف الروایہ شخص تھا اس سے امام مالک نے روایت کی۔ لوگوں نے تعجب سے پوچھا کہ آپ ایسے شخص سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے فرمایا۔

غرني بكثرة جلوسه في المسجد۔^(۲)

یعنی اس بات نے مجھ کو دھوکہ دیا کہ وہ کثرت سے مسجد میں بیٹھا کرتا تھا۔

۱۔ (یقول ازالة اخطاء حصہ دوم صفحہ 197 میں نقل کیا ہے)

۲۔ (فتح المغیث صفحہ 13)۔

مذہبی زندگی

دن کو مہمات خلافت کی وجہ سے کم فرصت ملتی تھی اس لیے عبادت کا وقت رات کو مقرر تھا۔ معمول تھا کہ رات کو نفلیں پڑھتے تھے۔ جب صبح ہونے کو آتی تو گھر والوں کو جگاتے اور یہ آیت پڑھتے ”وامراھلک بالصلوۃ“ (موظا امام ملک)۔ فجر کی نماز میں بڑی بڑی سورتیں پڑھتے۔ لیکن زیادہ سے زیادہ 120 آیتیں پڑھتے تھے۔ عبد اللہ بن عامر کا بیان ہے کہ میں نے ایک دفعہ ان کے پیچھے فجر کی نماز پڑھی تو انہوں نے سورۃ یوسف اور سورۃ حج پڑھی تھی۔ سورۃ یونس، کہف اور سورۃ ہود کا پڑھنا بھی ان سے مروی ہے۔

نماز

نماز جماعت کے ساتھ پسند کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ میں اس کو تمام رات عبادت پر ترجیح دیتا ہوں۔ کوئی ضروری کام آ پڑتا اور وقت کی تاخیر کا خوف نہ ہوتا تو پہلے اس کو انجام دیتے۔ ایک دفعہ اقامت ہو چکی تھی اور صفیں درست ہو چکی تھیں۔ ایک شخص صف سے نکل کر ان کی طرف بڑھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کی طرف متوجہ ہوئے اور دیر تک اس سے باتیں کرتے رہے۔ فرمایا کرتے تھے: کھانے سے فارغ ہو کر نماز پڑھو۔ بعض اوقات جہاد وغیرہ کے اہتمام میں اس قدر مصروف رہتے تھے کہ نماز میں بھی وہی خیال بندھا رہتا تھا۔ خود ان کا قول ہے کہ میں نماز پڑھتا ہوں اور فوجیں تیار کرتا ہوں۔

ایک اور روایت میں ہے کہ میں نے نماز میں بحرین کے جزیرہ کا حساب کیا۔ ایک دفعہ نماز پڑھ رہے تھے کہ آیت ”غلیعبد وارب هذا البیت“ آئی تو کعبہ کی طرف انگلی اٹھا کر اشارہ کیا۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے اس روایت کو نقل کر کے لکھا ہے کہ نماز میں اس قدر اشارہ کرنا جائز

۱۔ ہے۔

بعض اوقات جمعہ کا خطبہ پڑھتے پڑھتے کسی سے مخاطب ہو جاتے۔ مؤطا امام مالک میں ہے کہ ایک دفعہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جمعہ میں دیر ہو گئی اور مسجد میں اس وقت پہنچے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خطبہ شروع کر دیا تھا۔ عین خطبہ کی حالت میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی طرف دیکھا اور کہا یہ کیا وقت ہے؟ انہوں نے کہا میں بازار سے آ رہا تھا کہ اذان سنی فوراً وضو کر کے حاضر ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا وضو پر کیوں اکتفا کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غسل کا حکم دیا کرتے تھے۔ ابوبکر بن شیبہ نے روایت کیا ہے کہ مرنے سے دو برس پہلے متصل روزے رکھنے شروع کئے تھے۔ اور انہی کی یہ روایت بھی کہ ایک شخص کی نسبت سنا کہ وہ صائم الدہر ہے تو اس کے مارنے کے لئے درہ اٹھایا (ازالۃ الخفاء صفحہ 102)۔

حج ہر سال کرتے تھے اور خود امیر قافلہ ہوتے تھے

قیامت کے مواخذہ سے بہت ڈرتے تھے اور ہر وقت اس کا خیال رہتا تھا۔ صحیح بخاری میں ہے کہ ایک دفعہ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مخاطب ہو کر کہا کہ کیوں ابو موسیٰ! تم اس پر راضی ہو کہ ہم لوگ جو اسلام لائے اور ہجرت کی اور رسول اللہ کی خدمت میں ہر گھڑی موجود رہے۔ ان تمام باتوں کا صلہ ہم کو یہ ملے کہ برابر برابر پر چھوٹ جائیں، نہ ہم کو ثواب ملے نہ عذاب، ابو موسیٰ نے کہا نہیں ہم تو اس پر ہرگز راضی نہیں۔ ہم نے بہت سی نیکیاں کی ہیں اور ہم کو بہت کچھ امید ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ”اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں عمر کی جان ہے کہ میں تو صرف اسی قدر چاہتا ہوں کہ ہم بے مواخذہ چھوٹ

جائیں۔ ”مرنے کے وقت یہ شعر پڑھتے تھے۔

ظلوم لنفسی غیرانی مسلم

اصلی الصلوٰۃ ککھا واصوم

بے تعصبی

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مذہب کی مجسم تصویر تھے لیکن زاہد متقشف نہ تھے۔ ہمارے علماء عیسائیوں کا برتن وغیرہ استعمال کرنا تقدس کے خلاف سمجھتے ہیں۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسبت امام بخاری رحمۃ اللہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ نے ایک روایت نقل کی ہے۔ تَوْضًا مِنْ مَاءِ جُبٍّ بِعَنْدِ نَصْرَانِيَةٍ (ازالۃ الخفاء صفحہ 88 جلد دوم)۔ بغوی کی روایت اس سے زیادہ صاف ہے۔ تَوْضًا عَمْرٍ مِّنْ مَّاءٍ فِيْ جَرْنِ نَصْرَانِيَةٍ (ازالۃ الخفاء صفحہ 13)۔ یعنی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عیسائی عورت کے گھڑے کے پانی سے وضو کیا۔ بغوی نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ عیسائی جو پیئر بناتے ہیں اس کو کھاد (ازالۃ الخفاء صفحہ 13)۔ عیسائیوں وغیرہ کا کھانا آج مکروہ اور ممنوع بتایا جاتا ہے لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے معاہدات میں یہ قاعدہ داخل کر دیا تھا کہ جب کسی مسلمان کا گزر ہو تو عیسائی اس کو تین دن مہمان رکھیں۔ آج غیر قوموں سے عداوت اور ضد رکھنے کی تعلیم دی جاتی ہے لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ حال تھا کہ مرتے مرتے بھی عیسائی اور یہودی رعایا کو نہ بھولے۔ چنانچہ ان کی نسبت رحم اور ہمدردی کی جو وصیت کی وہ صحیح بخاری و کتاب الخراج وغیرہ میں مذکور ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے اس امر کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے محاسن و فضائل میں شمار کیا ہے کہ وہ اہل ذمہ (عیسائی اور یہودی جو مسلمانوں کے ملک میں رہتے تھے) کے ساتھ بھلائی کرنے کی تاکید کرتے تھے۔ چنانچہ شاہ صاحب کے خالص

الفاظ یہ ہیں "وازاں جملہ آنکہ باحسان اہل ذمہ تا کید فرمود۔" ①

محب طبری وغیرہ نے روایت کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے افسروں کو عیسائیوں کو ملازم رکھنے سے بھی منع کرتے تھے۔ افسوس ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی ان روایتوں کو قبول کیا ہے۔ لیکن جس شخص نے محب طبری کی کتاب (ریاض النضرۃ) دیکھی ہے وہ پہلی نظر میں سمجھ سکتا ہے کہ ان روایتوں کا کیا پایہ ہے۔ ان بزرگوں کو بھی یہ خبر نہیں کہ عراق، مصر، شام کا دفتر مال گزاری جس قدر تھاسریانی و قبطی وغیرہ زبانوں میں تھا۔ اور اس وجہ سے دفتر مال گزاری کے تمام اعمال مجوسی یا عیسائی تھے۔ ملازمت اور خدمت ایک طرف حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے توفن فرائض کی ترتیب اور درستی کے لئے بھی ایک رومی عیسائی کو مدینہ منورہ میں طلب کیا تھا، چنانچہ علامہ بلاذری نے اس واقعہ کو کتاب الاشراف میں تصریح لکھا ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں۔

ابعث الینا برومی یتقیم لنا حساب فرائضنا۔

ہمارے پاس ایک رومی کو بھیج دو جو فرائض کے حساب کو درست کر دے۔"

آج غیر مذہب کا کوئی شخص مکہ معظمہ نہیں جاسکتا اور یہ ایک شرعی مسئلہ خیال کیا جاتا ہے۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں غیر مذہب والے بے تکلف مکہ معظمہ جاتے تھے۔ اور جب تک چاہتے تھے مقیم رہتے تھے۔ چنانچہ قاضی ابو یوسف نے کتاب الخراج میں متعدد واقعات نقل کئے ہیں (کتاب الخراج صفحہ ۷۸، ۷۹)۔ آجکل یورپ والے جو اسلام پر تنگ دلی اور وہم پرستی کا الزام لگاتے ہیں۔ اسلام کی صحیح تصویر خلفائے راشدین کے حالات کے آئینہ میں نظر آسکتی ہے۔

علمی صحبتیں

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مجلس میں اکثر علمی مسائل پر گفتگو ہوا کرتی۔ ایک دن صحابہ بدر (وہ صحابہ جو جنگ بدر میں رسول اللہ کے شریک تھے) مجلس میں جمع تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجمع صحابہ کی طرف خطاب کر کے کہا، اذآء نصر اللہ وفتح سے کیا مراد ہے؟ بعضوں نے کہا کہ خدا نے حکم دیا ہے کہ جب فتح حاصل ہو تو ہم خدا کا شکر بجالائیں۔ بعض بالکل چپ رہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف دیکھا، انہوں نے کہا ”اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی طرف اشارہ ہے، یعنی اے محمد! جب فتح و نصرت آچکی تو یہ تیرے دنیا سے اٹھنے کی علامت ہے اس لئے تو خدا کی حمد کر اور گناہ کی معافی مانگ، بے شک خدا بڑا قبول کرنے والا ہے۔“ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا جو تم نے کہا یہی میرا خیال ہے۔^(۱)

ایک اور دن صحابہ کا مجمع تھا۔ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی شریک تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس آیت کے معنی پوچھے ”ایودا حکم ان نکون لہ جنۃ لگوگوں نے کہا کہ خدا زیادہ جانتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس لا حاصل جواب پر غصہ آیا۔ اور کہا کہ نہیں معلوم ہے تو صاف کہنا چاہیے کہ معلوم نہیں ہے۔ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ آیت کے صحیح معنی جانتے تھے۔ لیکن کم عمری کی وجہ سے جھجکتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی طرف دیکھا اور کہا کہ صاحبزادے! اپنے آپ کو حقیر نہ سمجھو، جو تمہارے خیال میں ہو بیان کرو۔ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا خدا نے ایک

کام کرنے والے شخص کی تمثیل دی ہے۔ چونکہ جواب نامتام تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس پر قناعت نہ کی لیکن عبداللہ بن عباس اس سے زیادہ نہ بتا سکتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا یہ اس آدمی کی تمثیل ہے جس کو خدا نے دولت و نعمت دی کہ خدا کی بندگی بجالائے۔ اس نے نافرمانی کی تو اس کے اعمال بھی برباد کر دیئے۔

ایک دفعہ مہاجرین صحابہ میں سے ایک صاحب نے شراب پی اور اس جرم میں ماخوذ ہو کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے آئے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سزا دینی چاہی۔ انہوں نے کہا کہ قرآن کی اس آیت سے ثابت ہے کہ ہم لوگ اس گناہ کی سزا کے مستوجب نہیں ہو سکتے۔ پھر یہ آیت لیس علی الذین امنوا و عملوا الصلحت جناح طیما طعموا یعنی جن لوگوں نے ایمان قبول کیا اور اچھے کام کئے انہوں نے جو کچھ کھا یا پیا ان پر الزام نہیں۔ استدلال میں پیش کر کے کہا کہ ”میں بدر، خندق، حدیبیہ اور دیگر غزوات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہا ہوں اس لئے میں ان لوگوں میں داخل ہوں جنہوں نے اچھے کام کئے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحابہ کی طرف دیکھا۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بولے کہ یہ معافی پچھلے زمانہ کے متعلق ہے یعنی جن لوگوں نے شراب کی حرمت نازل ہونے سے پہلے شراب پی، ان کے اور اعمال اگر صالح ہیں تو ان پر کچھ الزام نہیں۔ اس کے بعد یہ آیت پڑھی۔ جس میں شراب کی ممانعت کا صریح حکم ہے۔^(۱) یا ایہا الذین امنوا نما الحمر والامیسر والانصاب والالزام رجس من عمل الشیطان فاجتنبوه۔

ارباب صحبت

جن لوگوں سے صحبت رکھتے تھے وہ عموماً اہل علم و فضل ہوتے تھے۔ اور اس میں وہ نوعمر اور

۱۔ (ازالۃ الخفاء بحوالہ روایت حاکم صفحہ 213)۔

معمر کی تمیز نہیں کرتے تھے۔ صحیح بخاری میں ہے۔^①

وکان القرآن اصحاب مجالس عمر ومشاورتہ کھولاً کانوشباناً۔

یعنی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اہل مجلس اور اہل مشورت علماء تھے خواہ بوڑھے ہوں یا جوان۔

فقہ کا بہت بڑا حصہ جو منقح ہوا اور فقہ عمری کہلاتا ہے، انہی مجلسوں کی بدولت ہوا۔ اس مجلس کے بڑے بڑے ارکان ابی ابن کعب، زید بن ثابت، عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عباس، عبدالرحمن بن عوف، حرب بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہم تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان تمام لوگوں کو علمی فضیلت کی وجہ سے نہایت عزیز رکھتے تھے۔ معمول تھا کہ جب مجلس میں بیٹھتے تو امتیاز مراتب کے لحاظ سے لوگوں کو باریابی کی اجازت دیتے یعنی پہلے قدمائے صحابہ آتے پھر ان سے قریب والے علیٰ ہذا لیکن کبھی کبھی یہ ترتیب توڑ دی جاتی اور یہ امر خاص ان لوگوں کے لئے ہوتا جو علم کی فضیلت میں ممتاز ہوتے تھے۔ چنانچہ (فتح الباری شرح بخاری تفسیر اذا جاء نصر اللہ) عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قدمائے صحابہ کے ساتھ شامل کر دیا تھا۔ تاہم یہ حکم دیا کہ سوال و جواب میں اور بزرگوں کی ہمسری نہ کریں۔ یعنی جو کچھ کہنا ہو سب کے بعد کہیں۔ اکثر ایسا ہوتا کہ جو لوگ عمر میں کم تھے مسائل کے متعلق رائے دینے میں جھجکتے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کو ہمت دلاتے اور فرماتے کہ علم سن (عمر) کی کمی یا زیادتی پر نہیں ہے۔^②

عبداللہ بن عباس اس وقت بالکل نو جوان تھے۔ ان کی شرکت پر بعض اکابر صحابہ نے

① صحیح بخاری جلد دوم صفحہ 449 بغوی نے زہری سے روایت کی ہے کہ کان مجلس عمر متقانی القرآن، ازالۃ الخفاء صفحہ

119)۔

② (ازالۃ الخفاء بحوالہ بغوی صفحہ 119)

شکایت کی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی خصوصیت کی وجہ بتائی۔ اور ایک علمی مسئلہ پیش کیا جس کا جواب بجز عبداللہ بن عباس کے اور کسی شخص نے صحیح نہیں دیا۔ عبداللہ بن مسعود کی بھی قدر کرتے تھے۔ 21 ہجری میں جب ان کو کوفہ کا مفتی اور افسر خزانہ مقرر کر کے بھیجا تو اہل کوفہ کو لکھا کہ ”میں ان کو معلم اور وزیر مقرر کر کے بھیجتا ہوں اور میں نے تم لوگوں کو اپنے آپ پر ترجیح دی ہے کہ ان کو اپنے پاس سے جدا کرتا ہوں۔“ بارہا ایسا ہوا کہ جب کسی مسئلہ کو عبداللہ بن مسعود نے حل کیا تو ان کی شان میں فرمایا۔

کلیف ملنی علماء۔

یعنی ایک ظرف ہے جو علم سے بھرا ہوا ہے۔“

اگرچہ فضل و کمال کے لحاظ سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوا کوئی ان کا ہمسر نہ تھا۔ تاہم وہ اہل کمال کے ساتھ اس طرح پیش آتے تھے جس طرح خود بزرگ کے ساتھ پیش آتے تھے۔ علامہ ذہبی نے تذکرۃ انخفاء میں لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابی ابن کعب کی نہایت تعظیم کرتے تھے اور ان سے ڈرتے تھے۔ ابی نے جب انتقال کیا تو فرمایا کہ آج مسلمانوں کا سردار اٹھ گیا۔ زید بن ثابت کو اکثر اپنی غیر حاضری میں اپنا جانشین مقرر کرتے تھے اور جب واپس آتے تھے تو کچھ نہ کچھ جاگیر کے طور پر ان کو عطا کرتے تھے (سیر العمرین لابن الجوزی)۔ اسی طرح ابو عبیدہ، سلمان فارسی، عمیر، سعد، ابو موسیٰ اشعری، سالم، ابو درد، عمران بن حصین وغیرہ کی نہایت عزت کرتے تھے۔ بہت سے صحابہ تھے جن کے روزینے فقط اس بناء پر مقرر کئے تھے کہ وہ فضل و کمال میں ممتاز ہیں۔ ابوذر غفاری جنگ بدر میں شریک نہ تھے لیکن ان کا روزینہ اصحاب بدر کے برابر مقرر کیا تھا۔ اسی بناء پر کہ وہ فضل و کمال میں اور لوگوں سے کم نہیں۔

اہل کمال کی قدردانی

ان کی قدردانی کسی خاص گروہ تک محدود نہ تھی۔ کسی شخص میں کسی قسم کا جوہر ہوتا تھا تو اس کے ساتھ خاص مراعات کرتے تھے۔ عمیر بن وہب الجملی کا وظیفہ 200 دینار سالانہ اس بناء پر مقرر کیا کہ وہ پُرخطر معرکوں میں ثابت قدم رہتے ہیں (فتوح البلدان صفحہ 452)۔ خارجہ بن حذافہ اور عثمان بن ابی العاص کے وظیفے اس بناء پر مقرر کئے کہ خارجہ بہادر اور عثمان نہایت فیاض تھے۔^(۱)

لطیفہ

ایک دفعہ مغیرہ بن شعبہ کو حکم بھیجا کہ کوفہ میں جس قدر شعراء ہیں ان کے وہ اشعار جو انہوں نے زمانہ اسلام میں کہے ہیں لکھوا کر بھیجو۔ مغیرہ نے پہلے اغلب عجمی کو بلوایا۔ اور شعر پڑھنے کی فرمائش کی۔ اس نے یہ شعر پڑھا۔

لقد طلبت هدياً موجوداً

ارجز أتریدام قصيداً

تم نے بہت آسان چیز کی فرمائش کی ہے، بولو قصیدہ چاہتے ہو یا رجز؟

پھر لبید کو بلا کر یہ حکم سنایا۔ وہ سورۃ بقرہ لکھ کر لائے کہ خدا نے شعر کے بدلے مجھ کو یہ عنایت کیا ہے۔ مغیرہ نے یہ پوری کیفیت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لکھ کر بھیجی۔ وہاں سے جواب آیا کہ ”اغلب کے روزینے میں سے گھٹا کر لبید کے روزینے میں پانسو کا اضافہ کر دو“ اغلب نے حضرت عمر کی خدمت میں عرض کیا کہ بجا آوری حکم کا یہ صلہ ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لبید کے اضافہ کے ساتھ اس کی تنخواہ بھی بحال رہنے دی۔ اس زمانے میں

جس قدر اہل کمال تھے مثلاً شعراء، خطباء، نساب، بہادر سب ان کے دربار میں آئے اور ان کی قدر دانی سے مشکور ہوئے۔ اس زمانہ کا سب سے بڑا شاعر متمم بن نویرہ تھا جس کے بھائی کو ابو بکر صدیق کے زمانے میں حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے غلطی سے قتل کر دیا تھا۔ اس واقعہ نے اس کو اس قدر صدمہ پہنچایا کہ ہمیشہ رویا کرتا اور مرثیے کہا کرتا۔ جس طرف نکل جاتا، زن و مرد اس کے گرد جمع ہو جاتے اور اس سے مرثیے پڑھوا کر سنتے۔ مرثیے پڑھنے کے ساتھ خود روتا جاتا تھا اور سب کو رولاتا جاتا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے مرثیہ پڑھنے کی فرمائش کی۔ اس نے چند اشعار پڑھے۔ اخیر کے شعر یہ تھے۔

وکننا کدماء جذیمۃ حقبة

من الدھر حتی قبل لن یتصدعا

فلما تفرقا کانی و مالکاً

لطول اجتماع لم نبت لیلیۃ معا

ایک مدت تک ہم دونوں جذیمہ (ایک بادشاہ کا نام ہے) کے ندیم مو کے مثل رہے، یہاں تک کہ لوگوں نے کہا اب یہ جدا نہ ہوں گے، پھر جب ہم دونوں جدا ہو گئے تو گویا ایک رات بھی ہم دونوں نے ساتھ بسر نہیں کی تھی۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے متمم سے خطاب کر کے کہا کہ اگر مجھ کو ایسا مرثیہ کہنا آتا تو میں اپنے بھائی زید کا مرثیہ کہتا۔ اس نے کہا امیر المؤمنین! اگر میرا بھائی آپ کے بھائی کی طرح (یعنی شہید ہو کر) مارا جاتا تو میں ہرگز اس کا ماتم نہ کرتا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہمیشہ فرمایا کرتے تھے کہ ”متمم نے جیسی میری تعزیت کی کسی نے نہیں کی۔“

اسی زمانے میں ایک اور بڑی مرثیہ گو شاعرہ خنساء تھی۔ اس کا دیوان آج بھی موجود ہے جس میں مرثیوں کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ علمائے ادب کا اتفاق ہے کہ مرثیہ کے فن میں آج تک خنساء کا مثل نہیں پیدا ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو کعبہ میں روتے اور چیختے دیکھا۔ پاس جا کر تعزیت کی۔ اور جب اس کے چار بیٹے جنگ قادسیہ میں شہید ہوئے تو چاروں کی تنخواہیں اس کے نام جاری کر دیں۔

پہلوانی اور بہادری میں دو شخص طلیحہ بن خالد اور عمرو معدی کرب تمام عرب میں ممتاز تھے۔ اور ہزار ہزار سوار کے برابر مانے جاتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دونوں کو اپنے دربار میں بار دیا۔ اور قادسیہ کے معرکے میں جب ان کو بھیجا تو سعد بن وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لکھا کہ میں دو ہزار سوار تمہارے مدد کو بھیجتا ہوں۔ عمرو معدی کرب پہلوانی کے ساتھ ساتھ خطیب اور شاعر بھی تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان سے فنون حرب کے متعلق گفتگو کیا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک جلسہ میں قبائل عرب اور اسلحہ جنگ کی نسبت جو سوالات کئے اور عمرو معدی کرنے ایک ایک کی نسبت جن مختصر اور بلیغ فقروں میں جواب دیئے اس کو اہل عرب نے عموماً اور مسعودی نے مروج الذهب میں تفصیل لکھا ہے۔ چنانچہ نیزہ کی نسبت پوچھا تو کہا۔

اخوک و ربما خانک

یعنی تیرا بھائی ہے لیکن کبھی کبھی دغا دے جاتا ہے۔

پھرتیروں کی نسبت پوچھا تو کہا۔

بردا لمنایا خطی و تصیب

یعنی موت کے قاصد ہیں کبھی منزل تک پہنچتے ہیں اور کبھی بہک جاتے ہیں۔

ڈھال کی نسبت کہا۔

علیہ تدور الدوائر

اسی طرح ایک ایک ہتھیار کی نسبت عجب عجب بلیغ فقرے استعمال کئے جس کی تفصیل کا یہ محل نہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس طریق عمل نے عرب کے تمام قابل آدمیوں کو دربار خلافت میں جمع کر دیا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی قابلیتوں سے بڑے بڑے کام لئے۔

متعلقین جناب رسول اللہ کا پاس و لحاظ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلق کا نہایت پاس کرتے تھے۔ جب صحابہ وغیرہ کے روزینے مقرر کرنے چاہے تو عبدالرحمن بن عوف وغیرہ کی رائے تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مقدم رکھے جائیں لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انکار کیا اور کہا کہ ترتیب مدارج میں سب مقدم آنحضرت کے تعلقات کے قرب و بعد کا لحاظ ہے۔ چنانچہ سب سے پہلے قبیلہ بنو ہاشم سے شروع کیا۔ اور اس میں بھی حضرت عباس و حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ناموں سے ابتداء کی۔ بنو ہاشم کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت میں قریب بنو امیہ تھے۔ پھر بنو عبدالمطلب، بنو نوفل، پھر عبدالمطلب یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبیلہ بنو عدی پانچویں درجے میں پڑتا ہے۔ چنانچہ اسی ترتیب سے سب کے نام لکھے گئے۔ تنخواہوں کی مقدار میں بھی اسی کا لحاظ رکھا۔ سب سے زیادہ تنخواہیں جن لوگوں کی تھیں وہ اصحاب بدر تھے۔ حضرت حسن و حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اگرچہ اس گروہ میں نہ تھے۔ لیکن ان کی تنخواہیں اسی حساب سے مقرر کیں، رسول اللہ کی ازواج مطہرات کی

تنخواہیں بارہ بارہ ہزار مقرر کیں۔ اور یہ سب سے بڑی مقدار تھی۔ اسامہ بن زید کی تنخواہ جب اپنے فرزند عبداللہ سے زیادہ مقرر کی تو عبداللہ نے عذر کیا۔ فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسامہ کو تجھ سے اور اسامہ کے باپ کو تیرے باپ سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔^(۱)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ حضرت ابو بکر کی ابتدائے خلافت میں (جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں) کسی قدر شکر رنجی رہی جس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چھ مہینے تک حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت پر بیعت نہیں کی۔ چنانچہ صحیح بخاری باب غزوہ خیبر میں ہے کہ چھ مہینے کے بعد یعنی جب فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا انتقال ہو گیا تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مصالحت اور بیعت کی غرض سے بلانا چاہا۔ لیکن یہ کہلا بھیجا کہ آپ تنہا آئیں۔ کیونکہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی موجودگی پسند نہیں کرتے تھے۔^(۲)

لیکن رفتہ رفتہ جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلافت کا ملال جاتا رہا تو بالکل صفائی ہو گئی۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑی بری مہمات میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مشورہ کے بغیر کام نہیں کرتے تھے۔ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی نہایت دوستانہ اور مخلصانہ مشورے دیتے تھے۔ نہاوند کے معرکے میں ان کو سپہ سالار بھی بنانا چاہا لیکن انہوں نے منظور نہیں کیا۔ بیت المقدس گئے تو کاروبار خلافت انہی کے ہاتھ میں دے کر گئے۔ اتحاد و یگانگت کا اخیر مرتبہ یہ تھا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو جو فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بطن سے تھیں ان کے عقد میں

۱۔ (تمام تفصیل کتاب الخراج صفحہ 2524 میں ہے)۔

۲۔ (بخاری کے اصلی الفاظ یہ ہیں کہ کراہیۃ الحج عمر)۔

دے دیا۔ چنانچہ اس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

اخلاق، عادات، تواضع و سادگی

ان کے اخلاق و عادات کے بیان میں مؤرخین نے تواضع اور سادگی کا مستقل عنوان قائم کیا ہے اور درحقیقت ان کی عظمت و شان کے تاج پر سادگی کا طرہ نہایت خوشنما معلوم ہوتا ہے۔ ان کی زندگی کی تصویر کا ایک رخ یہ ہے کہ روم و شام پر فوجیں بھیج رہے ہیں۔ قیصر و کسریٰ کے سفیروں سے معاملہ پیش ہے۔ خالد و امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے باز پرس ہے، سعد بن ابی وقاص، ابو موسیٰ اشعری، عمرو بن العاص کے نام احکام لکھے جا رہے ہیں۔ دوسرا رخ یہ ہے کہ بدن پر بارہ پیوند لگا کرتے ہیں۔ سر پر پھٹا سا عمامہ ہے۔ پاؤں میں پھٹی جوتیاں ہیں پھر اس حالت میں یا تو کاندھے پر مشک لئے جا رہے ہیں کہ بیوہ عورتوں کے گھر پانی پہنچا دیں۔ یا مسجد کے کسی گوشے میں فرش خاک پر لیٹے ہیں۔ اس لئے کہ کام کرتے کرتے تھک گئے ہیں اور نیند کی چھکی سی آگئی ہے۔^①

بارہا مکہ سے مدینہ تک سفر کیا، لیکن خیمہ یا شامیانہ کبھی ساتھ نہیں رہا۔ جہاں ٹھہرے کسی درخت پر چادر ڈال دیا اور اسی کے سائے میں پڑ رہے۔ ابن سعد کی روایت ہے کہ ان کی روزانہ خانگی خرچ دو درہم تھا جس کے کم بیش ۱۰ آنے ہوتے ہیں۔ ایک دفعہ اختف بن قیس رؤسائے عرب کے ساتھ ان سے ملنے کو گئے۔ دیکھا تو دامن چڑھائے ادھر ادھر دوڑتے پھرتے ہیں۔ اختف کو دیکھا کر کہا ”آؤ تم بھی میرا ساتھ دو۔ بیت المال کا ایک اونٹ بھاگ گیا ہے۔ تم جانتے ہو ایک اونٹ میں کتنے غریبوں کا حق شامل ہے۔“ ایک شخص نے کہا کہ امیر المومنین آپ کیوں تکلیف اٹھاتے ہیں، کسی غلام کو حکم دیجیئے وہ ڈھونڈ لائے

گا۔ فرمایا ای عبد اعمد منیٰ یعنی مجھ سے بڑھ کر کون غلام ہو سکتا ہے۔

مؤطا امام محمد میں روایت ہے کہ جب شام کا سفر کیا تو شہر کے قریب پہنچ کر قضائے حاجت کے لئے سواری سے اترے۔ اسلم ان کا غلام بھی ساتھ تھا۔ فارغ ہو کر آئے تو (بھول کر یا کسی مصلحت سے) اسلم کے اونٹ پر سوار ہو گئے۔ ادھر اہل شام بھی استقبال کو آ رہے تھے۔ جو آتا پہلے اسلم کی طرف متوجہ ہوتا تھا۔ وہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف اشارہ کرتا تھا۔ لوگوں کو تعجب ہوتا تھا اور آپس میں حیرت سے سرگوشیاں کرتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ان کی نگاہیں عجیبی شان و شوکت ڈھونڈ رہی ہیں (وہ یہاں کہاں)۔

ایک خطبہ میں کہا کہ ”صاحبو! ایک زمانے میں میں اس قدر نادار تھا کہ لوگوں کو پانی بھر کر لا دیا کرتا تھا۔ اس کے صلے میں وہ مجھ کو چھوہارے دیتے تھے۔ وہی کھا کر بسر کرتا تھا۔“ یہ کہہ کر منبر سے اتر آئے۔ لوگوں کو تعجب ہوا کہ یہ منبر پر کہنے کی کیا بات تھی۔ فرمایا کہ میری طبیعت میں ذرا سا غرور آ گیا تھا یہ اس کی دوا تھی۔

23 ہجری میں سفر حج کیا اور یہ وہ زمانہ تھا کہ ان کی سطوت و جبروت کا آفتاب نصف النہار پر آ گیا تھا۔ سعید بن المسیب جو ایک مشہور تابعی گزرے ہیں وہ بھی اس سفر میں شریک تھے۔ ان کا بیان ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب لیلح میں پہنچے تو سنگریزے سمیٹ کر اس پر کپڑا ڈال دیا اور اسی کو تکیہ بنا کر فرش خاک پر لیٹ گئے۔ پھر آسمان کی طرف ہاتھ اٹھائے اور کہا اے خدا! میری عمر اب زیادہ ہو گئی ہے۔ اب قویٰ کمزور ہو گئے۔ اب مجھ کو دنیا سے اٹھالے۔ ①

زندہ دلی

اگرچہ خلافت کے افکار نے ان کو خشک مزاج بنا دیا تھا۔ لیکن یہ ان کی طبع حالت نہ تھی کبھی کبھی موقع ملتا تو زندہ دلی کے اشغال سے جی بہلاتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن عباس سے رات بھر اشعار پڑھوایا کئے۔ ”جب صبح ہونے لگی تو کہا کہ اب قرآن پڑھو۔“ محدث ابن الجوزی نے سیرۃ العمرین میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ رات کو گشت کر رہے تھے۔ ایک طرف سے گانے کی آواز آئی۔ ادھر متوجہ ہوئے اور دیر تک کھڑے سنتے رہے۔ ایک دفعہ سفر حج میں حضرت عثمان، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم وغیرہ ساتھ تھے۔ عبداللہ بن زبیر اپنے ہم سنوں کے ساتھ چہل کرتے تھے۔ اور خطل کے دانے اچھالتے چلتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ صرف اس قدر فرماتے تھے کہ دیکھو اونٹ بھڑکنے نہ پائیں۔ لوگوں نے رباح سے حدی گانے کی فرمائش کی۔ وہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خیال سے رکے۔ لیکن جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کچھ ناراضی نہ ظاہر کی تو رباح نے گانا شروع کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی سنتے رہے۔ جب صبح ہو چلی تو فرمایا کہ ”بس اب خدا کے ذکر کا وقت ہے (ازالۃ الخفاء صفحہ 204)۔ ایک دفعہ حج میں ایک سوار گاتا جا رہا تھا۔ لوگوں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ آپ اس کو منع نہیں کرتے۔ فرمایا کہ گانا شتر سواروں کا زاد راہ ہے (ازالۃ الخفاء صفحہ 19)۔ خوات بن جبیر کا بیان ہے کہ ایک دفعہ سفر میں، میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ تھا۔ ابو عبیدہ اور عبدالرحمن بن عوف بھی ہمراہ تھے۔ لوگوں نے مجھ سے فرمائش کی کہ ضرار کے اشعار گائے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا بہتر یہ ہے کہ اپنے اشعار گائیں چنانچہ میں نے گانا شروع کیا اور ساری رات گاتا رہا (ازالۃ الخفاء صفحہ 19)

مزاج کی سختی

مزاج قدرتی طور پر نہایت تند، تیز اور زود مشتعل واقع ہوا تھا۔ جاہلیت کے زمانے میں تو وہ قہر مجسم تھے۔ لیکن اسلام کے بعد بھی مدتوں تک اس کا اثر نہیں گیا۔

غزوہ بدر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ کو معلوم ہے کافروں نے بنو ہاشم کو مجبور کر کے اپنے ساتھ لیا اور نہ وہ خود کبھی نہ آتے۔ اس لئے اگر ابوالخبری یا عباس وغیرہ کہیں نظر آئیں تو ان کو قتل نہ کرنا۔ ابو حذیفہ بول اٹھے کہ ہم اپنے باپ، بیٹے، بھائی سے درگزر نہیں کرتے تو بنو ہاشم میں کیا خصوصیت ہے۔ واللہ اگر عباس مجھ کو ہاتھ آئیں گے تو میں ان کو تلوار کا مزہ چکھاؤں گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی یہ گستاخی ناگوار گزری۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مخاطب ہو کر فرمایا ابو حفص (حضرت عمر کی کنیت تھی) دیکھتے ہو، عم رسول کا چہرہ تلوار کے قابل ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے آپ سے باہر ہو گئے۔ اور کہا کہ ”اجازت دیجئے کہ میں اس کا سراڑا دوں۔“ ابو حذیفہ بڑے رتبہ کے صحابی تھے، اور یہ جملہ اتفاقیہ ان کی زبان سے نکل گیا تھا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کچھ مواخذہ نہیں کیا۔

حاطب بن ابی بلتعہ ایک معزز صحابی تھے۔ اور غزوہ بدر میں شریک رہے تھے۔ انہوں نے ایک دفعہ ایک ضرورت سے کفار مکہ سے خفیہ خط و کتابت کی۔ یہ راز کھل گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ برا فروختہ ہو کر آنحضرت کے پاس پہنچے کہ یہ کافر ہو گیا ہے۔ مجھ کو اجازت دیجئے کہ اس کو قتل کر دوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابن الخطاب تجھ کو معلوم نہیں۔ خدا نے اہل بدر سے کہہ دیا ہے کہ تم جو چاہو کرو۔ میں سب معاف کر دوں گا۔ ذوالخویصرہ ایک شخص نے ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے گستاخانہ کہا ”عدل اختیار کر“ حضرت عمر رضی

اللہ تعالیٰ عنہ غصے سے بیتاب ہو گئے۔ اور چاہا کہ اس کو قتل کر دیں۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیا۔

ان واقعات سے تم کو اندازہ ہو گیا ہوگا کہ کس طرح ہر موقع پر ان کی تلوار نیام سے نکلی پڑتی تھی اور کافر تو کافر خود مسلمان کے ساتھ ان کا کیا سلوک تھا۔ لیکن السلام کی برکت اور عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی احتیاط اور خلافت کی مہمات نے ان کو رفتہ رفتہ نرم اور حلیم بنا دیا۔ یہاں تک کہ خلافت کے زمانے میں وہ کافروں تک کے ساتھ جس رحم دلی اور لطف کا برتاؤ کرتے تھے آج مسلمانوں سے مسلمان نہیں کرتے۔

آل اولاد کے ساتھ محبت

ان کی خانگی زندگی کے حالات کم معلوم ہیں۔ قرائن سے اس قدر ثابت ہے کہ وہ ازواج و اولاد کے بہت دلدادہ نہ تھے۔ اور خصوصاً ازواج کے ساتھ ان کو بالکل شغف نہ تھا۔ جس کی وجہ زیادہ یہ تھی کہ وہ عورتوں کی جس قدر عزت کرنی چاہیے تھی نہیں کرتے تھے۔ صحیح بخاری باب اللباس میں خود ان کا قول مذکور ہے کہ ہم لوگ زمانہ جاہلیت میں عورتوں کو بالکل ہیج سمجھتے تھے۔ جب قرآن نازل ہوا اور اس میں عورتوں کا ذکر آیا تو ہم سمجھے کہ وہ بھی کوئی چیز ہیں۔ تاہم ہم ان کو معاملات میں بالکل دخل نہیں دینے دیتے تھے۔ اسی روایت میں ہے کہ ایک دفعہ انہوں نے اپنی بیوی کو سخت سست کہا۔ انہوں نے بھی برابر کا جواب دیا۔ اس پر کہا اب تمہارا یہ رتبہ پہنچا۔ وہ بولیں کہ تمہاری بیٹی بھی رسول اللہ سے دو بدو ایسی باتیں کرتی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ کی ایک بیوی جبیلہ تھیں۔ ان کے بطن سے عاصم پیدا ہوئے۔ عاصم ابھی صغیرہ سن ہی تھے کہ حضرت عمر نے کسی وجہ سے ان کو طلاق دے دی۔ یہ حضرت ابو بکر کا

زمانہ تھا اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قبا سے جہاں پہلے رہا کرتے تھے اٹھ کر مدینہ میں آ گئے۔ ایک دن اتفاق سے قبا کی طرف جا نکلے۔ عاصم بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو پکڑ کر اپنے گھوڑے پر بٹھا لیا۔ اور ساتھ لے جانا چاہا۔ عاصم کی ماں کو خبر ہوئی۔ وہ آن کر مزاحم ہوئیں کہ میرا لڑکا ہے۔ میں اپنے پاس رکھوں گی۔ جھگڑے نے طول کھینچا اور وہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاں فریادی بن کر آئیں۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف فیصلہ کیا اور اس لئے وہ مجبور ہو گئے۔ یہ واقعہ مؤطا امام مالک وغیرہ میں مذکور ہے۔ ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کے ساتھ ان کا سلوک محبت اور رحم کے اس پایہ کا نہ تھا جیسا کہ اور بزرگوں کا تھا۔ اولاد و اہل خاندان سے بھی ان کو غیر معمولی محبت نہ تھی۔ البتہ زید سے جو حقیقی بھائی تھے نہایت الفت تھی۔ چنانچہ جب وہ یمامہ کی لڑائی میں شہید ہوئے تو بہت روئے اور سخت قلق ہوا۔ فرمایا کرتے تھے کہ جب یمامہ کی طرف سے ہوا چلتی ہے تو مجھ کو زید کی خوشبو آتی ہے۔ عرب کا مشہور مرثیہ گو شاعر متمم بن نویرہ جب ان کی خدمت میں آتا تو فرمائش کرتے کہ زید کا مرثیہ کہو۔ مجھے کو تمہارے جیسا کہنا آتا تو میں خود کہتا۔

مسکن

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جیسا کہ ہم پہلے حصے میں لکھائے ہیں، مکہ سے ہجرت کی تو عوالیٰ میں مقیم ہوئے جو مدینہ سے دو تین میل ہے۔ لیکن خلافت کے بعد غالباً وہاں کی سکونت بالکل چھوڑ دی اور شہر میں آ کر رہے۔ یہاں جس مکان میں وہ رہتے تھے وہ مسجد نبوی سے متصل باب السلام اور باب الرحمتہ کے درمیان میں واقع تھا۔ چونکہ مرنے کے وقت وصیت کی تھی کہ مکان بیچ کر ان کا قرض ادا کیا جائے۔ چنانچہ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ

عنه نے اس کو خریدا اور قیمت سے قرض ادا کیا گیا۔ اس لئے یہ مکان مدت تک دارا قضاء کے نام سے مشہور رہا۔^(۱)

وسائل معاش تجارت

معاش کا اصلی ذریعہ تجارت تھا۔ چنانچہ صحیح بخاری میں ہے کہ حدیث استیذان کی لاعلمی کا انہوں نے یہی عذر کیا کہ میں خرید و فروخت میں مشغول ہونے کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کم حاضر ہوتا تھا۔ لیکن اور فتوحات بھی کبھی کبھی حاصل ہو جاتی تھیں۔ قاضی ابو یوسف نے کتاب الخراج میں لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ پہنچ کر ابو بکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو جاگیریں عطا کیں۔ خیبر جب فتح ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام صحابہ کو جو معرکہ میں شریک تھے تقسیم کر دیا۔

جاگیر

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حصے میں جو زمین آئی اس کا نام شمع تھا اور وہ نہایت سیر حاصل زمین تھی۔ مؤرخ بلاذری نے لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے تمام حصہ داروں کے نام ایک کتاب میں قلم بند کرائے تھے۔ یہود بنی حارثہ سے بھی ان کو ایک زمین ہاتھ آئی۔ اور اس کا نام بھی شمع تھا۔ لیکن انہوں نے یہ دونوں زمینیں خدا کی راہ پر وقف کر دیں (خلاصۃ الوفاء لفظ شمع)۔ خیبر کی زمین کے وقف کا واقعہ صحیح بخاری باب شروط فی الوقف میں مذکور ہے۔ وقف میں جو شرطیں کیں یہ تھیں۔ یہ زمین نہ بیچی جائے گی نہ ہبہ کی جائے گی۔ نہ وراثت میں منتقل ہوگی۔ جو کچھ اس سے حاصل ہوگا وہ فقراء و القربی،۔۔۔

۱۔ (دیکھو خلاصۃ الوفائی اخبار دارالمصطفیٰ مطبوعہ مصر صفحہ 29 اور حاشیہ مؤطا امام محمد صفحہ 272)

لام، مسافر اور مہمان کا حق ہے۔

مشاہرہ

خلافت کے چند برس بعد انہوں نے صحابہ کی خدمت میں مصارف ضروری کے لئے درخواست کی۔ اس پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے کے موافق اس قدر تنخواہ مقرر ہو گئی جو معمولی خوراک اور لباس کے لئے کافی ہو۔ ۱۵ ہجری میں جب تمام لوگوں کے روزینے مقرر ہوئے تو اور اکابر صحابہ کے ساتھ ان کے بھی پانچ ہزار درہم سالانہ مقرر ہو گئے۔

زراعت

معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ پہنچ کر اول اول زراعت بھی کی تھی۔ لیکن اس طرح کہ کھیت بٹائی پر دے دیتے تھے۔ غم خود مہیا کرتے تھے۔ اور کبھی شریک کے ذمے ہوتا تھا چنانچہ صحیح بخاری باب المزرعۃ میں یہ قواعہ بتصریح موجود ہے

غذا

غذا نہایت سادہ تھی، معمولاً روٹی اور روغن زیتون دسترخوان پر ہوتا تھا۔ روٹی اکثر گیہوں کی ہوتی تھی۔ لیکن آٹا اکثر چھانا نہیں جاتا تھا۔ عام القحط میں جو کا التزام کر لیا تھا۔ کبھی کبھی متعدد چیزیں دسترخوان پر ہوتی تھیں۔ گوشت، روغن زیتون، دودھ، ترکاری، سرکہ، مہمان یا سفر آتے تھے تو کھانے کی ان کو تکلیف ہوتی تھی۔ کیونکہ وہ ایسی سادہ اور معمولی غذا کے عادی نہیں ہوتے تھے۔

لباس

لباس بھی معمولی ہوتا تھا۔ اکثر صرف قمیص پہنتے تھے۔ برنس ایک قسم کی ٹوپی تھی۔ جو عیسائی درویش اوڑھا کرتے تھے۔ مدینہ منورہ میں بھی اس کا رواج ہو گیا تھا۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی استعمال کرتے تھے۔ جوتی عربی وضع کی ہوتی جس میں تسمہ لگا ہوتا تھا۔

سادگی اور بے تکلفی

نہایت بے تکلفی اور سادگی سے رہتے تھے۔ کپڑوں میں اکثر پیوند ہوتا تھا۔ ایک دفعہ دیر تک گھر میں رہے۔ باہر آئے تو لوگ انتظار کر رہے تھے۔ معلوم ہوا کہ پہننے کو کپڑے نہ تھے۔ اس لئے انہیں کپڑوں کو دھو کر سوکھنے ڈال دیا تھا۔ خشک ہو گئے تو وہی پہن کر باہر نکلے۔

لیکن ان تمام باتوں سے یہ نہیں خیال کرنا چاہیے کہ رہبانیت کو پسند کرتے تھے۔ اس باب میں ان کی رائے کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ ایک دفعہ ایک شخص جس کو انہوں نے یمن کا عامل مقرر کیا تھا۔ اس صورت سے ان سے ملنے کو آیا کہ لباس فاخرہ زیب تن تھا۔ اور بالوں میں خوب تیل پڑا ہوا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہایت ناراض ہوئے اور وہ کپڑے اتروا کر مونٹا کپڑا پہنایا۔ دوسری دفعہ آیا تو پریشان ہوا۔ اور پھٹے پرانے کپڑے پہن کر آیا۔ فرمایا کہ یہ بھی مقصود نہیں۔ آدمی کو نہ پراگندہ حال ہو کر رہنا چاہیے۔ نہ کہ پٹیاں جمانی چاہئیں۔ حاصل یہ کہ نہ بیہودہ تکلفات اور آرائش کو پسند کرتے تھے، نہ راہبانہ زندگی کو اچھا سمجھتے تھے۔

حلیہ

حلیہ یہ تھا کہ رنگ گندم گوں، قد نہایت لمبا، یہاں تک کہ سینکڑوں، ہزاروں آدمیوں کے مجمع میں کھڑے ہوتے تو ان کا قد سب سے نمایاں ہوتا تھا۔ رخسارے کم گوشت، گھنی داڑھی، مونچھیں بڑی بڑی، سر کے بال سامنے سے اڑ گئے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہر صیغہ میں جو جو نئی باتیں ایجاد کیں ان کو مؤرخین نے یکجا کر کے لکھا ہے اور ان کو اولیات سے تعبیر کرتے ہیں (اس میں سے اکثر اولیات کتاب الاوائل لابن ہلال العسکری اور تاریخ طبری میں یکجا مذکور ہیں۔ باقی جستہ جستہ موقعوں سے یکجا کی گئی ہیں)۔ چنانچہ ہم ان کے حالات کو انہی اولیات کی تفصیل پر ختم کرتے ہیں کہ اول باختر نسبتے دارد۔

1 بیت المال یعنی خزانہ قائم کیا۔

2 عدالتیں قائم کیں اور قاضی مقرر کیے۔

3 تاریخ اور سنہ ہجری کو رواج دیا جو آج تک جاری ہے۔

4 امیر المومنین کا لقب اختیار کیا۔

5 فوجی دفتر ترتیب دیا۔

6 والدینوں کی تنخواہیں مقرر کیں۔

7 دفتر مال قائم کیا۔

8 زمینوں کی پیمائش جاری کی۔

9 مردم شماری کرائی۔

10 نہریں کھدوائیں۔

- 11 شہر آباد کرائے یعنی کوفہ، بصرہ، جیزہ، فسطاط، موصل۔
- 12 ممالک مقبوضہ کو صوبوں میں تقسیم کیا۔
- 13 عشور یعنی وہ بکی مقرر کی۔ اس کی تفصیل صیغہ محاصل میں گزر چکی ہے۔
- 14 دریا کی پیداوار مثلاً عنبر وغیرہ پر محصول لگایا اور محصل مقرر کئے۔
- 15 حربی تاجروں کو ملک میں آنے اور تجارت کرنے کی اجازت دی۔
- 16 جیل خانہ قائم کیا۔
- 17 درہ کا استعمال کیا۔
- 18 راتوں کو گشت کر کے رعایا کے دریافت حال کا طریقہ نکالا۔
- 19 پولیس کا محکمہ قائم کیا۔
- 20 جا بجافوجی چھاؤنیاں قائم کیں۔
- 21 گھوڑوں کی نسل میں اصیل اور مجنس کی تمیز قائم کی جو اس وقت تک عرب میں نہ تھی۔
- 22 پرچہ نویس مقرر کئے۔
- 23 مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ تک مسافروں کے آرام کے لئے مکانات بنوائے۔
- 24 راہ پر پڑے ہوئے بچوں کی پرورش اور پرداخت کے لئے روزینے مقرر کئے۔
- 25 مختلف شہروں میں مہمان خانے تعمیر کرائے۔
- 26 یہ قاعدہ قرار دیا کہ اہل عرب (گو کافر ہوں) غلام نہیں بنائے جاسکتے۔
- 27 مفلوک الحال عیسائیوں اور یہودیوں کے روزینے مقرر کئے۔
- 28 مکاتیب قائم کئے۔
- 29 حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اصرار کے ساتھ قرآن مجید کی ترتیب پر آمادہ کیا اور

- اپنے اہتمام سے اس کام کو پورا کیا۔
- 30 قیاس کا اصول قائم کیا۔
- 32 فرائض میں عول کا مسئلہ ایجاد کیا۔
- 33 فجر کی اذان میں الصلوٰۃ خیر من النوم کا اضافہ کیا۔ چنانچہ مؤطا امام مالک میں اس کی تفصیل مذکور ہے۔
- 34 نماز تراویح جماعت سے قائم کی۔
- 35 تین طلاقوں کو جو ایک ساتھ دی جائیں طلاق بائن قرار دیا۔
- 36 شراب کی حد کے لئے اسی کوڑے مقرر کئے۔
- 37 تجارت کے گھوڑوں پر زکوٰۃ مقرر کی۔
- 38 بنو ثعلب کے عیسائیوں پر بجائے جزیہ کے زکوٰۃ مقرر کی۔
- 39 وقف کا طریقہ ایجاد کیا۔
- 40 نماز جنازہ میں چار تکبیروں پر تمام لوگوں کا اجماع کرا دیا۔
- 41 مساجد میں وعظ کا طریقہ قائم کیا۔ ان کی اجازت سے تمیم داری نے وعظ کہا اور یہ اسلام میں پہلا وعظ تھا۔
- 42 اماموں اور مؤذنین کی تنخواہیں مقرر کیں۔
- 43 مساجد میں راتوں کو روشنی کا انتظام کیا۔
- 44 ہجو کہنے پر تعزیر کی سزا قائم کی۔
- 45 غزلیہ اشعار میں عورتوں کے نام لینے سے منع کیا۔ حالانکہ یہ طریقہ عرب میں مدتوں سے جاری تھا۔

ان کے سوا اور بہت سی باتیں ان کی اولیات میں شامل ہیں جن کو ہم طوالت کے خوف سے قلم انداز کرتے ہیں۔

ازواج و اولاد

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جاہلیت و اسلام میں متعدد نکاح کئے۔ پہلا نکاح عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بہن زینب کے ساتھ ہوا۔ عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ سابقین صحابہ میں تھے، یعنی اسلام لانے والوں میں ان کا چودھواں نمبر تھا۔ 2 ہجری میں وفات پائی اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی وفات کا اس قدر صدمہ ہوا کہ آپ ان کی لاش کو بوسے دیتے تھے۔ اور بے اختیار روتے تھے۔ عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دوسرے بھائی قدامہ بھی اکابر صحابہ میں سے تھے۔ زینب مسلمان ہو کر مکہ معظمہ میں مریں۔ حضرت عبداللہ اور حضرت حفصہ ان ہی کے بطن سے ہیں۔

دوسری بیوی قریبہ بنت ابی لئیہ الخزومی تھیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ حضرت سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بہن تھیں۔ چونکہ یہ اسلام نہیں لائی تھیں، اور مشرک عورت سے نکاح جائز نہیں۔ اس لئے صلح حدیبیہ کے بعد 6 ہجری میں ان کو طلاق دے دی۔

تیسری بیوی ملیکہ بنت جروہ الخزاعی تھیں، ان کو ام کلثوم بھی کہتے ہیں۔ یہ بھی اسلام نہیں لائیں اور اس وجہ سے 6 ہجری میں ان کو بھی طلاق دے دی۔ عبداللہ ان ہی کے بطن سے ہیں۔

زینب اور قریبہ قریش کے خاندان سے اور ملیکہ خزاعہ کے قبیلہ سے تھیں۔ مدینہ میں آ کر انصار میں قرابت پیدا کی۔ یعنی 7 ہجری میں عاصم بن ثابت بن ابی الالاح فلح جو ایک معزز

انصاری تھے اور غزوہ بدر میں شریک رہے تھے، ان کی بیٹی جیلہ سے نکاح کیا۔ جیلہ کا نام پہلے عاصیہ تھا۔ جب وہ اسلام لائیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بدل کر جیلہ نام رکھا۔ لیکن ان کو بھی کسی وجہ سے طلاق دے دی۔

حضرت ام کلثوم سے نکاح کرنا

اخیر عمر میں ان کو خیال ہوا کہ خاندان نبوت سے تعلق پیدا کریں۔ جو مزید شرف اور برکت کا سبب تھا۔ چنانچہ جناب امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضرت کلثوم کے لئے درخواست کی۔ جناب ممدوح نے پہلے ام کلثوم کی صغر سنی کے سبب سے انکار کیا۔ لیکن جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زیادہ تمنا ظاہر کی اور کہا کہ اس سے مجھ کو حصول شرف مقصود ہے تو جناب امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منظور فرمایا اور 17 ہجری میں 40 ہزار مہر پر نکاح ہوا۔ (حضرت ام کلثوم بنت فاطمہ کی تزویج کا واقعہ تمام معتمد مورخوں نے بتفصیل لکھا ہے۔ طبری نے تاریخ کبیر میں، ابن حبان نے کتاب الثقات میں،۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اور بیویاں بھی تھیں۔ یعنی ام حلیم بنت الحارث بن ہشام الخزومی، فہیمہ یمنیہ عاتکہ بنت زید بن عمرو بن نفیل، عاتکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی چچیری بہن تھیں۔ ان کا نکاح پہلے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرزند عبداللہ سے ہوا تھا۔ اور چونکہ نہایت خوبصورت تھیں۔ عبداللہ ان کو بہت چاہتے تھے۔ عبداللہ غزوہ طائف میں شہید ہو گئے۔ عاتکہ نے نہایت درد انگیز مرثیہ لکھا جس کا ایک شعر یہ ہے۔

فالیت لا یتفک عینی حزینۃ

علیک ولا یتفک جلدی الغبرۃ

میں نے قسم کھائی ہے کہ میری آنکھ ہمیشہ تیرے اوپر غمگین رہے گی اور بدن خاک آلود رہے گا۔"

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے 12 ہجری میں ان سے نکاح کیا۔ دعوت ولیمہ میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی شریک تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد کثرت سے ہوئی جن میں سے حضرت حفصہ اس لئے زیادہ ممتاز ہیں کہ وہ ازواج مطہرات میں داخل ہیں۔ ان کا نکاح پہلے خنیس بن حذافہ کے ساتھ ہوا تھا جو مہاجرین صحابہ میں سے تھے۔ خنیس جب غزوہ احد میں شہید ہوئے تو وہ ۳ ہجری میں جناب رسول اللہ کے عقد میں آئیں۔ ان سے بہت سی حدیثیں مروی ہیں اور بہت سے صحابہ نے ان سے یہ حدیثیں روایت کی ہیں۔ 45 ہجری میں 63 برس کی عمر پا کر انتقال کیا۔

اولاد ذکور

اولاد ذکور کے یہ نام ہیں۔ عبد اللہ، عبید اللہ، عاصم، ابو ثعمہ عبد الرحمن، زید، مجیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ ان میں سے تین سابق الذکر زیادہ نامور ہیں۔

عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت عبد اللہ فقہ و حدیث کے بڑی رکن مانے جاتے ہیں۔ بخاری و مسلم میں ان کے مسائل اور روایتیں کثرت سے مذکور ہیں۔ وہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ مکہ میں اسلام لائے اور اکثر غزوات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ رہے۔ علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں اور ابن خلکان نے دفيات الاعیان میں ان کا حال تفصیل کے ساتھ

لکھا ہے جس سے ان کے علم و فضل اور زہد و تقدس کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ علم و فضل کے علاوہ حق گوئی میں نہایت پیاک تھے۔ ایک دفعہ حجاج بن یوسف کعبہ میں خطبہ پڑھ رہا تھا۔ عین اسی حالت میں انہوں نے کھڑے ہو کر کہا کہ ”یہ خدا کا دشمن ہے کیونکہ اس نے خدا کے دوستوں کو قتل کیا ہے۔“ چنانچہ اس کے انتقام میں حجاج نے ایک آدمی کو متعین کیا جس نے ان کو مسموم آلہ سے زخمی کیا۔ اور اسی زخم سے بیمار ہو کر وفات پائی۔ علامہ ذہبی نے لکھا ہے کہ جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا معاملہ حکم کے ہاتھ میں دے دیا تو لوگوں نے حضرت عبداللہ سے آکر کہا کہ تمام مسلمان آپ کی خلافت پر راضی ہیں۔ آپ آمادہ ہو جائیے تو ہم لوگ آپ کے ہاتھ پر بیعت کر لیں۔ انہوں نے انکار کیا۔ اور کہا کہ میں مسلمانوں کے خون سے خلافت کو خریدنا نہیں چاہتا۔

سالم بن عبداللہ

حضرت عبداللہ کے بیٹے سالم فقہائے سبعہ یعنی مدینہ منورہ کے ان سات فقہاء میں سے محسوب ہوتے ہیں۔ جن پر حدیث و فقہ کا مدار تھا۔ اور جن کے فتوے کے بغیر کوئی قاضی فیصلہ کرنے کا مجاز نہ تھا۔ سالم کے علاوہ باقی چھ فقہاء کے نام یہ ہیں۔ خارجہ بن زید، عروہ بن الزبیر، سلیمان بن یسار، عبید اللہ بن عبداللہ، سعید بن المسیب، قاسم بن محمد۔

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ تمام محدثین کے نزدیک حدیث کے دو سلسلے سب سے زیادہ مستند ہیں، اور محدثین اس سلسلے کو ”زنجیر زر“ کہتے ہیں۔ یعنی اول وہ حدیث جس کی روایت کے سلسلے میں امام مالک، نافع، عبداللہ بن عمر ہوں اور دوسری وہ حدیث جس کے سلسلے میں زہری، سالم اور عبداللہ بن عمرو واقع ہوں۔ امام مالک اور زہری کے سوا باقی تمام لوگ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کے گھرانے کے ہیں۔ عبداللہ اور ان کے بیٹے سالم اور

نافع حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے غلام تھے۔

عبید اللہ

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دوسرے بیٹے عبید اللہ شجاعت اور پہلوانی میں مشہور تھے۔

عاصم

تیسرے بیٹے عاصم نہایت پاکیزہ نفس اور عالم و فاضل تھے۔ ۷ ہجری میں جب انہوں نے انتقال کیا تو حضرت عبداللہ بن عمر نے ان کا مرثیہ لکھا جس کا ایک شعر یہ ہے۔

قلیت المنا یا کن خلفن عاصماً

فعلشنا جميعاً اودھبن بنا معاً

کاش موت عاصم کو چھوڑ جاتی تاکہ ہم سب ساتھ رہتے یا لے جاتی تو سب کو لے جاتی۔
عاصم نہایت بلند قامت اور جسیم تھے اور عمدہ شعر کہتے تھے۔ چنانچہ اہل ادب کا قول ہے کہ شاعر کو کچھ نہ کچھ وہ الفاظ بھی لانے پڑتے ہیں جو مقصود نہیں ہوتے۔ لیکن عاصم اس سے مستثنیٰ ہیں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز ان ہی کے نواسے تھے۔ ابن قتیبہ نے کتاب المعارف میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پوتوں، پڑپوتوں اور نواسوں کا حال بھی لکھا ہے۔ لیکن ہم اختصار کے لحاظ سے قلم انداز کرتے ہیں۔

خاتمہ